آشنا ناآشنا
الیاس سیتاپوری

الیاس سیتاپوری

کی منتخب تاریخی کہانیاں

آشنا نا آشنا

پوسٹ بکس ۸۱۵۲ فیڈرل "بی" ایریا - کراچی ۳۸

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

پاکستان اور بھارت سے ایک ساتھ شائع ہونے والی منتخب تاریخی کہانیاں

قیمت ——— 40 روپے
طابع ——— گیلانی پرنٹرز کراچی فون 2628670

واحد تقسیم کار:۔ کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ کراچی نمبرا

ان لوگوں کے لیے جو خوبصورت کہانیاں پڑھنے کے شوقین ہیں،

ہزاروں دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کے قلم سے

ہماری آپ کی پاس معاشرے کی کہانیاں

وہ کہانیاں جو آپ کے دل پر اثر کریں گی، جنہیں آپ بھولنے نہیں، زبان سے نہیں بلکہ دل کی دھڑکنوں سے پڑھیں گے

وہ کہانیاں جنہیں پڑھ کر آپ کہیں گے کہ آپ کو ایسی ہی کہانیوں کی تلاش تھی

قیمت: ۱۰۰ روپے

ایمان کا سفر: میں ایک مسافر سماج کے صحرا سے برہنہ پا گزر رہا ہوں۔ اس لیے کہ ہزار صدی سے کانٹوں کی رہگذر سے ایمان گزر رہا ہے۔

چور رشتہ: ہماری مہذب سوسائٹی میں جب دو رشتہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ملتی تب آدمی تہذیب کے چور دروازے سے ایک چور کی طرح اس رشتہ تک پہنچتا ہے۔

سدا سہاگن: میں نے دیکھا۔ وہ شیشہ تھی میں نے ہاتھ لگایا۔ وہ پتھر تھا — وہ تھی یا وہ تھا۔
ایک متعفن ماحول میں ایک نازک جذبے کی کہانی جو نزک لوں میں اتر کر لہو کی طرح گھل جاتی ہے۔

میٹھا زہر: پنجاب کی زندہ تہذیب کی زندہ کہانی۔ جس کا اختتام نہایت ہی چونکا دینے والا اور ناقابل فراموش ہے۔

آئینہ خانہ: ہم اس دنیا کے ایسے آئینہ خانے میں جی رہے ہیں جہاں ہمیں اپنے گھناؤنے کردار کا ہر پہلو نظر آتا ہے بشرطیکہ ہماری آنکھیں دیکھنا جانتی ہوں۔

آدمی کا باپ: وہ میرا باپ تھا میں اس کا باپ بن گیا پھر وہ اس کا باپ بننے لگا۔ ایک شرمناک سوال۔ ہم آدمیوں کا باپ کون ہے؟

شیشوں کے مسیحا: ایسے مسیحاؤں کی کہانی جو شیشوں کے نازک بدن کو توڑتے ہیں پھر بار پچھتا کر انہیں پیار سے جوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جزیرے کی چاندنی: محبت کی ایک ایسی دردناک کہانی جسے آپ آنکھوں سے نہیں زبانوں سے نہیں صرف دل کی دھڑکنوں سے پڑھیں گے۔

ممتا کی واپسی: ایک نیم مردہ بچے کی تین سگی ماؤں کی کہانی۔ وہ مائیں اس بچے کی سلامتی کے لیے اپنی اپنی ممتا کو سوتیلی ماؤں کی طرح کچل رہی تھیں۔

کلی کا کفن: لوگو! تم انتقامی جذبوں کو لہو کا کفن اور پھولوں کے رشتوں کو خزاں کا کفن پہناتے ہو۔ اب آؤ . . .
اور اس کلی کو ہوس کا کفن پہنا دو ——
تمہاری تہذیب مکمل ہو جائے گی۔

ہر اچھی بک اسٹال سے طلب کریں — یا — براہ راست ہم سے منگوائیں

مکتبہ نفسیات، پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

آشنا ناآشنا

سکندر لودھی کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے ابراہیم لودھی نے اقتدار سنبھالا، ابراہیم لودھی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ سکندر لودھی کے زمانے تک افغانوں کو بڑا اعزاز و اقبال حاصل رہا لیکن اس کے جانشین نے انھیں اُن کے حقوق اور اعزاز سے یکسر محروم کر دیا۔ شکی، غیر معمولی انا کا خوگر اور ظالم ابراہیم لودھی اُن سے ایسے سلوک کرنے لگا کہ اُن کے دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں جمع ہونے لگیں۔ وہ امراء جو قصرِ حکومت کے ستون کہلاتے تھے، ابراہیم لودھی کے نظر میں محض معمولی خدمتگار رہ گئے تھے، اور سیاست و تدبر کے وہ بڑے لوگ جن کی فراست پر نظم و نسق ریاست کا دار و مدار تھا۔ اب صرف حاشیہ نشین تصور کیئے جانے لگے تھے۔ بڑے بڑے امراء جو کل تک بادشاہ کے اِرد گرد بیش دو زانو بیٹھا کرتے تھے۔ اب انھیں یہ حکم ملا تھا کہ وہ بادشاہ سے دس قدم دُور ادب سے کھڑے رہا کریں۔ بات اگر یہیں تک رہتی تو شاید قدر سے غنیمت سمجھی جاتی۔ لیکن نئے بادشاہ نے اپنے رشتے داروں اور عزیزوں تک کو معاف نہیں کیا۔ اس نے بڑے بڑے امراء اور عزیز رشتے داروں کے نام ایک فرمان جاری کر دیا جس کا مفہوم تھا۔ ہم فرماں روا ئے ہند، ابراہیم لودھی صاف صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں اور اگر بفرض کسی سے کوئی رشتے داری بھی ہے تو اُسے یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ بھی بادشاہ کا نوکر ہے اور کسی نوکر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی حیثیت کو ایک لمحے کیلیئے بھی اپنے ذہن سے نکالے۔"

اس فرمان اور اس اعلان نے افغان امراء اور لودھی قرابت داروں میں انتشار اور بے چینی پیدا کر دی۔

تمام امرار ابراہیم لودھی کے رُو برُو ادب سے نیچی نگاہیں کئے کھڑے تھے اُن میں سے اچانک ایک نوجوان اپنی صف سے نکل کر شاہانہ انداز میں ابراہیم لودھی کی طرف بڑھا اور جا کے اس کے برابر بیٹھ گیا دربار میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اُمرار بادشاہ کے حکم کے منتظر تھے۔ ابراہیم لودھی کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے اس بے باک نوجوان کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اس کا چہرہ اپنے رُوبرو کر کے دریافت کیا: "تُو کون ہے اور تیرا اس گستاخی سے مطلب؟"

نوجوان نے نہایت سکون سے جواب دیا: "مجھے محبّت خان موچی کہتے ہیں اور پورا دربار جانتا ہے کہ میں ہیبت خاں کا بیٹا ہوں، وہ ہیبت خان جس نے لودھی خاندان پر اپنی جان قربان کر دی اور اس کی جگہ میں نے اس دربار میں یہ مرتبہ حاصل کیا۔"

ابراہیم لودھی نے تُرش روئی سے کہا: "اس ناقابل تلافی جسارت کا مقصد؟"

محبّت خان نے جواب دیا: "میں پٹھانوں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا، بادشاہ کے روبرو اِن کا اس طرح دست بستہ کھڑا ہونا افغان امرار کی بے عزتی ہے معلوم نہیں یہ کیسے افغان ہیں جو اس بے غیرتی کو انگیز کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ورنہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔

پورے دربار پر سناٹا طاری تھا۔ امرار کی غیرت انھیں بے چین کر رہی تھی اور وہ کندھے اُچکانے، ہاتھ پیروں کو ہلانے اور پلکیں جھپکانے پر مجبور تھے، بادشاہ نے گریبان کو جھٹکا دیتے ہوئے دریافت کیا: "تُو جانتا ہے ہم اس کی کیا سزا دے سکتے ہیں؟"

محبّت خان نے لاپرواہی سے جواب دیا: "زیادہ سے زیادہ قتل کی سزا، لیکن آپ بھی یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ میں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ "موچی" بھی لگا رکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ مجھے شوق سے قتل کرا دیں۔ لیکن میرا قتل افغان امرار اور آپ کے لودھی قرابت داروں میں بے چینی اور بغاوت کی رُوح پھونک دے گا، اور یہ آپ کی ذات اور آپ کی حکومت کے حق میں ایک بدترین فال ہوگی۔"

ابراہیم لودھی نے اُسے اُمرار کی طرف دھکیل دیا اور امرار کو حکم دیا۔

احمق کو زبردستی کھڑا رکھا جائے!"

امراء نے اُسے پکڑ لیا۔ محبت خان نے آزادی کے لیے بڑی جدوجہد کی لیکن اُسے چھوڑا نہیں گیا۔ بادشاہ کا مارے غصے کے بُرا حال تھا۔ اُس نے جنون میں چیخ کر حکم دیا: اس کی جائیداد اور املاک کو بحق حکومت ضبط کر لیا جائے۔

محبت خان نے جوش میں جھٹکے دے دے کر چھڑانے کی کوشش کی اور چیخا "مجھے قتل کر دو، مجھے جان سے مار دو، مجھے ہلاک کر دو، میں بے غیرت بن کر زندہ نہیں رہنا چاہتا، مجھے مار دو، ہلاک کر دو۔"

ابراہیم لودھی شاید اس کے قتل کا حکم صادر کر دیتا لیکن اس وقت خان جہاں لوحانی نامی ایک امیر دو قدم آگے بڑھا اور چہرہ اُوپر اُٹھا کے، بادشاہ کے قریب جانے کی اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے اُسے قریب آ جانے کا اشارہ کیا۔ خان جہاں لوحانی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا بادشاہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بادشاہ کا سیدھا ہاتھ، ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا اور آہستہ سے عرض کیا "جہاں پناہ کو بظاہر مشورے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی محبت خان کے بارے میں ناچیز کے ذہن میں ایک ایسی تجویز آگئی ہے کہ شاید حضور بھی اُسے بے حد پسند فرمائیں۔"

ابراہیم لودھی غصے میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا "اس ناہنجار کی ناپاک جسارت اور احمقانہ جرأت کی سزا، قتل کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔"

خان جہاں لوحانی نے ایک بار پھر بادشاہ کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کی پُشت کو بوسہ دیا اور عرض کیا "خاکسار کچھ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہے!"

بادشاہ نے حکم دیا: "تخلیہ!"

اور امراء اس طرح سمٹ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے گویا وہ دربار میں تھے ہی نہیں۔ خان جہاں لوحانی نے مڑ کر درباری امراء کی خالی سنسان جگہ کو دیکھا۔ اور بادشاہ سے عرض کیا "حضور والا! محبت خان کی جسارت اور احمقانہ جرأت کی معمولی ترین سزا جو ہو سکتی ہے وہ قتل ہے لیکن وہ اس سے بڑی سزا کا مستحق ہے۔"

"یعنی!" بادشاہ نے حیرت سے پوری آنکھیں کھول دیں۔ "یعنی قتل سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

خان جہاں لوحانی نے عرض کیا۔ "حضور والا! افغانوں کو جو بدترین سزا دی جا سکتی ہے وہ ایک ایسی سزا ہے جو ایک افغان کو عزت اور حمیت سے محروم کر دے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "مجھ سے پہیلیاں نہ بجھاؤ، بلکہ یہ بتاؤ کہ وہ کون سی سزا ہے جو افغان سے اس کی عزت اور حمیت کو چھین لے؟"

خان جہاں نے کہا۔ "ان دنوں حاجی پور کی جاگیر مرحوم امیر کی نوجوان بیوہ بخشی بیگم کے زیر انتظام ہے۔ کہتے ہیں یہ بیوہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عجیب و غریب خیالات کی مالک ہے۔"

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "خان جہاں! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

خان جہاں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "محبت خان کو جلاوطنی کا حکم سنا دیا جائے اور اسے صاف صاف یہ بتا دیا جائے کہ یہ جلاوطنی کا زمانہ حاجی پور میں گزارا جائے گا اور حضور والا! یہ سرکش نادان افغان اگر واقعی غیرت مند ہے تو حاجی پور کی بیوہ جاگیردار بخشی بیگم کی ملازمت سے کترائے گا اور اگر اس کی عزت و حمیت بھی کاغذی پھولوں کی طرح خوشبو سے محروم ہے تب پھر اس جاگیردار بیوہ کی ملازمت میں چلے جانے کے بعد اس کی افغانی عزت اور حمیت اس بری طرح مجروح ہو گی کہ یہ کسی افغان امیر سے آنکھ تک نہ ملا سکے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر ہلکی سی مسکراہٹ نے چہرے کو نرم اور خوش اخلاق بنا دیا۔ اس نے پوچھا۔ "یہ بخشی بیگم کس قسم کی عورت ہے؟"

خان جہاں نے جواب دیا۔ "حضور والا! اس عورت کی جس خصوصیت اور خوبی سے ہمیں کام لینا ہے وہ یہ ہے کہ بخشی بیگم کسی ایک مرد سے محبت کرنے کی قائل نہیں ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ بیک وقت کئی کئی مردوں سے عشق کرنے کی قائل ہے۔ اس ناچیز کو یقین ہے کہ اگر محبت خان اس کے دربار میں پہنچ گیا تو بخشی بیگم اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اور یہ نوجوان بھی اس کی زلفوں کا اسیر ہو کر ایسی ایسی بے غیرتی کی حرکتیں کرے گا کہ بس مزہ آجائے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر اس نرالی سزا پر غور کرتا رہا پھر کہا۔ "ہمیں تمہاری یہ سزا پسند آئی۔ تم ان سبھوں کو دوبارہ دربار میں طلب کر کے محبت خان کو سزا سنا دو!"

خان جہاں نے بادشاہ کی طرف سے تالی بجائی، غلام حاضر ہوتے امرا کو دربار میں دوبارہ حاضری دینے کا حکم سنایا اور تھوڑی دیر میں دربار پھر آباد ہو گیا۔ خان جہاں نے بآواز بلند بادشاہ کا فرمان سنایا۔

"ایک بادشاہ کسی ملک کا صرف حکمراں ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی رعایا کا باپ بھی ہوتا ہے۔ اسی نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے بادشاہ نے محبت خان کو حکم دیا ہے کہ محبت خان فوراً آگرے کو چھوڑ دے اور حاجی پور کی جاگیر میں چلا جائے اور تا حکم ثانی وہیں موجود رہے۔"

محبت خان نے سکونِ دل سے اپنی سزا سنی اور کہا۔ "اگر میں یہ سزا تسلیم نہ کروں تو؟"

خان جہاں نے جواب دیا "یہ تمہاری نادانی ہے۔ تم سزا کی نرمی پر غور کرو اور اسی وقت حاجی پور جا کے بخشی بیگم کی ملازمت کر لو۔"

محبت خان نے ترشی سے جواب دیا۔ "میں ایک عورت کی ملازمت نہیں قبول کر سکتا۔"

خان جہاں نے افسوس کرتے ہوئے کہا "محبت خان! تمہاری نوعمری اور ناتجربہ کاری تمہیں کہیں کا بھی نہ رکھے گی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"

محبت خان نے بادشاہ کو مخاطب کیا۔ "حضور والا! آج میں گھر سے یہ سوچ کر حاضر ہوا تھا کہ مجھے واپس نہیں آنا ہے۔ میں افغان امراء کی بے غیرتی گوارا نہیں کر سکتا۔ مغل افواج ہندوستان کے دروازوں پر کھڑی ہیں، افغان اتحاد اور اتفاق سے محروم ہو چکے ہیں، جہاں پناہ اپنی انا اور غرور کے شکار ہو چکے ہیں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ دربار میں غیر معمولی جرأت و جسارت کا قدم اٹھا کے افغان امراء میں غیرت کو بیدار کر دوں اور جہاں پناہ کے غرور کو پاش پاش کر دوں لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ بے حد افسوس ناک ہے! افغان امراء بے سنوہ جوں کے توں بے غیرتی سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں اور میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔" پھر نہایت دکھ سے گردن جھکا کر بولا "اگر مجھے یہ یقین ہو جاتے کہ میری جان کی قربانی افغان امراء کے مرض بزدلی اور آزار بے غیرتی کو دور کر دے گی تو میں اپنی جان دینے کو بھی تیار ہوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ ہمارا مرض اپنے آخری درجے میں ہے اور یہ جان لے کر ہی ٹلے گا۔" پھر خان جہاں سے کہا "میں بخشی بیگم کی جاگیر میں جانے کو تیار ہوں ابھی اسی وقت!"

خان جہاں نے بادشاہ کی ایما پر بخشی بیگم کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ جس میں حاجی پور کی بیوہ کو حکم دیا گیا تھا کہ "لودھی دربار کا محبت خان اس کے پاس آ رہا ہے اور یہ اس وقت تک وہیں رہے گا جب تک لودھی دربار اس کے نام کوئی دوسرا فرمان جاری نہیں کرتا۔"

محبت خان کے جاتے ہی بادشاہ کے آدمیوں نے محبت خان کی جائداد اور املاک پر قبضہ کر لیا۔ اس کی ماں قید خانے میں ڈال دی گئی اور بہن کو کسی درباری امیر کے حوالے کر دیا گیا۔ باپ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب محبت خان آگرہ سے دور حاجی پور کے قریب پہنچ چکا تھا۔

پُرپیچ پہاڑیوں کے سب سے بلند حصے میں حاجی پور کا قلعہ میلوں دور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ محبت خان نے دھوپ کی تمازت سے اپنی آنکھیں کسی حد تک بھینچ رکھی تھیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دی اور پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ پتلے پتلے بل کھاتے راستوں کے ایک طرف تو پہاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں اور دوسری طرف گہرے کھڈ منہ کھولے موجود تھے۔ کہیں کہیں مسطح سبزہ زار بھی نظر آئے۔ ان سبزہ زاروں میں مویشیوں کے ریوڑ اپنی دموں کو ہلا ہلا کر اور جسموں کو تھرتھرا کر چرنے میں مشغول تھے، کوئی جانور مستی میں آتا تو دوسرے کے پیٹ سے اپنا سر لڑا کر اسے دھکیلنے لگتا اور وہ جانور خود کو سنبھالنے کی کوشش میں پھسل پھسل کر سنبھل جاتا۔ کچھ جانور تو سایہ دار درختوں کے سائے میں بیٹھ کر جگالی کر رہے تھے۔ مویشیوں کے رکھوالے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ محبت خان نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی اور سنبھل سنبھل کر اوپر چڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد چند گھڑسوار گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے نمودار ہوئے اور انہوں نے آتے ہی محبت خان کو اپنے گھیرے میں لے لیا، انہوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں۔ محبت خان بھی کسی سے کم نہیں تھا، اس نے بھی تلوار سونت لی۔ ایک سوار ذرا آگے بڑھا اور محبت خان سے سوال کیا۔ "قاصد یا کچھ اور؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "قاصد نہیں لودھی دربار کا معتوب اور جلا وطن۔ میں قلعے کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

سوار نے دریافت کیا۔ "جلا وطنی کے لئے تم نے حاجی پور ہی کو کیوں پسند کیا؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "جلا وطنی کے لئے بادشاہ نے خود ہی حاجی پور کو نامزد کیا ہے!"

اس کے بعد اس نے ابراہیم لودھی کا فرمان اس سوار کے سامنے پیش کر دیا۔ فرمان پڑھ چکنے کے بعد سوار گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اور محبت خان کو بھی نیچے اتار لیا۔ اس نے محبت خان کو اپنے گلے سے لگا لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ "یہ سزا یقیناً خان جہاں لودھی نے تجویز کی ہو گی؟"

محبت خان نے سرسری انداز میں جواب دیا "ہاں۔ بس وہی ایک ہم افغان امراء کا ہمدرد باقی رہ گیا ہے ورنہ سبھی نفسانفسی کے شکار ہو چکے ہیں!"

سوار نے خان جہاں کا مذاق اڑایا، بولا! "نوجوان دوست تم خان جہاں کو نہیں سمجھ سکتے وہ بڑا چالاک امیر ہے، کچھ عرصہ پہلے اسی نے ہی مجھے بھی حاجی پور روانہ کیا تھا۔ حاجی پور غیرت مند اور خود دار افغانوں کی آزمائش گاہ ہے"

"وہ کس طرح؟" محبت خان نے سوال کیا۔

سوار نے خلوص سے محبت خان کا کندھا تھپتھپایا اور اپنے گھوڑے کی طرف جاتا ہوا بولا "اب اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ قلعے میں چل کر باتیں ہوں گی!"

محبت خان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سوار کی طرف منہ پھیر کے دریافت کیا "تمہیں میری آمد کا پتہ کس طرح چلا؟"

سوار نے جواب دیا "گڈریئے سے۔ یہ گڈریا دونوں ہی کام انجام دیتا ہے اپنے ریوڑ کی گلہ بانی بھی اور جاسوسی بھی!" پھر سوال کیا "کیا تمہیں یہ جگہ اچھی لگ رہی ہے؟"

محبت خان نے جواب دیا "ویسے مناظر کے اعتبار سے تو اچھی جگہ ہے، یوں بھی کچھ کہنا فضول ہے!"

سوار نے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور سبھی ایک ساتھ چل پڑے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سوار نے کہا "تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا "محبت خان موجی!"

"محبت خان موجی!" سوار ہنس دیا "یہ موجی کا کیا مطلب ہے؟"

محبت خان نے ہنس کر جواب دیا "محبت خان تو میرا نام ہے لیکن میں نے اپنے نام میں موجی کا اضافہ یوں کر لیا ہے کہ میرے مزاج میں موجی پن بہت ہے کبھی کبھی جب طبیعت موج پر آتی ہے تو میں کسی بھی کام کے پیچھے جن کی طرح لگ جاتا ہوں اور جب بھی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے تو پھر ہفتوں بے کار رہ کے گزار دیتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں کہ میں ذرا موجی واقع ہوا ہوں، اس لئے نام کے ساتھ لفظ موجی کا اضافہ کر دیا!"

"خوب" سوار ہنسنے لگا "ویسے میرا نام شادی خان ہے" پھر ہنس کر بولا "میں تمہاری طرح موجی تو نہیں ہوں لیکن ہر وقت خوش ضرور رہنا چاہتا ہوں اور بڑے سے بڑا صدمہ ہنسی خوشی برداشت کر جاتا ہوں!"

محبت خان کی نظریں سُرخ پتھروں والے حاجی پور کے قلعے پر لگی ہوئی تھیں۔ اُس نے بے خیالی میں کہا۔ "خوب۔ نام تو تمہارا بھی بہت اچھا ہے۔" پھر کچھ سوچ کر ایک غیر متوقع سا سوال کر دیا۔ "یہ حاجی پور کی بیوہ بخشی بیگم کیسی عورت ہے؟"

شادی خان کے گویا کان کھڑے ہو گئے۔ بولا۔ "اچھی عورت ہے۔ کیوں؟ اس سوال سے تمہارا مقصد؟"

محبت خان نے کہا۔ "بھائی شادی خان! معلوم نہیں مجھے حاجی پور میں کتنے عرصے تک رہنا پڑے اور یہاں واسطہ اس خاتون سے پڑے گا۔ بس یہی سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں یہ کیسی عورت ہے؟"

شادی خان نے کہا۔ "ویسے عورت تو بہت اچھی ہے لیکن ذرا اکل کھری ضرور ہے طبیعت میں بے مروتی بہت زیادہ ہے۔"

محبت خان کو اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ چھپا رہا ہے شادی خان بولتا رہا۔ "میرے دوست! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ خان جہاں جس امیر کو بھی حاجی پور بھیجتا ہے اُس کا بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ اس امیر کو اس بے مروت اور اکل کھری عورت کے ہاتھوں ذلیل و خوار کیا جائے۔"

محبت خان نے اکھڑ افغان کی طرح کہا۔ "میں کسی عورت کا رعب داب ماننے سے رہا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر اُس نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو میں اس کے دو ٹکڑے کر کے قصہ ہی پاک کر دوں گا۔"

شادی خان کے چہرے کا رنگ بدل گیا، ناگوار لہجے میں بولا۔ "ایسا کبھی غضب بھی نہ کرنا۔ بخشی بیگم کے پاس پانچ ہزار جیالے ملازم ہیں جن میں کا ایک ایک بھی ہوں، وہ تمہاری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔"

محبت خان نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "بعد میں کچھ بھی ہو، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن میں کسی عورت کے رعب داب میں آنے سے رہا۔"

شادی خان نے کہا۔ "بس تم ذرا دور رہنے کی کوشش کرنا، باقی میں سنبھال لوں گا تم یہ کوشش بھی کرتے رہنا کہ کسی طرح تمہاری جلاوطنی ختم ہو جائے۔"

محبت خان نے شادی خان کے چہرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور اُسے یہ شبہ گزرا کہ شادی خان کچھ نہ کچھ اس سے چھپا رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "بخشی بیگم میرے سپرد کیا کام کرے گی؟"

شادی خان نے کہا۔ "تمہاری ذمہ داری میں قبول کرلوں گا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تم اس خبردماغ کے سامنے جانے سے بچ جاؤ گے!"

محبت خان نے کہا۔ "نہیں۔ میں اس سے ضرور ملوں گا اور اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔"

شادی خان نے غصے میں کہا۔ "تم احمق ہو۔ میری بات مانتے کیوں نہیں؟"

"میری اپنی ایک شخصیت ہے، میرا اپنا ایک کردار ہے۔ پھر میں تمہاری بات کس طرح مان لوں؟"

شادی خان نے تیز تیز نظروں سے محبت خان کو گھورا اور پھر گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

جب اُن کے سائے اپنے قدموں تلے آنے لگے اس وقت وہ قلعے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ انہیں مرکزی پھاٹک پر روکا نہیں گیا۔ یہ سب گھوڑے دوڑاتے ہوئے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ اور نصف فرلانگ طے کرنے کے بعد داہنی طرف محلات بنے ہوئے تھے انہیں میں سے ایک پُرتکلف محل میں بخشی بیگم رہ رہی تھی۔ بخشی بیگم کے محل سے ہزار قدم دُور ایک دوسری عمارت موجود تھی۔ یہ حاجی پور کا مہمان خانہ تھا۔ شادی خان نے اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا اور خود اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔

مہمان خانے کی روٹیاں کھاتے کھاتے محبت خان اُکتا گیا اور اسے شرم سی آنے لگی اُس نے روٹیاں لانے والے کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ بولا۔ "بڑے صاحب! کیا میں تمہاری مالکہ سے کبھی مل سکتا ہوں؟"

اُس نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ میں تمہارا پیغام اُن تک پہنچا دوں گا۔"

محبت خان نے سونے کا ایک سکہ اپنی جیب سے نکالا اور اسے روٹی والے کی طرف بڑھا دیا۔ بولا۔ "تم مجھے اپنی مالکہ سے ملوا دو، میں یہ سونے کا سکہ تمہیں نذر کرنے کو تیار ہوں۔"

روٹی والے نے جواب دیا۔ "تم فکر نہ کرو، میں بہت جلد اس سے تمہاری ملاقات کرا دوں گا!"

اتنا کہہ کر وہ چلا گیا اور محبت خان اس ملاقات کی گھڑی کا بے چینی انتظار کرنے لگا۔

★ ★ ★

سورج ابھی سوا نیزے ہی چڑھا ہوگا کہ بخشی نے اُسے طلب کر لیا۔ دو مسلح سواروں نے اُسے آگے پیچھے سے گھیر لیا اور اسی طرح محاصرے میں لے کر بخشی کی ڈیوڑھی تک پہنچ گئے۔ وہاں محبت خان سے اُس کے ہتھیار لے لئے گئے اور وہ بالکل نہتا ہو کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جس کے برابر والے کمرے کے دروازے پر ایک باریک کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا اور دوسری طرف سرخ لباس میں ملبوس بخشی بیگم کی جھلک بھی دکھائی دینے لگی۔ جس قسم کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اس سے محبت خان کچھ کچھ مرعوب ہو گیا۔ بخشی کے سپاہی ہتھیاروں سے لیس بار بار اُس کے کمرے میں آ جاتے تھے۔ بخشی بالکل پردے کے قریب آ گئی اور اُس نے سوال کیا "بادشاہ نے تمہیں معتوب کیوں کر دیا؟"

محبت خان نے بادشاہ کی شکایت کی "بیگم صاحبہ! بادشاہ نے افغان امراء اور سرداروں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا ہے، وہ کہتا ہے اس کا کسی سے بھی کوئی رشتہ نہیں وہ بادشاہ ہے اور سب اس کے ملازم ہیں حالانکہ بیگم صاحبہ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ جنت مکان فرماں روا تے ہند حضرت سکندر لودھی کے عہد میں ایسا نہیں تھا اور امرا کو دربار میں اعزاز و اکرام سے بیٹھنے کی اجازت حاصل تھی، اب بادشاہ ہر ایک کو اپنے روبرو کھڑا رکھتا ہے۔"

بخشی نے تحکمانہ انداز میں کہا "کلام مختصر کیا جائے۔ میں طول طویل باتیں پسند نہیں کرتی۔"

محبت خان کی انا کو چوٹ لگی، غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا، بولا "یہی صورتِ حال بادشاہ کے روبرو بھی پیش آ گئی تھی۔ ایک معزز پٹھان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے بادشاہ کے پندار اور تکبر کو توڑنے کے لئے گھس کے برابر بیٹھ جانے کی جسارت کی تھی جس کے عتاب میں مجھے حاجی پور بھیج..."

بخشی غالباً ہنس رہی تھی۔ اُس کی رسیلی اور مترنم آواز فضا میں ترس اور نغمے بکھیرنے لگی، وہ کہہ رہی تھی "محبت خان! تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ مالک اور نوکر میں حفظِ مراتب بہت ضروری ہے۔ بادشاہ پھر بادشاہ ہے اور ملازم پھر ملازم ہیں۔ ان دونوں کو تم ایک سطح پر کس طرح کھڑا کر سکتے ہو۔"

محبت خان نے جوش میں کہا "بہر حال میں اُس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکا

بخشی نے کہا۔ "لیکن حاجی پور میں تمہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ میں خود بھی یہ باتیں بالکل پسند نہیں کرتی۔"

محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو جانا چاہا لیکن اس نے اپنے آس پاس کئی مسلح سپاہیوں کو کھڑے دیکھا اان کی سونتی ہوئی تلواریں بہ زبان حال یہ کہہ رہی تھیں کہ ذرا بھی بے جا جسارت سے کام لیا تو ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔ وہ ناچار اٹھ کے پھر بیٹھ گیا۔ بخشی بیگم کہہ رہی تھی "محبت خان! کیا تمہارے گھروں میں بڑوں کا حکم نہیں مانا جاتا۔ کیا تم لوگ بچوں کو اتنی چھوٹ دے دیا کرتے ہو کہ وہ اپنے بزرگوں کی بے عزتی اور حکم عدولی کریں؟"

محبت خان نے جواب دیا "نہیں، ہمارے گھروں میں بچے گستاخ نہیں ہوتے۔"

"تب پھر" بخشی بیگم نے ہنستے ہوئے کہا "تم کو اپنے حکمرانوں کے خلاف گستاخیوں کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟ بادشاہ کے لئے ملک اس کا خاندان ہے اور بادشاہ اس کا سربراہ ہے، پھر خاندان کے لوگ اس کی عزت کیوں نہیں کریں گے۔"

محبت خان اس دلیل سے بے بس اور لاجواب ہو گیا۔

بخشی نے مزید کہا "بادشاہ نے اپنے علاقے میں جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ یہاں بھی عائد رہیں گی۔ اور تم کو ہماری غیر مشروط حکومت ماننی پڑے گی، کیونکہ میں یہ قطعی پسند نہیں کرتی کہ ملازمین اپنی من مانی کرتے پھریں اور اس طرح علاقے میں انتشار اور خلفشار کے باعث بن جائیں۔"

محبت خان نے اٹک اٹک کر کہا "عورت کی حکومت۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک عورت مردوں پر حکومت چلائے اور غیرت مند پٹھان اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ۔"

بخشی نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ "میں حاجی پور نامی خاندان کی سربراہ ہوں اور تم اس خاندان کے ایک معمولی فرد ہو، تمہیں میرا حکم ہر حال میں ماننا پڑے گا ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو کر پوچھا۔

دوسری طرف بخشی بھی کھڑی ہو چکی تھی، اچانک جاتی ہوئی بولی۔ "ورنہ یہ کہ تم ہمیشہ میری قربت سے محروم رہو گے، ہمیشہ مجھ سے دور رہو گے اور اس خاندان میں تمہاری حیثیت اس ہندو اچھوت جیسی ہو گی، جو اعلیٰ ذات والوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔ تم میری عنایات اور مہربانیوں سے محروم رہو گے۔"

اس کے فوراً بعد بخشی کسی طرف چلی گئی اور اب باریک پردے کے پیچھے سے سرخ لباس غائب ہو چکا تھا۔ وہ آواز جو ابھی ذرا دیر پہلے فضا میں ترنم گھول رہی تھی گم ہو چکی تھی۔ اُس کے آس پاس متعین سپاہیوں نے اُسے مطلع کیا کہ اب اُس کا یہاں بیٹھنا یا رُکنا فضول ہے۔ وہ شکستہ و دل گرفتہ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اس نے داہنی طرف کے چھوٹے سے باغیچے میں وہی سرخ لباس پھر دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس کے قدم رُک گئے، سپاہیوں نے بھی سختی نہیں کی۔ اُس نے درختوں کی جھریوں کے اُس پار بخشی کو ٹہلتے ہوتے دیکھا لیکن وہ اندر تنہا نہیں تھی۔ اس وقت اُس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اُس نے پورے انہماک اور توجہ سے اس دوسرے شخص کو پہچاننے کی کوشش کی۔ سپاہیوں نے اُسے ٹوکا۔

"چلتے رہو، رُکنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

محبت خان نے بےبسی سے سپاہیوں کو دیکھا اور پھر چل پڑا۔ سرخ لباس اب بھی متحرک نظر آ رہا تھا۔ باغیچے کی فضا بخشی کے مترنم قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ اُس کے کانوں میں مرد کی ہلکی سی آواز آئی۔ "وحشی ہے، آدمی بننے میں کچھ وقت لگے گا۔"

محبت خان نے یہ آواز پہچان لی، یہ شادی خان کی آواز تھی۔ وہ گفتگو کا رُخ بھی پہچان گیا کہ یہ روئے سخن خود اُس کی جانب ہے۔

* * *

کئی دن تک اُس سے کوئی کام نہیں لیا گیا، کھانے پینے کو ملتا رہا، کسی کسی وقت باہر نکلتا تو پہاڑی مناظر طبیعت میں بڑی تازگی پیدا کر دیتے اور دیر تک پہاڑیوں میں تنہا گھومتا رہتا تھا۔ بظاہر تو وہ آزاد نظر آتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا، اُس کی نگرانی کے لئے آس پاس بخشی کے آدمی موجود ضرور رہتے تھے۔ محبت خان سوچتا، وہ کیسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ لودھی دربار میں وہ ایک معزز امیر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حاجی پور میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ یہاں کی بہ نسبت اُسے لودھی دربار بڑا غنیمت محسوس ہوا۔ شادی خان بھی اس سے سرد مہری برت رہا تھا۔ ان چند دنوں میں وہ جن نفسی کیفیات کا شکار رہا اُن میں ایک کیفیت یہ بھی تھی کہ اُسے واقعی کسی خاندانی سربراہ کی حیثیت سے بخشی کا انتخاب قبول کر لینا چاہیئے؟ اُس کی بالادستی مان لینا؟ اسے بخشی کی دلیلوں نے لاجواب کر دیا تھا۔ اس فکر و تردد میں ایک اور جذبہ بھی اپنا کام کر رہا تھا بخشی

کی آواز بڑی دلکش تھی اور باریک پردوں کے پیچھے سے سرخ لباس میں ملبوس جو جسم متحرک دکھائی دیتا تھا وہ خاصا پرکشش تھا۔ اُسے شادی خان پر رشک آیا کہ اسے بخشی کی ملوتوں میں بھی موجودگی کا شرف حاصل تھا۔ اس کی افغانی انا مجروح اور متزلزل ہونے لگی۔

اُس نے پہاڑیوں کی چوٹیوں کی آڑ سے سورج کو اُبھرتے دیکھا۔ وہ مشرق میں نظریں جمائے کھڑا ہو گیا۔ روئی کے گالوں جیسے بادلوں کے ٹکڑے آوارہ و پریشان اڑے چلے جا رہے تھے۔ اُس وقت اُس کے پاس ایک شخص آیا اُس نے محبت خان کو بخشی بیگم کا یہ فرمان پہنچایا کہ قلعے کے مشرقی حصے کے جنگلات کا کچھ حصہ کاٹا جا رہا ہے اس کام کی نگرانی محبت خان کو کرنی ہے۔ اس فرمان نے اس کی انا پر تازیانے کا کام کیا، وہ تلملا گیا، اُس کے جی میں آئی کہ وہ اس شخص کو ایک زوردار ہاتھ رسید کرے تاکہ آئندہ وہ کوئی ایسا لغو فرمان لانے کی جرآت نہ کرے، لیکن مصلحت اندیشی نے اس کے ہاتھ روک لیے۔ اُس نے پوچھا۔ "جنگل کی کٹائی میں کتنے لوگ لگے ہوتے ہیں؟"

آدمی نے جواب دیا۔ "تقریباً دو سو آدمی۔"

محبت خان نے پوچھا۔ "یہ فرمان کس نے جاری کیا ہے؟"

آدمی نے جواب دیا۔ "شادی خان نے!"

محبت خان کو پھر غصہ چڑھا، بولا۔ "یہ شادی خان حکم دینے والا کون ہوتا ہے؟"

آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اُس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

محبت خان نے صاف جواب دے دیا۔ "جاؤ، شادی خان سے کہہ دینا محبت خان تیرا حکم نہیں ماننے گا۔"

آدمی نے گردن کھجلاتے ہوتے کہا۔ "لیکن شادی خان وہی حکم دیتا ہے جو بیگم صاحبہ دیتی ہیں۔"

"تب پھر تم اپنی بیگم صاحبہ سے جا کر کہہ دو کہ محبت خان اُن کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم نہیں مانے گا!"

"لیکن جناب"۔ یہ شخص بہت پریشان نظر آتا تھا۔ بولا۔ "بیگم صاحبہ جو حکم بھی دیتی ہیں شادی خان کے ذریعے دیتی ہیں، وہ براہ راست کوئی حکم بہت کم دیتی ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے سامنے آنا جانا بالکل پسند نہیں کرتیں۔"

محبت خان نے زچ ہو کر کہا۔ "بس میں نے جو کچھ کہہ دیا، کہہ دیا، میں شادی خان

کا حکم نہیں مان سکتا ہاں بیگم صاحبہ کا حکم سر آنکھوں پر۔"
اس شخص نے بڑی معنی خیز نظروں سے محبت خان کو دیکھا پھر بولا "کیا آپ واقعی جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سنجیدہ ہیں؟"
محبت خان چیخ پڑا۔"ہاں ہاں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بالکل سنجیدہ ہوں، تم میری بات سمجھتے کیوں نہیں اور تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں!"
اس آدمی نے کھوئی کھوئی نظروں سے محبت خان کو دیکھا، بولا۔"آپ ابھی تک یہاں کے لوگوں کے مراتب سے آگاہ نہیں ہیں، شادی خان کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ ابھی آپ اس سے بخوبی واقف نہیں ہیں۔"
محبت خان نے اسے ڈانٹ دیا، بولا۔"تم یہاں سے بھاگ جاؤ، میں شادی خان وادی خان کسی کو بھی نہیں جانتا۔ میری نظر میں شادی خان کی اس سے زیادہ کوئی عزت نہیں کہ حاجی پور کے کارگزاروں میں وہ بھی شامل ہے۔"
اس آدمی نے ایک بار پھر زور دیا۔"جناب شادی خان وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، وہ کچھ اور بھی ہے۔"
محبت خان نے اسے پھر جھڑک دیا۔"اس کی وہ حیثیت، جس کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو، میں نہیں جانتا، میں تو اسے حاجی پور کا ایک ادنیٰ ملازم سمجھتا ہوں میں بخشی بیگم کا حکم تو مان سکتا ہوں لیکن شادی خان کا ہرگز نہیں۔"
وہ آدمی واپس چلا گیا۔ محبت خان اس کے ردعمل کا اندازہ لگانے لگا۔ شادی خان کی حیثیت کا کچھ کچھ اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکا تھا لیکن آج اس کا صحیح اندازہ لگ چکا تھا۔ شادی خان اس کو نظر انداز کرتا چلا آرہا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ آج وہ سبب بھی معلوم ہو چکا تھا۔ محبت خان نے ایک ہیجانی کیفیت محسوس کی، یہ ہیجانی کیفیت جذبۂ حسد و رقابت سے پیدا ہوئی تھی، اس نے خوب اچھی طرح یہ سمجھ لیا تھا کہ شادی خان کے حکم کو نہ ماننے سے کوئی بھی ہنگامہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ حاجی پور میں وہ تنہا تھا اور یہاں بخشی بیگم کی حکومت تھی، بخشی بیگم پر شادی خان کا اثر تھا۔ دونوں مل کے اسے کوئی بھی سزا دے سکتے تھے۔
اس کشمکش میں اسے اپنے انکار پر ذرا سی دیر کے لئے کچھ ندامت بھی محسوس ہوئی لیکن یہ ندامت جلد ہی دور ہو گئی اور اس کی جگہ قوت ارادی نے لے لی۔ وہ شادی خان کو اس کی حیثیت سے ہٹا کے اس کی جگہ خود لے لینا چاہتا تھا، گو یہ کام بہت مشکل تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔ اس کوشش میں وہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا تھا اور کامیاب

بھی ہو سکتا تھا۔ اُس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شادی خان نے اُسے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو وہ اُس کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن بخشی بیگم کا کس طرح مقابلہ کرے گا، یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

دوپہر سے ذرا پہلے دس سپاہیوں کا ایک دستہ اُس کی گرفتاری کے لئے آ گیا۔ محبت خان دروازے بند کر کے اندر بیٹھ رہا۔ دستے کا ایک سپاہی دروازے کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "باہر آ جاؤ اور خود کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ پچھتاؤ گے۔"

محبت خان نے جواب دیا۔ "میں ان حالات میں باہر نہیں آ سکتا، تم لوگ میرے پاس کیوں آتے ہو؟"

سپاہی نے کہا۔ "تمہیں گرفتار کرنے۔"

"کیوں؟" محبت خان نے پوچھا۔ "تم لوگ مجھے کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟"

سپاہی نے کہا۔ "تم نے شادی خان کی حکم عدولی کی ہے۔ تمہیں اس حکم عدولی کی سزا بھگتنی ہو گی۔"

محبت خان نے حقارت سے کہا۔ "میں یہ سزا بھگتنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں مر جاؤں گا لیکن خود کو گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔"

سپاہی نے دروازے پر زور زور سے لاتیں رسید کیں، گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "اگر تم یوں دروازہ نہ کھولو گے تو ہم دروازہ توڑ کے اندر آ جائیں گے۔ بہرحال تم گرفتاری سے نہیں بچ سکتے۔"

محبت خان نے انہیں جلانے کے لئے قہقہہ لگایا۔ بولا۔ "جب تم دروازہ توڑ کے اندر آؤ گے تو مجھے شمشیر بکف استقبال کے لئے مستعد پاؤ گے۔"

سپاہی نے طیش میں کہا۔ "تم یوں نہیں مانو گے۔ میں دیکھتا ہوں تم کس طرح نہیں نکلتے۔"

محبت خان نے کہا۔ "تم شادی خان کو بلا لو، میں اُس سے دو بدو مقابلہ کر کے اُسے مار دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ کیونکہ میں لودھی دربار کا ایک معزز امیر ہوں اور حاجی لودھی کی نیام میں ایک وقت میں ایک ہی تلوار رہ سکتی ہے۔"

سپاہی نے چلاتے ہوئے کہا۔ "جب ہم نہ ہوں گے تو شادی خان بھی مقابلے پر آ جائے گا لیکن ہماری موجودگی میں شادی خان کو صرف حکم ہی دینا چاہیئے۔"

محبت خان نے سپاہیوں پر نظر ڈالی۔ اُس نے تیروں سے بھری ترکش شانے میں

پھنسائی، پیش قبض پہلو میں لٹکائی اور عریاں تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا۔ سپاہیوں کا دستہ اس کے مکان کے آس پاس جھاڑ جھنکاڑ جمع کر رہا تھا۔ وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ سپاہی اس کے مکان کو پھونک کر اُسے باہر نکلنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ گھبرایا لیکن پھر حاضر دماغی کام آگئی۔ اُس نے دروازے کی جھری سے آنکھ لگائے رکھی۔ وہ آگ لگاتے جلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں گھاس پھوس اور لکڑیوں کا ایک ڈھیر مکان کے آس پاس لگ گیا۔ پھر ایک شخص سلگتی ہوئی لکڑی لے کر اُس ڈھیر کی طرف بڑھا۔ محبّت خان تیزی سے مکان کے دالان میں گیا اور دیوار سے چھت پر چڑھ گیا۔ چھت کے چاروں طرف تقریباً نصف گز اونچی دیواریں اٹھی ہوئی تھیں۔ اُس نے دیوار کی آڑ میں بیٹھ کے کمان سنبھالی اور ترکش سے تیر نکال کر چلّے میں کسا اور ایک سپاہی کو نشانہ بنا دیا۔ سنسناتا ہوا تیر سپاہی کے حلق میں ترازو ہو گیا اور وہ چیخ مار کے ڈھیر ہو گیا۔ بقیہ تو سپاہی حیرت اور خوف سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ تیر کہاں سے اور کدھر سے آیا تھا۔ چند سپاہی گرنے والے سپاہی کے پاس پہنچ گئے اور اُسے کھینچ کر ایک طرف لے جانے لگے۔ محبّت خان نے ایک سپاہی کو اور چھید دیا۔ یہ دوسرا تیر سپاہی کے سیدھے پہلو میں آڑا پیوست ہوا تھا۔ یہ سپاہی بھی چیخ مار کے وہیں ڈھیر ہو گیا اور اس بار وہ پھر یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ تیر کدھر سے آیا تھا۔ اب انہوں نے ازراہِ احتیاط اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ آگ بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ محبّت خان نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو بھی اپنے تیروں سے زخمی کر کے گرا دیا اور مکان کے پچھلے حصّے سے پھاند کر باہر پہنچ گیا۔ ایک سپاہی نے اسے اُترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا "وہ رہا، وہ اُترا، پکڑو جانے نہ پائے!"

محبّت خان نے دیوار کی آڑ سے تیر چھوڑنے شروع کر دیئے۔ سپاہیوں پر بدحواسی طاری ہو چکی تھی لیکن ان میں دو سپاہی بڑے جری نکلے وہ درختوں اور پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے محبّت خان کی طرف بڑھنے لگے۔ ان سپاہیوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ ان کے پاس تیر کمان نہیں تھے یہ دونوں بڑھتے بڑھتے محبّت خان کے قریب پہنچ چکے تھے مکان کے گرد لگائی ہوئی آگ مکان کو جلا رہی تھی اور اِدھر اُدھر سے لوگ بھاگ بھاگ کر وہاں جمع ہو رہے تھے۔ محبّت خان نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کرنا چاہی، وہ ایک چھوٹی سی چٹان کی آڑ میں جیسے ہی پہنچا دونوں سپاہی اُس کے سر پر پہنچ گئے اور انہوں نے محبّت خان پر حملہ کر دیا۔ محبّت خان لپٹ گیا۔ دونوں کی تلواریں چٹان پر پڑیں۔ ایک کی تلوار ہاتھ سے

بھوٹ گئی۔ دوسرے کی تلوار تو نہیں چھوٹی لیکن کلائی کو سخت جھٹکا ضرور لگا۔ محبت خان نے پھرتی سے اٹھ کر پے درپے دو وار کر کے ان کی ٹانگیں زخمی کر دیں، وہ چیخ مار کر ڈھیر ہو گئے۔

اس ہنگامے کی خبریں دور دور تک پہنچ چکی تھیں۔ محبت خان نے اس سنگین صورتِ حال سے گھبرا کے وقتی طور پر کہیں روپوش ہو جانا چاہا لیکن کہاں چھپے یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ یہ پہاڑی چٹانوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں ایک پتھر شور مچا رہا تھا۔ یہ جیسے تیسے جھرنے کے قریب ایک جھرٹے سے غار میں گھس گیا، اندر سخت اندھیرا تھا۔ وہ ڈرا کہ کہیں کوئی سانپ بچھو موجود نہ ہو جو ڈس لے یا ڈنک مار دے لیکن موت تو اس کے تعاقب میں تھی۔ باہر رہتا تو شادی خان کے آدمیوں کا دھڑکا لگا ہوا تھا اور وہ اسے قتل کئے بغیر نہ رہتے۔ غار کے اندر کوئی زہریلا کیڑا اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ اسے یہ منظور تھا کہ کوئی کیڑا اسے ہلاک کر دے لیکن وہ شادی خان کے کسی آدمی کے ہاتھوں مرنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ اسے غار میں پڑے پڑے کافی دیر ہو گئی اور یہاں تک کہ اسے بھوک ستانے لگی۔ اندر اندھیرے کی وجہ سے یہ بھی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ دن کتنا باقی رہ گیا ہے۔ بھوک کا اس نے یہ علاج سوچا تھا کہ رات کو نکل کر وہ پہاڑی پھلوں کو تلاش کرے گا اور انہیں کھا کے پیٹ کا جہنم بجھائے گا۔ اس کی تیز قوتِ سامعہ باہر سے آنے والی آوازوں پر لگی ہوئی تھی۔ کئی گھنٹے بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر بہت سارے لوگ آ چکے ہوں۔ لوگوں کی زور زور سے باتیں کرنے کی بے ہنگم آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں۔ وہ لیٹ کر پیٹ کے بل سرکتا ہوا غار کے دہانے کے ذرا قریب چلا گیا۔ اس طرح وہ باہر کے لوگوں کی باتیں بھی سننا چاہتا تھا۔ اچانک شادی خان کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا ”یہ ناہنجار بدمعاش مجھ سے بچ کے نکل نہیں سکتا۔ میں اس کی بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلاؤں گا۔“

جواب میں کسی مرد نے کہا ”کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ محبت خان یہیں کہیں روپوش ہے؟“

شادی خان نے کڑک دار آواز میں جواب دیا ”وہ ہے ادھر اسی غار میں ہے۔“ پھر چیخ کر کہا ”محبت خان! باہر نکل آؤ۔ گو تم نے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن میں پھر بھی تمہیں معاف کر دینے کو آمادہ ہوں اور یہ معافی اس وقت مل سکتی ہے جب تک تم کسی شرط کے بغیر باہر نہیں آ جاتے۔ محبت خان! تم نے جو کچھ کیا اس کا کوئی حساب کتاب تم سے نہیں

لیا جائے گا۔"

محبت خان خاموش رہا۔ اس طرح وہ انہیں اپنی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ لیکن شادی خان کو پورا یقین تھا کہ محبت خان اسی غار میں موجود ہے۔ اس نے ایک بار پھر چیخ کر کہا۔ "محبت خان! زیادہ چالاک نہ بنو۔ میں چاہتا ہوں تم فوراً باہر آجاؤ اور ہم دونوں گہرے دوستوں کی طرح رہنے کا ایک پائیدار عہد کریں۔"

محبت خان نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان پھر چیخا۔ "میں کہتا ہوں محبت خان! تم حماقت کا ثبوت نہ دو۔ فوراً باہر آجاؤ۔ میں نے غار کے باہر تمہارے قدموں کے نشان دیکھ لئے ہیں۔"

محبت خان بدستور خاموش رہا۔ شادی خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "محبت خان یوں نہیں مانے گا۔ تم لوگ غار کے منہ پر دھواں کر دو۔ جب دھواں اندر بھرے گا اور محبت خان کا دم گھٹنے گا تو یہ گھبرا کے خود بخود باہر آجائے گا۔ اس وقت اس کی بہادری کا امتحان بھی لے لیں گے۔"

شادی خان کے آدمیوں نے غار کے دہانے پر بہت ساری گھاس پھوس جلا کے اس میں گیلی لکڑیاں ڈال دیں۔ ان گیلی لکڑیوں نے تیزی سے دھواں دینا شروع کر دیا۔ محبت خان کا خون خشک ہونے لگا۔ اب وہ غار میں مزید نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ دھوئیں کے غٹ غٹ غار میں داخل ہونے لگے اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑا۔ کھانسنے کی آوازیں باہر تک سنائی دیں۔ شادی خان خوشی میں چلایا۔ "دیکھو میرا خیال صحیح نکلا نا۔ محبت خان اندر کھانس رہا ہے۔ اب یہ کسی رعایت کا مستحق نہیں رہا۔"

محبت خان کو اپنا حشر صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے کھانستے ہوئے بمشکل چیخ کر کہا۔ "شادی خان! میں باہر آرہا ہوں لیکن تمہیں قسم ہے کہ تم مجھ سے تنہا مقابلہ کرنا۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں اور چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھوں قتل ہو جاؤں۔ میں کسی معمولی سپاہی کے ہاتھ سے مرنے میں بے عزتی محسوس کرتا ہوں۔"

شادی خان نے خوشی میں قہقہہ لگایا۔ چلا کر کہا۔ "محبت خان! اگر تم میری پہلی آواز پر باہر آجاتے تو میں تمہاری ہر بات مان لیتا لیکن تم نے میری بات کا جواب تک نہ دیا اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے اور مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری موت کس شخص کے ہاتھوں مقدر ہو چکی ہے۔"

محبت خان نے تلوار کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں

ملتا ہوا غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ وہ برابر کھانستے جا رہا تھا۔ شادی خان کے آدمی موت کے فرشتوں کی طرح غار کے دہانے پر پھیل گئے اور تلوار کی نوکیں دہانے کی طرف کر دیں۔ غار کے دہانے پر پہنچ کے محبت خان نے پوری قوتِ ارادی سے کام لے کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور دھویں نے گھس کر انہیں پھر بند کر دیا۔ اس نے ڈھندلے ڈھندلے غار کے دہانے کی ایک جھلک دیکھ لی تھی جس میں بہت ساری تلواروں کی نوکیں اس کی طرف اٹھی ہوئی دکھائی دی تھیں۔ محبت خان نے سوچا اگر وہ اس حالت میں باہر نکلے گا تو پلک جھپکتے ہی قتل کر دیا جائے گا اور اندر رُکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اسی نے جان پر کھیل کر غار میں دائیں بائیں کوئی نیا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اسے ایک پتلا سا شگاف مل گیا۔ یہ شگاف پہاڑی کے بیچ سے پھٹ جانے سے پیدا ہوا تھا اور اس میں اتنی گنجائش موجود تھی کہ محبت خان اس میں داخل ہو کے جہاں تک گنجائش ہوتی چلا جاتا۔ یہاں دھواں بھی زیادہ نہیں تھا۔ محبت خان اس شگاف میں داخل ہو گیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے کھانسنے کی آواز بھی دُور ہونے لگی۔ شادی خان معلوم نہیں کیا سمجھا کہ چیخ کر بولا "محبت خان! باہر نکل آؤ ورنہ مر جاؤ گے!"

محبت خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان کی کہیں دُور سے آواز آئی "محبت خان! اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دھویں میں گھٹ گھٹ کر مت مرو، باہر آؤ میں تم سے مقابلہ کروں گا۔ تمہیں کسی معمولی آدمی کے حوالے نہیں کیا جائے گا!"

آہستہ آہستہ دھواں کم ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن شگاف میں آس پاس اونچی اونچی دیواریں اس کا دم گھوٹے دے رہی تھیں اور یہ سوچ کر اس کا دل اٹھ رہی تھی کہ کہیں یہ شگاف آگے جا کر بند نہ ہو گیا ہو۔ تقریباً پانچ چھ سو قدم بعد یہ شگاف ختم ہو گیا اور محبت خان ایک چھوٹے سے پہاڑی دامن میں پہنچ گیا۔ وہ سستانے کے لئے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ یہاں نہ دھواں تھا نہ شادی خان کا خوف تھا۔ اس نے ادھر ادھر فاتحانہ نظریں ڈالیں اور وہاں سے بھی نکل بھاگا لیکن ابھی وہ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ شادی خان اس کے سر پر پہنچ گیا، بولا "تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے محبت خان دیکھو میں نے تمہیں پکڑ لیا یا نہیں؟"

محبت خان کے پیر لڑکھڑانے لگے۔ شادی خان نے اسی کرخت لہجے میں کہا "محبت خان! تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے اور اب بھی باز نہیں آئے، لیکن تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تمہارا واسطہ شادی خان سے پڑا ہے۔ وہ شادی خان، جو حاجی پورہ میں سب سے

نمایاں حیثیت رکھتا ہے!"

محبّت خان نے تلوار بلند کی اور شادی خان کی بے عزتی کر دی۔ بولا "شادی خان لو وار روکو، یا تو میں تمہیں مار دوں گا یا پھر تم مجھے مار دو!"

شادی خان کا لہجہ ہی بدل گیا۔ بولا "محبّت خان! میں پہلے ہی تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے، میں نے تمہیں فرار ہوتے ہوئے پکڑ لیا ہے اب میں اپنی کسی رعایت سے تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔"

محبّت خان نے تلوار سونت کے پینترا بدلا اور شادی خان کی طرف بڑھا "چل اِدھر آ۔ میں تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

شادی خان نے حیلہ کیا۔ "میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا محبّت خان! تو بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟"

محبّت خان نے جواب دیا۔ "میں تو اس وقت لڑنے کی کیفیت میں ہوں، میں کسی سے بھی لڑ سکتا ہوں۔"

شادی خان نے بھی تلوار سونت لی، بولا "اگر تو لڑنا ہی چاہتا ہے تو میں بھی تیار ہوں، حالانکہ میں تجھے اپنا مدِمقابل نہیں سمجھتا۔ میرے آدمی تیرا کام تمام کر سکتے ہیں۔"

محبّت خان نے اس پر حملہ کر دیا۔ بولا "میں نے تیرے دس آدمیوں کو شکست دے کر اپنی برتری ثابت کر دی ہے اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ حاجی پور میں ہم دونوں میں سے کسی ایک ہی کو رہنا چاہیئے۔"

شادی خان نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر محبّت خان کا حملہ ناکام بنا دیا۔ محبّت خان نے دوسرا وار کیا۔ شادی خان نے اس سے بھی بچا، تیسرا وار ہوا، شادی خان اس سے بھی بچ گیا، محبّت خان پاگل ہو رہا تھا۔ وہ شادی خان پر اندھا دھند حملے کر رہا تھا۔ شادی خان چلایا "مقابلے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، تم وار کر چکے اب میرے وار روکو۔"

محبّت خان کے ہاتھ ایک دم رک گئے۔

شادی خان نے دھوکہ دے کر ایک بھرپور وار کیا، یہ وار اس کی گردن پر کیا گیا تھا۔ محبّت خان نے جھک کر وار خالی جانے دیا۔ شادی خان نے دوسرا وار اس کے شانے پر کیا۔ محبّت خان نے ایک طرف ہٹ کر اسے بھی خالی جانے دیا۔ کھیل ہوا محبّت خان جیسے جیسے شادی خان کے حملوں سے بچ رہا تھا، شادی خان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ شادی خان کے آدمی دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب شادی خان کے سارے وار خالی گئے

وہ ذرا گھبرایا اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا "محبت خان تم بہت تھکے ہوئے معلوم ہونے ہو
س لئے میں تم سے مقابلہ نہیں کروں گا، میں اپنے کسی سپاہی کو تمہارے مقابلے پر بھیج دیتا
ہوں، وہ تمہیں ٹھکانے لگا کر تمہارا قصہ پاک کر دے گا۔"

محبت خان شیر کی طرح اس پر جھپٹا، بولا "کدھر جاتا ہے او بزدل انسان،
میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ میں تیرے سپاہی سے لڑ کر خود کو ذلیل نہیں ہونے دوں گا۔"

شادی خان نے خود کو بچانے کی کوشش کی، لیکن زخمی ہو گیا، وہ غصے میں چلایا۔
"محبت خان! تم کمین پن سے یوں نہیں باز آؤ گے۔" پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "آگے بڑھو
اور چاروں طرف سے گھیر کر اس کا کام تمام کر دو۔"

شادی خان کے آدمی تیزی سے محبت خان کی طرف بڑھے۔ محبت خان ایک بڑی
چٹان کو اپنی پشت پناہ بنا کے ان سب کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔

شادی خان ایک دوسری چٹان کے زیر سایہ بیٹھ کر پگڑی سے کپڑا پھاڑ کر پہلو
سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے کمر کے گرد مضبوطی سے پگڑی
کو لپیٹ لیا اور ایک بڑے پتھر کو تکیہ بنا کے دونوں ہاتھ گدی پر رکھ لئے اور آرام سے
لیٹ کر محبت خان کی جنگ دیکھنے لگا۔ محبت خان تنہا تقریباً بیس آدمیوں سے لڑ رہا تھا۔
اسی دوران شادی خان نے اپنی پشت پر آہٹیں محسوس کیں۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور
گھوم کر پیچھے دیکھنے لگا، یخشی بیگم اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے، تقریباً پچاس محافظوں
کو اپنے پیچھے لئے اس کے پاس پہنچ چکی تھی، وہ شادی خان کے قریب پہنچ کر کھڑی ہو گئی
شادی خان اٹھ کر بیٹھ گیا اور جلدی جلدی کہنے لگا "بیگم صاحبہ! یہ محبت خان بڑا ذلیل
انسان ہے اس نے میری حکم عدولی کی، میرے سپاہیوں کو ہلاک کیا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے
قتل کر دینا چاہتا تھا، اس نے مجھے زخمی کر دیا۔ اس لئے میں نے اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا
ہے کہ محبت خان کا کام تمام کر دو۔"

یخشی نے شادی خان کو سرسری نظروں سے دیکھا اور محبت خان کے مقابلے
منظر دیکھنے لگی۔

شادی خان نے درخواست کی "بیگم صاحبہ! اپنے محافظ دستے کو حکم دیجئے کہ وہ
سرکش کو ٹھکانے لگا دے، لودھی دربار نے کچھ سمجھ کر ہی اس خطرناک شخص کو
دور کیا ہے۔"

یخشی خاموش رہی اور بدستور بے چینی سے لڑائی کا منظر دیکھنے لگی۔ شادی

خان نے یخشی کے محافظوں کو حکم دیا۔ "تم لوگ کھڑے شکل کیا دیکھ رہے ہو، آگے بڑھو اور اس موذی کا کام تمام کر دو۔"

لیکن یخشی نے مداخلت کی، اس نے شادی خان کو حکم دیا۔ "تم اپنے آدمیوں کو جنگ بندی کا حکم دے دو، اب یہ تماشہ ختم ہو جانا چاہیئے۔"

شادی خان بے چینی میں کھڑا ہو گیا، بولا۔ "یہ کیوں، یہ کیوں، آخر کیوں؟ کیا اس شخص کے خلاف جنگ بندی کا اعلان کر دینا مناسب ہے جس نے ہمارے کئی آدمیوں کو قتل کر دیا ہے!"

یخشی بیگم نے جواب دیا۔ "یہ اس کی خوش قسمتی اور بہادری کی بات ہے کہ اتنے حملہ آوروں میں بھی زندہ اور محفوظ رہا، ورنہ اس کی جگہ اگر کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس کے کب کے ٹکڑے ہو چکے ہوتے۔"

شادی خان نے تلخی سے کہا۔ "میں جنگ بندی کا حکم نہیں دے سکتا۔ میں اپنے درمیان محبت خان کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔"

یخشی نے گھوم کر اپنے محافظوں کی طرف دیکھا اور انہیں حکم دیا۔ "آگے بڑھو اور بزور جنگ بند کرا دو۔"

اس وقت تک محبت خان کے جسم پر کئی زخم آ چکے تھے اور شادی خان کے کئی آدمی موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور کئی زخمی پڑے سسک رہے تھے۔ یخشی کے سپاہی شور کرتے آگے بڑھے اور شادی خان کے آدمیوں کو حکم دیا۔ "بیگم صاحبہ کے حکم سے جنگ بندی کا اعلان ہو چکا ہے، اپنی تلواریں نیام میں ڈال کر پیچھے ہٹ آؤ۔ ورنہ تمہارے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔"

شادی خان کے آدمیوں نے اپنے آس پاس یخشی کے تازہ دم سپاہیوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور اپنی تلواریں نیام میں ڈالنے لگے۔ شادی خان بے بسی سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ محبت خان کی سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بہت تھک چکا تھا اور اس کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ اس نے چٹان سے پشت ٹکا دی اور دھندلی دھندلی نگاہوں سے اپنے سامنے موجود آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے کرتے کے دامن سے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

یخشی آہستہ آہستہ محبت خان کی طرف بڑھی، شادی خان حسد و رقابت سے اسے دیکھتا رہا اور جب بات ناقابل برداشت ہو گئی تو وہ خود بھی یخشی کے پیچھے چلنے لگا۔

محبت خان اپنے سامنے نقاب میں چہرہ چھپاتے بخشی کو حیرت و استعجاب سے دیکھنے لگا۔ بخشی چند لمحوں کے لئے اس کے روبرو کھڑی ہوگئی۔ محبت خان کے لئے کرب و اذیت میں آنکھیں کھلی رکھنا بھی دشوار تھا اور آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہنا بھی محال تھا۔ اس وقت وہ ایسے بے یارومددگار مسافر کی طرح تھا جو دشمنوں میں پھنسا موت اور زندگی کی امید و بیم میں مبتلا ہو گیا ہو۔

بخشی نے آہستہ سے پوچھا۔ "محبت خان ہے"

محبت خان بخشی کی آواز پر ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہاں محبت خان!"

شادی خان نے نفرت سے کہا۔ "ہاں محبت خان، قاتل، سرکش اور نافرمان محبت خان۔"

محبت خان کے چہرے پر کرب کے آثار شدید ہوتے جا رہے تھے، اس نے کرخت آواز میں کہا۔ "تونے مجھے انسان کو سیاہیوں کے ایک دستے کی مدد سے ہلاک کر دینے کی کوشش کی لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اگر تو میرے مقابلے پر ڈٹا رہتا تو شاید اس وقت تو ہم میں موجود نہ ہوتا۔"

بخشی نے دل آویز لہجے میں کہا۔ "بہادرو! تم دونوں آپس میں جھگڑو مت دوستی کر لو اور اپنے دلوں کے عناد اور بغض کو خلوص اور محبت کے پانی سے دھو ڈالو۔"

محبت خان نے کہا۔ "میں شادی خان کو کل تک اپنا دوست ہی سمجھتا تھا لیکن میں ننگی تلواروں کی فضا میں پہنچتے یا اپنی تلوار کو نیام میں رکھ کر خودکشی کرنے کا مرتکب ہونا کس طرح گوارا کر سکتا ہوں۔"

شادی خان نے غصے میں کہا۔ "لیکن تم نے میری حکم عدولی کی ہے۔"

محبت خان نے کہا۔ "لیکن تم حکم دینے والے کون ہو؟"

شادی خان نے جواب دیا۔ "مجھے یہ مرتبہ بخشی بیگم نے عطا کیا ہے۔"

محبت خان نے کہا۔ "مجھے اس کا علم نہیں اور اگر علم ہوتا تب بھی میں تیرا حکم نہ مانتا کیونکہ میرا ہی جیسا کوئی دوسرا شخص جب تک مجھ پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت نہ کر دے میں اسے اپنے سے بڑا نہیں مان سکتا۔"

شادی خان نے بخشی کو مخاطب کیا۔ "آپ دیکھئے یہ نافرمان میری بے عزتی کر رہا ہے۔"

بخشی نے کہا۔ "میں پہلے ہی تم دونوں کو مشورہ دے چکی ہوں کہ دونوں اپنے اپنے دلوں سے کدورتیں دور کر کے دوستی کر لو۔"

محبت خان نے جواب دیا۔ "میری شادی خان سے کوئی دشمنی نہیں۔ میں اب بھی اُسے دوست ہی ماننے کو تیار ہوں بشرطیکہ یہ خود بھی مجھے اپنا دوست تسلیم کر لے۔"

بخشی نے شادی خان کو حکم دیا۔ "شادی خان! تم میرے کہنے سے محبت خان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دو۔ اس بہادر افغان کی دوستی کسی بھی شخص کے لئے باعثِ فخر و اعزاز ہو سکتی ہے۔"

محبت خان کھڑا ہو گیا۔ شادی خان متذبذب تھا۔ بخشی نے شادی خان سے کہا۔ "ہاتھ بڑھانے میں تم سبقت لے جاؤ۔ کیونکہ پھل دار شاخ ہمیشہ جھکی رہتی ہے۔"

شادی خان نے بدرجۂ مجبوری اپنا سیدھا ہاتھ محبت خان کی طرف بڑھا دیا۔ محبت خان بھی اُس کی طرف ہاتھ اٹھا کے بڑھا اور اپنا ہاتھ شادی خان کے ہاتھ میں دے دیا۔ شادی خان نے سرد مہری سے محبت خان کا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

بخشی نے کہا۔ "میرا خیال ہے اب تم دونوں ایک دوسرے کو اپنا دوست سمجھو گے؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "میں نے شادی خان کو کبھی بھی اپنا دشمن نہیں سمجھا۔"

شادی خان نے کہا۔ "میں واقعی محبت خان کو اپنا دوست ہی سمجھتا اگر اُس نے میرے چند آدمیوں کو ہلاک نہ کیا ہوتا۔"

بخشی بیگم نے جھنجھلا کے کہا۔ "شادی خان! میں تمہاری عزت کرتی ہوں تم بھی اپنے قول اور فعل سے اس عزت کو قائم رکھنے کی کوشش کرو۔ جب تم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کے ملا لیا ہے تو اب اس دوستی کو برقرار بھی رکھو اور اپنے اپنے دلوں سے بغض و عناد کی گرد صاف کر ڈالو۔"

شادی خان چپ ہو رہا اور محبت خان باریک جالیوں میں چھپے ہوئے بخشی کے حسین چہرے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

* * *

بخشی، محبت خان کو اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی۔ اُس نے اپنے طبیبِ خاص سے محبت خان کا علاج کرایا۔ یہی طبیب شادی خان کا علاج بھی کر رہا تھا اور یہ بھی بخشی کے قریب ہی

رہ رہا تھا۔ بخشی چوبیس گھنٹوں میں زیادہ سے زیادہ دو بار محبت خان کی مزاج پرسی کو ضرور جاتی۔ اُس نے اپنے چہرے سے نقاب بھی دور کر دی تھی، بے نقاب چہرے نے محبت خان کو کہیں کا بھی نہ رکھا اور اُسے شاید زندگی میں پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ حسن میں کتنی طاقت ہوتی ہے اور شاعر محبوب کی لمبی لمبی پلکوں کو تیر و سنان سے کیوں تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ محبت خان کے پاس آتی اور چند لفظوں میں اس کی خیریت پوچھ کر واپس چلی جاتی۔ محبت خان معلوم نہیں کیوں، شادی خان کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ بخشی اُس کے پاس زیادہ دیر ٹھہرے۔ وہ اسے کس طرح روکے، یہ بات اُس کی سیدھی سادی عقل میں نہیں آتی تھی۔ بخشی محض حسین ہی نہ تھی بلکہ اُس کے چہرے پر ایک قسم کا رعب بھی تھا۔ وہ اس کے چہرے کو زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اُس کے زخم مندمل ہو چلے تھے اور اب اُسے یہ فکر پریشان کر رہی تھی کہ زخموں کے مندمل ہوتے ہی بخشی اُسے رخصت کر دے گی۔ ایک دن، شام کے وقت طبیب اُس کے پاس بیٹھا زخموں کو دیکھ رہا تھا کہ بخشی بھی وہیں پہنچ گئی۔ اُس نے طبیب سے پوچھا "اس کے زخم کب تک بالکل بھر جائیں گے؟"

طبیب نے جواب دیا "زیادہ سے زیادہ تین دن اور لگیں گے۔"

بخشی نے کہا "اور صحت مند ہونے میں کتنے دن لگیں گے؟"

طبیب نے جواب دیا "زخموں سے خون اتنا بہا ہے کہ اس کمی کی بحالی میں کافی دن لگ جائیں گے۔"

بخشی نے طبیب کو حکم دیا "اب تم جا سکتے ہو۔"

طبیب اسی وقت چلا گیا۔ بخشی، محبت خان کو دیکھنے لگی۔ محبت خان نظریں چرانے لگا۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے۔ آخر یہ سکوت بخشی نے توڑا "تم نے شادی خان کا حکم کیوں نہیں مانا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا "مجھے شادی خان کی اصل حیثیت کا اب تک علم نہیں، بس حاجی پور کو ایک خاندان اور اُس خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی ذات سے واقف ہوں، بقیہ کون کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔"

بخشی نے آہستہ سے کہا "ہونہہ۔ لیکن تمہیں جھگڑے کو اس حد تک طول نہیں دینا چاہیئے تھا۔"

محبت خان نے جواب دیا "جھگڑے کو طول میں نے نہیں خود شادی خان نے

دیا تھا۔"

"کیا تم نے شادی خان کو دل سے اپنا دوست بنا لیا ہے؟"

"ہاں۔" محبت خان نے جواب دیا۔ "گو کہ اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن میں نے آپ کی خواہش اور خوشی کی خاطر اسے اپنا دوست بنا لیا ہے۔"

بخشی نے کہا۔ "میں نے شادی خان کو بھی سمجھا دیا ہے، لیکن جہاں تک میں اسے سمجھا سکی ہوں، اس کا سینہ کسی وقت بھی کینے سے خالی نہیں رہتا، اس سے ہوشیار رہنا۔"

محبت خان نے جوش میں کہا۔ "میں شادی خان تو شادی خان، لودھی حکمران تک سے نہیں ڈرتا۔ شادی خان اگر میری پشت سے وار نہیں کرے گا تو اسے منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔"

بخشی نے کہا۔ "لیکن میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ تم دونوں برابر جھگڑتے رہو۔"

محبت خان نے جواب دیا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شادی خان سے جھگڑے میں پہل نہیں کروں گا۔"

بخشی نے کوئی جواب دیئے بغیر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور چلی گئی۔ محبت خان اس کی اس کج ادائی کو دیکھتا رہ گیا۔

طبیب نے اس کا علاج بند کر دیا تھا، محبت خان کو بدستور شادی خان کی فکر لگی ہوتی تھی۔ اس نے سوچا، شادی خان کی بابت اگر کوئی شخص کچھ بتا سکتا ہے تو وہ طبیب ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے طبیب سے پوچھ ہی لیا۔ "یہ شادی خان کا کیا حال ہے؟ اس کا علاج جاری ہے یا ختم ہو چکا۔"

طبیب نے محبت خان کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ محبت خان نے کہا۔ "تم میری صورت کیا دیکھ رہے ہو، میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ شادی خان کہاں ہے؟"

طبیب نے جواب دیا۔ "شادی خان کب کا اچھا ہو چکا اور اب وہ اپنے گھر جا چکا ہے۔"

محبت خان نے کہا۔ "اس کا گھر کہاں ہے؟"

طبیب نے چڑ کر جواب دیا۔ "تم شادی خان کی فکر مت کرو، تم کسی اچھے خاندان کے نوجوان نظر آتے ہو، حاجی پور کتنے دنوں کے لیے آتے ہو؟"

محبت خان نے کہا۔ "یہ مجھے معلوم نہیں یہاں کتنے دن رہوں گا اور شاید مستقلاً ہی رہ جاؤں۔"

طبیب نے کہا "تم جنگ جو لوگوں کا اصل ٹھکانا میدان جنگ ہے جو دنیا کے بہادروں کو زیر کر لیتے ہیں، انہیں عورتوں کے ہاتھوں مفتوح نہیں ہو جانا چاہیئے۔"

محبت خان اس کا مطلب سمجھ رہا تھا، طبیب فوراً ہی چلا گیا۔

بعد میں اُسے بخشی کا یہ پیغام ملا کہ وہ کہاں رہنا پسند کرے گا؟ شادی خان سے ناخوشگوار تعلقات کے پیشِ نظر بخشی کو اس بات کی فکر لاحق ہو گئی تھی، اس نے اپنے پیغام سے یہ واضح کر دیا تھا کہ اگر وہ بخشی کے مہمان رہنے کے بجائے کہیں اور رہنے کی خواہش رکھتا ہے تو اس میں بخشی کو کوئی اعتراض نہ ہو گا ہاں اس صورت میں اسے محبت خان کی فکر ضرور لگی رہے گی کیونکہ اسے شادی خان پر زیادہ اعتبار نہیں تھا، لیکن اگر محبت خان محل میں اس کے قریب ہی رہے گا تو بخشی اس کی جان و مال کی ضامن بنی رہے گی۔ محبت خان نے اس پیغام کے جواب میں فوراً ہی یہ کہلا دیا کہ وہ محل میں بخشی کے قریب ہی رہنے کا خواہشمند ہے۔ بخشی نے اسے اپنے محل کے قریب ہی رہنے کی جگہ دے دی۔

ایک عرصے بعد شادی خان اس سے ملنے آیا۔ بولا "دوست محبت خان! سنتے ہیں بخشی تم پر بہت مہربان ہے۔"

محبت خان نے جواب دیا "نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

شادی خان نے اپنے آس پاس نظریں ڈالیں اور سرگوشی میں کہا "محبت خان! تم ایک غیرت مند بہادر افغان ہو، میری تمہاری کوئی دشمنی بھی نہیں، کیا تم میری نصیحتیں سننا گوارا کرو گے؟"

محبت خان نے طنزاً کہا "نصیحتیں تو کسی سے بھی سُن سکتا ہوں لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

شادی خان نے سرگوشی میں کہا "بخشی کی باتوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا، بڑی ظالم عورت ہے، کتنے ہی بہادروں کو روباہ بنا کے چھوڑ دیا ہے۔"

محبت خان نے کہا "یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ نصیحتیں تو میں کسی سے بھی سُن سکتا ہوں لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

شادی خان نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا "تم پرلے درجے کے احمق ہو میں تمہارے بھلے کو کچھ باتیں بتا رہا ہوں اور تم ان پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔"

محبت خان نے بھنویں چڑھالیں۔ بولا "خدا کی قسم، اگر میں بخشی سے جھگڑا نہ کرنے کا عہد نہ کر چکا ہوتا تو اس وقت تمہیں احمق کہنے کی سزا ضرور دیتا۔"

شادی خان نے اس کا منہ چڑایا۔ بولا "اس دن اگر بخشی نہ پہنچ گئی ہوتی تو آج تمہاری ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ہوتا۔"

محبت خان نے تحمل سے کہا "اور شاید تمہاری بھی۔"

شادی خان غصے میں اٹھ کر چلا گیا۔

اس شام اس کے پاس بخشی بھی پہنچ گئی۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس بخشی قیامت بنی ہوئی تھی، اس وقت وہ بہت اداس تھی، آتے ہی محبت خان سے پوچھا "کیا آج تمہارے پاس شادی خان آیا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا "ہاں آیا تھا، کیوں، کوئی خاص بات؟"

بخشی نے افسردہ لہجے میں پوچھا "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

محبت خان نے کہا "وہ مجھے احمق کہتا تھا اور اگر میں نے آپ سے یہ وعدہ نہ کر لیا ہوتا کہ شادی خان سے نہیں جھگڑوں گا تو آج اسے میں احمق کہنے کا مزہ ضرور چکھا دیتا۔"

"اور کیا کہتا تھا؟"

"اور کیا کہتا" محبت خان پس و پیش میں پڑ گیا کہ شادی خان کی ساری باتیں بخشی کو بتاتے یا نہ بتاتے۔

بخشی نے کہا "کس سوچ میں پڑ گئے؟ وہ اور کیا کہتا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا "وہ کہتا تھا، میں آپ کی باتوں پہ اعتبار نہ کروں، آپ بڑی ظالم ہیں۔ آپ نے کتنے ہی بہادروں کو روباہ بنا کے چھوڑ دیا ہے۔"

بخشی کے چہرے پہ اور زیادہ اداسی پھیل گئی، بولی "محبت خان! شادی خان جھوٹا ہے، میں نہ تو ظالم ہوں اور نہ ہی بے وفا۔" پھر اس نے اپنے سیاہ لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہا "تم میرا یہ سیاہ لباس دیکھ رہے ہو؟"

محبت خان اس کا سیاہ لباس بغور دیکھنے لگا۔ بخشی کہتی رہی "آج میرے مرحوم شوہر کی برسی ہے۔ آج اسے مرے ہوتے پورے چار سال بیت گئے ہیں۔ لیکن تم یقین کرو وہ مجھے آج بھی یاد ہے، ہنوز روزِ اوّل کی طرح۔ میں اسے بھلا دینا چاہتی ہوں لیکن نہیں بھلا پائی۔"

محبت خان کو بخشی پہ بڑا ترس آیا، بخشی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وہ رک رک کر بولتی رہی "شادی خان مجھے ظالم کہتا ہے، حالانکہ میں نے اس پہ کوئی ظلم نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے کسی بہادر کو روباہ بنایا۔ یہ مجھ پہ الزام ہے، بہتان ہے،" ..

افسوس کہ میں شادی خان کو اس الزام کی سزا ابھی نہیں دے سکتی۔"
محبت خان نے کہا "لیکن میں آپ کے ہر حکم کی بجا آوری کو حاضر ہوں کہیئے تو میں شادی خان کو وہ سزا دوں کہ پھر کبھی بھی آپ کو ظالم نہ کہہ سکے۔"
بخشی نے رومال سے آنسو پونچھے، بولی "نہیں، میں شادی خان کو کچھ بھی نہ کہوں گی، اس کی ناک بالکل میرے مرحوم شوہر جیسی ہے اور اس کی بھنویں بھی میرے مرحوم شوہر کی طرح ہیں، بس انہی مشابہتوں نے مجھے اس پر مجبور کر دیا ہے کہ میں شادی خان سے محبت کروں، میں شادی خان کو چاہتی ہوں اگر میں شادی خان کے بقول ظالم ہوتی تو آج کے بعد وہ حاجی پور میں نظر بھی نہ آتا، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔"
محبت خان کو چکر آنے لگا، ایسا لگا، جیسے دنیا گھوم رہی ہے، بخشی برملا اظہار کر رہی تھی کہ وہ شادی خان کو چاہتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے، اس نے سوچا، اگر یہ درست ہے تو پھر بخشی کے دل میں محبت خان کا کیا مقام ہوگا؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ اس کا دل حاجی پور سے ایک دم اچاٹ ہو گیا۔
بخشی کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ اس نے کہا "تم خود کو ہی لے لو میں چاہتی تو تمہیں شادی خان کے ہاتھوں قتل ہو جانے دیتی۔ لیکن میں ایسا کس طرح چاہ سکتی تھی، محبت خان! افسوس کہ تم نے میرے شوہر کو نہیں دیکھا اگر دیکھتے تو یہی کہتے کہ اسے اس کی آنکھیں تو بالکل میری جیسی ہیں اور اس کے ہونٹ تو بالکل ہو بہو تمہارے جیسے تھے، تمہارے بال بھی بالکل میرے مرحوم شوہر کی طرح ہیں اور جب تم چلتے ہو تو جس نے بھی میرے شوہر کو دیکھا ہے، تمہیں چلتا دیکھ کر یہی کہے گا کہ حاجی پور کا مرحوم قلعے دار چل رہا ہے۔ تمہاری انہی خصوصیات نے مجھے تمہاری طرف راغب کر دیا ہے اور آج میں اپنے دل میں تمہارے لئے بھی کسک محسوس کرنے لگی ہوں، کیا تم بھی مجھے ظالم کہہ سکتے ہو؟"
محبت خان کو حاجی پور پھر دلکش نظر آنے لگا۔ اس نے بشاش لہجے میں کہا "میں آپ کو ظالم نہیں کہہ سکتا۔"
بخشی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، بولی "تب پھر تم مجھے سہارا دو، میری مدد کرو، میں اپنی مدد پر کسی بھی جیالے کو بآسانی آمادہ کر سکتی ہوں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گی، مجھے ان مردوں کی تلاش رہتی ہے جن میں میرے شوہر مرحوم کی مشابہتیں پائی جاتی ہوں، مجھے اپنے شوہر سے عشق تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں ہر اس شخص سے عشق کرنے پر مجبور ہوں جس میں میرے مرحوم شوہر کی شبیہہ موجود ہو۔"

محبت خان نے بخشی کے گلابی ہاتھ آہستہ سے دبائے اور پھر انہیں اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ بخشی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ محبت خان کے دل و دماغ غبارے کی طرح بلندی میں اڑنے لگے۔ اسے بخشی کے سوا دنیا کی ہر شے ہیچ اور کمتر نظر آرہی تھی۔

★ ★ ★

اب وہ بخشی کا فرماں بردار ملازم بھی تھا اور سعادت مند عاشق بھی۔ اب اس کی نظر میں شادی خان بھی کچھ نہ تھا۔ اس نے کئی بار بخشی کو شادی خان کے خلاف سمجھایا بھی لیکن بخشی نے اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ شادی خان بھی اس تماشے کو فکر اور تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کئی بار محبت خان کو تنبیہہ بھی کی کہ زیادہ نہ اڑے، ورنہ سارا نشہ اڑا دیا جائے گا۔ محبت خان نے ہمیشہ یہی کہا کہ اب وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ خدا اور قسمت اس پر مہربان ہیں اس لئے اس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

لیکن خود بخشی کو اس لڑائی جھگڑے سے نفرت تھی۔ وہ دونوں ہی کو پُرسکون رہنے کی تلقین کرتی رہتی۔

اس دن بخشی محبت خان کے ساتھ باغیچے میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ بخشی اس سے ابراہیم لودھی اور اس کے درباریوں کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کر رہی تھی اور محبت خان کو جس شے کے بارے میں جتنا علم تھا اُن کا اتنا ہی جواب دیئے جا رہا تھا۔

بخشی نے پوچھا۔ "آخر افغان امراء ابراہیم لودھی سے بدظن اور نالاں کیوں رہتے ہیں؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "ابراہیم لودھی ہر شخص کو ملازم سمجھ لیتا ہے اور اس کی اس بدتمیزی اور ظلم نے ہر شخص کو اس کا دشمن بنا ڈالا ہے۔"

بخشی نے ہنس کر کہا۔ "تعجب ہے کہ پورے ہندوستان کا بادشاہ لودھی اپنی سلطنت کا انتظام نہیں کر سکتا۔"

محبت خان نے کہا۔ "لوگوں کے دلوں کو محبت اور خلوص سے تو جیتا جا سکتا ہے لیکن نفرت اور اکڑفوں سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم لودھی سارے کام طاقت اور نفرت سے نکال لینا چاہتا ہے جو ناممکن ہے۔"

بخشی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "محبت خان! تم شادی خان کو سمجھا دو۔ وہ بےکار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ میرے دل میں اس کے لئے بڑی

عزت موجود ہے۔"

محبت خان نے جواب دیا۔"لیکن میں خود آپ کو بھی مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ کردار بڑی اہم شے ہے اس کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی چاہیئے۔ شادی خان سے بچے رہنا ہی بڑی عقلمندی کی بات ہو گی۔ مجھے یہ شخص کچھ جچا نہیں۔ ممکن ہے اس کی خوبیاں میں نہ دیکھ سکا ہوں اور آپ نے دیکھ لی ہوں۔"

بخشی نے اسے ڈانٹا، بولی۔"محبت خان! میں نے تمہیں یہ حق نہیں دیا ہے کہ تم شادی خان کو برا بھلا کہنے لگو۔ میں ایک بار پھر تمہیں یہ یاد دلاؤں گی کہ تم دونوں نے آپس میں نہ جھگڑنے کا مجھ سے عہد کیا ہے اور تم دونوں میں سے جو بھی اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا، میری نظروں سے گر جائے گا۔"

محبت خان نے بخشی کے دل میں جگہ تو بنا لی تھی لیکن شادی خان کو اس کے دل سے نہیں نکال سکا تھا۔ وہی جذبہ حسد و رقابت جو پہلے شادی خان کے دل میں محبت خان کے خلاف پایا جاتا تھا، اب محبت خان میں پیدا ہو چکا تھا۔ بخشی اپنی مرضی کی مالک تھی اسے جبراً اپنی مرضی پر نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ آخر یہ سوچ کر اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ جس طرح اس نے بخشی کے دل میں جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن وہ شادی خان کو اس کے دل سے نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

رات کو کھانے میں تینوں ایک ساتھ بیٹھے۔ بیچ میں بخشی بیٹھی تھی اور آس پاس محبت خان اور شادی خان بیٹھ گئے۔ بخشی کی کنیزیں اور خدمت گار مودب پیچھے کھڑے ہو گئے۔ بخشی فرمائش کر کر کے دونوں کو کھلاتی رہی خود بہت کم کھا رہی تھی۔ دونوں ہنس ہنس کے کھا رہے تھے اور آپس میں ہنسی مذاق بھی کرتے جا رہے تھے لیکن دونوں کے انداز یہ بتاتے تھے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں ہیں۔ چالاک بخشی بھی ان دونوں کی اندرونی کشمکش اور کیفیت سے بخوبی واقف تھی۔ اس موقع پر بخشی نے بڑی دلچسپ اور نفسیاتی گفتگو شروع کی۔ اس نے محبت خان سے دریافت کیا۔"محبت خان! تمہارے والد نے کتنی شادیاں کی تھیں؟"

محبت خان نے جواب دیا۔"دو، مر گئیں، ایک زندہ ہے۔"

بخشی نے شادی خان سے سوال کیا۔"اور شادی خان تمہارے باپ نے؟"

شادی خان نے جواب دیا۔"دو شادیاں اور یہ دونوں ہی پٹھانی۔ میں زندہ ہیں۔"

بخشی نے کہا "خدا نے مردوں کو بڑی چھوٹ دی ہے، کیا ایک عورت ایک وقت میں دو دو مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟"

محبت خان نے ناگواری سے جواب دیا "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

بخشی نے شادی خان کی طرف دیکھا اور پوچھا "اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟"

شادی خان نے جواب دیا "کم از کم ایک افغان یہ بے غیرتی برداشت نہیں کر سکتا۔"

محبت خان نے کہا "کبھی بھی نہیں، کسی حالت میں بھی نہیں، اس بے غیرتی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔"

بخشی نے ہنس کر مذاقاً پوچھا "اگر ایسا تجربہ کیا جاتے تو کیسا رہے؟"

محبت خان نے نفرت سے جواب دیا "اس میں ایک آدھ کی جان جا سکتی ہے!"

شادی خان نے کہا "افغان اپنی عزت سے پہچانا جاتا ہے۔"

بخشی نے کسی چیز کا شوربا پینا شروع کر دیا، پھر منہ پونچھتی ہوئی بولی "یہ تجربہ میں کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں تم دونوں آپس میں دوستی اور یگانگت کو برقرار رکھو اور میرے لئے دردِ سر کا باعث نہ ہو۔"

دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ دونوں کے چہرے تمتمانے لگے۔ محبت خان کا نوالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بولا "کم از کم میں اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور حاجی پور سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

شادی خان نے خوشی کا اظہار کیا، بولا "محبت خان! تم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔ میں تمہارے فیصلے پر مبارک باد دیتا ہوں، تم جتنی جلدی حاجی پور سے چلے جاؤ گے تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"

محبت خان نے نوالہ پھر اٹھا لیا اور اسے منہ میں رکھتا ہوا بولا "میں تمہیں خوش کرنے کے لئے حاجی پور نہیں چھوڑوں گا۔ میں کیوں جاؤں۔ حاجی پور تو تمہیں چھوڑنا چاہیئے۔"

بخشی کو ہنسی آ گئی۔ اس کے منہ سے شوربا بہہ نکلا۔ بولی "خوب گویا تم دونوں ہی میرے پاس رہنا چاہتے ہو۔"

محبت خان نے کہا "شادی خان مجھے چلتا کر کے خود تمہارے پاس ہی رہنا چاہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ میں اس کو اتنا خوش قسمت نہیں بننے دوں گا۔"

شادی خان نے طنزاً سوال کیا۔" تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بخشی کے پاس چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔"

بخشی نے کہا۔" میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم دونوں ہی میرے پاس رہو۔ اور ایک دوسرے کو اپنا دوست سمجھنے لگو اور اگر تم دونوں ہی مجھے چاہتے ہو تو تمہیں میری یہ بات ماننی پڑے گی۔"

محبت خان خاموش ہو گیا اور شادی خان اُسے دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگا۔

بخشو نے کہا۔" تم دونوں میں میرے مرحوم شوہر کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں اس لئے میں دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔"

محبت خان نے طنزاً پوچھا۔" اگر دو چار ایسے آدمی اور مل گئے جن میں تمہارے شوہر مرحوم کی مشابہتیں موجود ہوں تو ان کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہو گا؟"

شادی خان نے بخشی کو محبت خان کے خلاف چڑھایا۔" اس گستاخی کا بھی کوئی جواب ہے، محبت خان کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے۔"

محبت خان نے جواب دیا۔" یہ تین افراد کی بے تکلف مجلس ہے اس میں ہمیں آزاد گفتگو سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ہمارا حق ہے۔"

بخشی نے مسکرا کر محبت خان کی تائید کی، بولی؟ میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔" پھر شادی خان کو مسکرا کر دیکھا اور کہنے لگی ———" شادی خان! آخر میں بھی تو کچھ اسی قسم کی گفتگو کر رہی ہوں۔"

محبت خان نے کہا۔" پھر میرے سوال کا جواب عنایت ہو۔"

بخشی نے جواب دیا، میرے شوہر جیسی مشابہتیں اور رعنائیں رکھنے والوں کو میرے سامنے آنے تو دو۔ پھر کوئی فیصلہ کروں گی۔"

محبت خان کو ایک عورت کی ایسی صاف گوئی پسند نہ آئی۔ وہ اُداس ہو گیا لیکن شادی خان اتنا اُداس نہ تھا۔ وہ محبت خان کو اداس دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ کیونکہ محبت خان کی اداسی اور افسردگی کسی وقت بھی اس کا بخشی سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔ یہ اُداسی کا دورہ اس پر کئی دن تک پڑا، چالاک بخشی اس کی اس کیفیت کو گہری نظروں سے دیکھتی اور اس کا سبب سمجھتی رہی۔ اسی دوران لودھی دربار کے چند افراد پر مشتمل ایک وفد آ گیا۔ یہ وفد بخشی سے امداد و اعانت حاصل کرنے آیا تھا۔ ابراہیم لودھی نے اس سے پانچ ہزار فوجی، ایک ہزار گھوڑے اور پچیس ہاتھی طلب کیئے تھے کیونکہ فرغانہ کا مغل فرماں روا بابر دہلی کی طرف بڑھا

چلا آرہا تھا۔ بخشی نے وقار سے بات چیت کرنے پر شادی خان کو متعین کر دیا۔ محبت خان نے بخشی سے درخواست کی کہ اسے بھی فوجیوں کے ساتھ بابر کے مقابلے پر روانہ کر دیا جاتے لیکن بخشی نے اس کی درخواست مسترد کر دی، بولی "محبت خان! تم یہیں حاجی پور میں رہو اگر کسی اچھے فوجی کا بھیجنا ضروری ہوا تو میں شادی خان کو روانہ کر دوں گی۔"

محبت خان کے دل میں امید کی کرن پھر طلوع ہو گئی۔ پوچھا "کیا شادی خان اس مہم میں شامل ہو جانا بآسانی قبول کرے گا؟"

بخشی نے تیوریوں پہ بل ڈال کے کہا "کیا مطلب؟ شادی خان میرا ملازم بھی ہے۔ کیا وہ میرے حکم کے خلاف دم مارنے کی کبھی ہمت کر سکتا ہے؟"

محبت خان کی آنکھوں میں محبت کی شراب چھلکنے لگی، سامنے بخشی بھی مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھیں بھی کچھ چاہنے کی مستی سے لبریز ہو گئی تھیں۔ اچانک اس پر غشی کا دورہ پڑا اور وہ گرنے لگی لیکن اس گرنے میں بھی اتنا ہوش موجود تھا کہ اس نے محبت خان کا شانہ پکڑ لیا۔ محبت خان نے بھی اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بخشی میں اتنی طاقت بھی نہ رہی تھی کہ اپنی مرضی اور اختیار سے ذرا سی جنبش تک کر سکتی۔

وہ اسے اس کی منقش اور آبنوسی مسہری تک لے گیا۔ مسہری پر ریشمی چادر بچھی تھی اور سرہانے دو تکیے رکھے تھے جن پر دھوپ چھاؤں کے ریشمی غلاف چڑھے تھے پائنتی پر ہلکی دُلائی پڑی تھی۔ محبت خان نے بخشی کو مسہری پر ڈال دیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا کہ بخشی کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے وہ جھک گیا اور بے تابی سے پکارنے لگا "بخشی، بخشی! آنکھیں کھولئے، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے، خیریت تو ہے؟"

بخشی نے کوئی جواب نہ دیا، بس پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہی محبت خان نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا "یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشی؟ کچھ بولئے تو!"

بخشی نے زیر لب کچھ کہا، جو محبت خان کی سمجھ میں نہ آیا۔

محبت خان نے پوچھا "کیا میں آپ کے طبیب خاص کو بلوا لوں؟"

* * *

بخشی نے بے چینی سے نفی میں گردن ہلانی شروع کر دی۔ محبت خان نے پھر پوچھا۔ "پھر میں کیا کروں؟ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشی؟"

بخشی نے ہاتھ کے اشارے سے، اندر تو وہ ہانپتے ہوتے سامنے کے دروازے

کو بند کر دینے کی خواہش کی۔ محبت خان نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ بخشی کے پاس چلا گیا۔ بخشی نے اسے کھڑے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے مسہری پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ محبت خان ڈرتے ڈرتے جھجکتے جھجکتے مسہری کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ بخشی نے وارفتگی میں محبت خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خفیف آواز میں بولی "محبت خان مجھے وحشت ہو رہی ہے، مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے، میرے سینے میں درد ہو رہا ہے۔"

محبت خان نے گم صم انداز میں پوچھا "کہاں؟ درد؟ کیسا درد؟"

بخشی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھنا چاہا لیکن محبت خان نے کھینچ لیا۔ بخشی نے کہا "بائیں طرف پسلیوں کے اندر بڑا درد ہو رہا ہے، محبت خان۔" پھر وہ بلک بلک کر رونے لگی "محبت خان! تم سمجھتے کیوں نہیں، میں مر جاؤں گی، یہ درد میری جان لے کر ٹلے گا میں مر جاؤں گی محبت خان۔"

سادہ لوح محبت خان پریشان ہوتا جا رہا تھا، وحشت سے پوچھا "آخر یہ کیسا درد ہے بخشی؟ مجھے کچھ کھل کے تو بتا دیجئے؟"

بخشی نے مخمور نظروں سے محبت خان کو دیکھا اور کرب ناک مسکراہٹ سے اس کا ہاتھ تھام لیا ——— اسے دابتی ہوئی بولی "میں تمہیں اتنا سادہ لوح نہیں سمجھتی تھی محبت خان۔" اس کی آنکھیں بند تھیں ———

"تمہارا دل پتھر کا ہے محبت خان، کیا میں نے تمہیں اپنے دل کی یہ بات اشاروں میں نہیں بتا دی تھی کہ تم میں میرے مرحوم شوہر کی بہت ساری علامتیں اور مشابہتیں موجود ہیں، میں نے تمہیں نہیں، اپنے مرحوم شوہر کو پا لیا ہے تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو محبت خان!"

اب محبت خان سب کچھ سمجھ چکا تھا، اس نے ایسا محسوس کیا، جیسے حاجی پور کا اقتدار اس کے قدموں میں پڑا بوسہ دے رہا ہے۔ حاجی پور کا ہر گھر اور ہر فرد اس کی قدم بوسی کر رہا ہے۔ انہی لوگوں میں شادی خان بھی موجود تھا، لیکن اب وہ پہلے جیسا شادی خان نہیں تھا۔ اس نے تصور کی آنکھوں سے شادی خان کو اپنے روبرو مؤدب کھڑا دیکھا۔

بخشی نے ایک طرف کھسکتے ہوئے کہا "ادھر آجاؤ محبت خان، میرے دل میں سما جاؤ۔"

محبت ——— مسکرا دیا۔

★ ★ ★

بخشی نے ابراہیم لودھی کے وفد سے وعدہ کر لیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ امداد ایک ماہ کے اندر اندر آگرے روانہ کر دے گی۔ یہ سارے معاملات شادی خان کے ذریعے طے پا رہے تھے۔ محبّت خان کو وفد سے نہیں ملنے دیا گیا تھا، محبّت خان نے وفد کے ارکان سے ملنے کی خواہش بھی کی لیکن بخشی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اب اس کی پہلی جیسی حیثیت نہیں رہی۔

شادی خان ابراہیم لودھی کو بھیجی جانے والی امداد کی فراہمی میں مشغول ہو گیا۔ محبّت خان شب و روز بخشی کے قریب رہنے لگا، ان دنوں وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا تھا۔ ان آسائشوں میں اُسے اپنی ماں اور بہن کی یاد بھی آئی اور اس نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ کچھ دنوں بعد وہ ان دونوں کو بھی حاجی پور ہی میں بلا لے گا۔ اسے ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ دونوں ابراہیم لودھی کے عتاب کا شکار ہیں۔

شادی خان نے پانچ ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑوں اور پچیس ہاتھیوں کا انتظام کر لیا تھا۔ انہیں قلعے کے سامنے میدان میں بخشی کے معائنے کی خاطر کھڑا کر دیا گیا۔ بخشی ایک ابلقی گھوڑے پر سوار ہو کے اس میدان میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ محبّت خان بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار چل رہا تھا۔ بخشی کے چہرے پر باریک جالی کی سیاہ نقاب پڑی ہوئی تھی۔ شادی خان بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار بخشی کو معائنہ کرا رہا تھا۔ بخشی کا سر تمکنت سے ذرا ترچھا ہو گیا تھا۔ اس نے شادی خان سے پوچھا۔ "کیا یہ سپاہ تربیت یافتہ ہے؟"

شادی خان نے جواب دیا۔ "بہت اچھی تربیت یافتہ۔ اور مجھے یقین ہے کہ بابر کے خلاف معرکہ آرائی میں یہ خاص نام پیدا کریں گی۔"

بخشی نے ہاتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "ان پچیس ہاتھیوں کے چلے جانے کے بعد ہمارے پاس کتنے اور ہاتھی بچ جائیں گے؟"

شادی خان نے جواب دیا۔ "کل دس۔"

بخشی نے پوچھا۔ "کیا یہ سدھائے ہوتے ہیں؟"

"ہاں بہت اچھے سدھائے ہوتے۔ ان سے بابر کی مغل فوج کو روندا جا سکے گا اور چھوٹے موٹے قلعوں کو زمین بوس کیا جا سکے گا۔"

بخشی بہت خوش ہوگئی۔ بولی "ان کے کچھ کرتب دکھاؤ!"
شادی خان نے فیل بانوں کو حکم دیا اور انہوں نے ہاتھیوں کے کرتب دکھانے شروع کر دیئے۔
سب کے آخر میں شادی خان نے بخشی سے دریافت کیا "یہ امداد کس شخص کی سرکردگی اور نگرانی میں آگرے روانہ کی جاتے گی؟"
بخشی نے جواب دیا "تمہاری سرکردگی میں۔ انہیں تم آگرے لے جاؤ گے!"
شادی خان چونک پڑا۔ ایسا لگا جیسے کسی زہریلے کیڑے نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے حیرت اور پژمردگی سے پوچھا "یعنی انہیں میں آگرے لے جاؤں گا؟"
"ہاں" بخشی نے کہا "انہیں تم آگرے لے جاؤ گے!"
شادی خان نے معنی خیز نظروں سے محبت خان کی طرف دیکھا اور پھر بخشی کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا "اور یہاں حاجی پور میں آپ کے پاس کون رہے گا؟"
بخشی نے جواب دیا "میرے پاس، حاجی پور میں محبت خان رہے گا!"
شادی خان کے چہرے کا رنگ سپید ہو گیا، وہ ایک دم اداس ہو گیا محبت خان کا خوشی اور فخر سے سینہ تن گیا۔
شادی خان نے آہستہ سے لیکن مضبوط لہجے میں کہا "میں آگرے نہیں جاؤں گا محبت خان کو اس مہم پر روانہ کر دیا جاتے تو بہتر رہے گا!"
بخشی نے سختی سے کہا "حکم میں دوں گی اور حاجی پور میرا ہے، یہاں میری حکومت ہے اور یہاں کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ میرے فیصلوں میں مداخلت کرے، میری مرضی اور میرے حکم کے خلاف کوئی کام کرے!"
یہ کہہ کر اس نے محبت خان کی طرف دیکھا۔ محبت خان اپنے گھوڑے کو بڑھا کر شادی خان کے قریب لے گیا اور تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر بخشی کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔
بخشی نے کنکھیوں سے ان دونوں کو دیکھا اور شادی خان کو حکم دیا "تم پرسوں علی الصباح حاجی پور سے آگرے چلے جاؤ گے۔ میں تعمیل کے سوا کچھ نہیں جانتی!"
شادی خان مرعوب ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہا تو بخشی اس کے ٹکڑے اڑا دے گی۔
بخشی نے درشتی سے کہا "شادی خان! میں تمہارے منہ سے تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں!"

"شادی خان نے مردہ دلی سے کہا۔" آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"
بخشی خوش ہوگئی، محبت خان کو حکم دیا۔" محبت خان! تم اس سپاہ کے ارد گرد پھر کے شمار تو کرو کہ یہ پورے پانچ ہزار ہیں بھی یا نہیں؟"
محبت خان سپاہیوں کی گنتی کرنے لگا تو بخشی نے شادی خان کو کچھ اور قریب بلا لیا۔ اس نے پوچھا۔"شادی خان! تم میں یہ ہمت کہاں سے آ گئی کہ تم میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے۔"
شادی خان جیسے بھرا ہی بیٹھا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔"بخشی! محبت خان جیسے نو آموز کا یہاں آپ کے قریب رہنا اور میرا آگرے چلا جانا، ایسا معاملہ نہیں ہے کہ مجھ جیسا معزز اور پختہ کار امیر خوش دلی سے گوارا کرلے۔"
بخشی نے اسے تسلی دی، بولی۔"تم کیوں گھبراتے ہو شادی خان، یہ سارے عارضی اور وقتی فیصلے ہیں، بس تمہیں چاہتی ہوں، تم سے محبت کرتی ہوں اور آخر تک تمہی کو چاہوں گی۔ تمہیں آگرے اس لئے بھیجا جا رہا ہے کہ اس ذمہ دار مہم کو تمہاری ہی نگرانی اور سرکردگی میں بھیجا جا سکتا ہے۔"
شادی خان نے مغموم آواز میں کہا۔" لیکن آپ آگرے میں بہت یاد آئیں گی۔"
بخشی نے جواب دیا۔" اور مجھے تم بھی بہت یاد آتے رہو گے کیونکہ تم میں میرے مرحوم شوہر کی بہت ساری مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔"
شادی خان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ مجھے بھلا دیں"
بخشی نے کہا۔"نہیں ایسا نہیں ہوگا، تم مطمئن رہو۔"
شادی خان چپ تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہ بتاتے تھے کہ اسے بخشی کی باتوں پر یقین نہیں ہے۔
کچھ دیر بعد محبت خان نے آ کے بتایا کہ سپاہی پورے پانچ ہزار ہیں گھوڑے ایک ہزار اور ہاتھی پچیس۔
بخشی نے شادی خان سے کہا۔"شادی خان! تمہیں پرسوں تک بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہو جانا ہے اور روانگی سے پہلے تمہیں مجھ سے کم از کم دو ملاقاتیں ضرور کرنی ہیں۔"
اس آخری جملے نے محبت خان کے دل کو چوٹ لگائی لیکن بے بس تھا، کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔

محبت خان نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے شادی خان کا انتظار کرتے رکا۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ بخشی جب بھی اُسے ٹالنا چاہے گی وہی لمحات دونوں کی ملاقات کے ہوں گے اور آخر وہ لمحات آ ہی گئے۔ دوسرے دن دوپہر کو اس نے محبت خان کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ امداد کی چند گھنٹے نگرانی کرے اُسے بادشاہ کی امداد کے سلسلے میں شادی خان سے کچھ اہم مشورے کرنا ہیں۔ محبت خان بلا چون وچرا چلا گیا لیکن بخشی کی طرف سے اس کا دل ہٹنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بخشی دوہرا کھیل کھیل رہی ہے اور اس کے قول و فعل پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔

کئی گھنٹے بعد شادی خان واپس پہنچا اور محبت خان سے کہا "اب تم واپس جا سکتے ہو۔"

محبت خان نے شادی خان کو بغور دیکھا، شادی خان اس وقت بھی خوش نہیں تھا، اس کے چہرے پر حزن وملال کی گہری چھائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ محبت خان نے طنزاً پوچھا "تم دونوں میں کس قسم کے مشورے ہوتے رہے ہیں؟ کیا تم دونوں اپنے ان مشوروں سے مطمئن بھی ہوتے یا نہیں؟"

شادی خان نے اُسے جھڑک دیا "محبت خان! زیادہ مت اتراؤ اور اپنے ہوش میں رہو۔ میں جانتا ہوں کہ خدا اور تقدیر تمہارے ساتھ ہیں۔"

محبت خان نے ترشی سے جواب دیا "میں نے تم سے جو کچھ پوچھا یہ اُس کا جواب تو نہیں!"

شادی خان نے اس کے قریب جا کر کہا "تم بخشی سے کہو، وہ آگرے تمہیں روانہ کر دے۔"

محبت خان نے کہا "یہ تو میری دلی خواہش ہے لیکن بخشی میری بات مانے گی کیوں؟"

شادی خان نے افسردگی سے کہا۔ "تم کہہ کے تو دیکھو، میرا خیال ہے وہ مان جائے گی۔"

محبت خان نے جواب دیا "اگر مجھے اس بات کا ذرا سا بھی یقین ہوتا تو میں اس سے کب کی یہ درخواست کر چکا ہوتا۔"

شادی خان نے مایوسی سے کہا "آج میں نے اس بات کی بڑی کوشش کی کہ وہ میری جگہ تمہیں روانہ کر دے لیکن وہ نہیں مانی مگر میرا دل کہتا ہے کہ اگر یہی بات

تم کہو گے تو وہ ضرور مان لے گی۔"

محبت خان نے شادی خان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بولا۔" اگر تم مُصر ہی ہو تو میں آج اُس سے یہ ضرور کہوں گا۔ اگر مان لیا تو میں فوراً ہی تمہیں اس فیصلے سے مطلع کر دوں گا۔"

شادی خان نے کہا۔"ہاں ایک بات اور، اگر بخشی تمہاری بات نہ مانے تب بھی تم مجھ سے کل مل ضرور لینا۔ تم سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

محبت خان نے جواب دیا۔" بہتر ہے۔"

اُس روز رات کو محبت خان دیر تک بخشی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ شادی خان کی جگہ اُسے آگرے روانہ کر دے لیکن بخشی اس پر کسی طرح بھی تیار نہ ہوئی۔ آخر جب وہ محبت خان کے اصرار سے بہت زچ ہوئی تو اُس نے ترش روئی سے کہا۔" محبت خان! تم ایک بے کار بات کے لئے اتنی ضد مت کرو، تمہاری آگرے کو نہیں، حاجی پور کو ضرورت ہے۔ ابراہیم لودھی کو نہیں بخشی کو ضرورت ہے۔"

محبت خان نے کہا۔" میں اپنی ماں اور بہن سے ملنا چاہتا تھا میں نے سوچا کہ جب آگرے جاؤں گا تو وہاں تمام عزیز رشتے داروں سے خوب اچھی طرح مل کے اپنی ماں اور بہن کو لے کر دوبارہ حاجی پور واپس آجاؤں گا۔"

بخشی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔" میں تمہیں اتنی آسانی سے آگرے نہیں جانے دوں گی، میں تمہیں کتنی بار یہ یاد دلاؤں کہ تم میں میرے مرحوم شوہر کی بہت سی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ میں تمہیں نہیں کھو سکتی، کسی قیمت پر نہیں، تم آگرے نہیں جاؤ گے تمہاری ضرورت آگرے کو نہیں حاجی پور کو ہے بادشاہ کو نہیں، مجھے ہے۔"

محبت خان نے خاموشی اختیار کر لی۔

دوسرے دن حسب وعدہ محبت خان، شادی خان کے پاس پہنچ گیا، بولا۔ "شادی خان! میں حسبِ وعدہ تمہارے پاس آ گیا ہوں، بتاؤ تم نے مجھے کیوں بلایا تھا اس وقت؟"

شادی خان نے کہا۔" پہلے یہ تو بتاؤ بخشی نے کیا کہا؟"

محبت خان نے جواب دیا۔" وہ کہتی ہے کہ آگرے سے زیادہ حاجی پور کو میری ضرورت ہے۔"

شادی خان نے نرمی سے کہا۔" مجھے معلوم تھا کہ تم دونوں کی بات چیت کا

یہی انجام ہوگا!"
محبت خان نے بے زاری سے پوچھا۔ "تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟"
شادی خان نے کہا۔ "ذرا دم تو لو، ابھی بتاتا ہوں۔"
محبت خان نے بدستور بے زاری سے کہا۔ "میں دم نہیں لوں گا جو بات بھی کرنی ہے فوراً کر ڈالو۔"
شادی خان کھڑا ہو گیا۔ پوچھا۔ "تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟"
محبت خان نے جواب دیا۔ "باہر کھڑا ہے۔"
شادی خان اندر چلا گیا، بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"
محبت خان معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسے یہ شبہ بھی گزرا کہ کہیں شادی خان نے اس کی خلاف کوئی سازش تو نہیں تیار کی۔ وہ احتیاطاً باہر نکل گیا اور اپنے گھوڑے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد شادی خان سرخ لباس پہنے ہوئے نمودار ہوا۔ اس کے شانے پر دو تلواریں اور دو ڈھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ محبت خان اُلجھن میں پڑ گیا کہ شادی خان آخر چاہتا کیا ہے؟
شادی خان نے دونوں تلواریں محبت خان کی طرف بڑھا دیں، بولا۔ "ان میں جو تلوار چاہو، لے لو!"
محبت خان نے پوچھا۔ "آخر کیوں؟ بات کیا ہے؟"
شادی خان نے کہا۔ "تم دونوں تلواریں پکڑو تو سہی۔"
محبت خان نے دونوں تلواریں لے لیں۔ شادی خان نے ایک ڈھال محبت خان کی پشت پر ڈال دی، بولا۔ "محبت خان! میں ساری رات اس کشمکش کا حل سوچتا رہا، میں بھی افغان ہوں تم بھی پٹھان ہو، ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف دغابازی نہیں کر سکتے۔ بدبختی نے ہم دونوں کو ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جس کے ایک طرف سامان دل بستگی ہے، جوانی کی خوشیاں ہیں، آسائشیں ہیں اور دوسری طرف موت ہے، مایوسیاں ہیں، دل شکستگی ہے اور ذہنی اور روحانی اذیتیں ہیں، اور ان دونوں راہوں پر بدقسمتی سے ہم دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، بہت زیادہ غور و فکر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو واقعی شادمانیوں کی راہ پر چلنے کا مستحق قرار پا جاتے گا مزن ہو جاتے۔"
محبت خان نے پوچھا۔ "اس استحقاق کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟"
شادی خان نے جواب دیا۔ "ہم دونوں اپنے حق کا فیصلہ مبارزت سے کریں گے جو مقابلے

میں جیت جائے گا، وہ بخشی کے پاس رہنے کا مستحق ہو گا۔"

محبت خان نے ایک تلوار بے دلی سے لے کر دوسری شادی خان کی طرف بڑھا دی، بولا۔" لیکن میں نے تو اب تک یہی محسوس کیا ہے کہ بخشی ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ٹھکرانے پر آمادہ نہیں ہے۔"

شادی خان نے تلوار لے کر غصے میں کہا۔" لیکن یہ ہم کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ وہ بیک وقت ہم دونوں کی محبوبہ بنی رہے۔ اس کو ایک ہی کا بن کر رہنا ہو گا۔"

شادی خان اپنا گھوڑا لے آیا۔ محبت خان نے پوچھا۔" ہم دونوں کہاں مقابلہ کریں گے؟"

شادی خان نے جواب دیا۔" اسی جگہ، جہاں ہم دونوں پہلے بھی ایک بار مقابلہ کر چکے ہیں اور بخشی نے مخل ہو کر اس مقابلے کو رکوا دیا تھا۔"

محبت خان گھوڑے پر بیٹھ گیا، بولا۔" میں مقابلے پر اس لئے آمادہ ہو گیا ہوں کہ کہیں تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ محبت خان ڈر کر بیٹھ دکھلا گیا، ورنہ جس مقابلے کا تو ذکر کر رہا ہے اس میں میرے ساتھ تو نے دھوکا کیا تھا اور وہ مقابلہ تجھ سے نہیں تیرے آدمیوں سے ہوا تھا۔"

شادی خان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا، بولا۔" محبت خان! تم مجھے تو کر کے مخاطب کر رہے ہو، ہم دونوں اپنی کمتری اور برتری کو عنقریب ثابت کرنے والے ہیں، لہٰذا میری درخواست ہے کہ تم اس سے پہلے میری تحقیر نہ کرو۔"

محبت خان نے گھوڑے کو حرکت دی، بولا۔" بہتر ہے لیکن جب تمہارے اس رویے کو یاد کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔"

دونوں وہیں پہنچ گئے جہاں ایک دن محبت خان قتل ہوتے ہوتے بچ گیا تھا۔

مقابلے سے پہلے شادی خان نے کہا۔" محبت خان! ہم دونوں میں جو فاتح رہے گا وہ دوسرے کے مقتول ہونے کی خبر بخشی تک کس طرح پہنچائے گا۔"

محبت خان نے جواب دیا۔" یہ بعد کی بات ہے، اس پر ہمیں قبل از وقت نہیں غور کرنا چاہئے۔"

شادی خان نے کہا۔" ویسے تو میں نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں نے تمہیں زیر کر کے ہلاک کر دیا تو بخشی سے کہوں گا یہ مقابلہ محبت خان کی ایما پر ہوا تھا اور ہم دونوں نے

بر آن اٹھاک یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جو مبارزت میں جیت کر خود کو بجنشی کا مستحق ثابت کرے، بجنشی کے پاس رہے گا۔"

محبت خان نے جواب دیا۔" چلو یونہی سہی جو تم کہتے ہو میں بھی وہی کہہ دوں گا۔"

دونوں اپنے گھوڑوں کو ذرا فاصلے سے، برابر لے آئے، دونوں کی تلواریں ایک ساتھ نیام سے طلوع ہو گئیں۔ مشرق میں سورج خاصا اوپر اٹھ چکا تھا۔ اس کی شعاعیں چمکیلی تلواروں سے ٹکرا کر نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ شادی خان نے اس پر حملہ کیا تو محبت خان نے جھک کر گردن بچالی۔ محبت خان نے شادی خان کے ایک ہاتھ کو اڑا دینا چاہا لیکن شادی خان پھرتی سے اپنا گھوڑا پیچھے ہٹالے گیا اور ہاتھ کو بچا لیا۔

شادی خان گھوڑے کو کاوا دے کر ایک دم محبت خان کے سر پر آ گیا اور تلوار کا بھرپور وار کر دیا لیکن محبت خان چستی سے اس کے پہلو سے بچ نکلا اور شادی خان کے ہاتھ سے تلوار دور جا گری۔ محبت خان پلٹ کے وار کرنے ہی والا تھا کہ شادی خان گھوڑے سے پھاند پڑا اور دوڑ کر تلوار اٹھا لایا چیخ کر بولا۔" محبت خان! مجھے گھوڑے پر بیٹھ جانے دو۔ ذرا دم لو مقابلہ پھر سے شروع ہو گا۔"

محبت خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" اچھا بیٹھ جاؤ اپنے گھوڑے پر۔ میں اس وقت تک مقابلے سے باز رہوں گا جب تک تم خود مقابلے کا اعلان نہ کر دو گے۔"

شادی خان دوبارہ گھوڑے پر بیٹھ گیا، اور تلوار کو فضا میں لہراتا ہوا بولا۔" ہاں اب میں تیار ہوں، مقابلہ کا آغاز کرو۔"

دونوں پھر لڑنے لگے۔ سناٹے میں تلواروں کی کھٹ کھٹ اور گھوڑوں کے ادھر ادھر ہٹنے بڑھنے سے ٹاپوں کی آوازوں سے فضا کا سکوت ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ دیر تک دونوں میں سے ایک بھی دوسرے کو زیر نہیں کر سکا۔ لیکن چھچلتے ہوئے زخم دونوں ہی کو آچکے تھے دونوں ہی نہایت احتیاط سے سنبھل سنبھل کے لڑ رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ہارنا یا مرنا کوئی بھی نہیں چاہتا اور دونوں ہی بجنشی کی کیف آور معیت میں زندگی کے بہترین دن گزار دینا چاہتے ہیں۔ لڑتے لڑتے شادی خان کو اپنا وہ زمانہ یاد آنے لگا، جب وہ بلا شرکت غیرے بجنشی کا مالک تھا اور آزادانہ حاجی پور کی کیف آور اور عاشقانہ فضا میں سانس لیا کرتا تھا۔ تصورات نے اسے غافل کر دیا اور محبت خان کی تلوار کے ایک بھرپور وار نے، شادی خان کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، گھوڑا تکلیف سے ہنہنایا اور الف ہو کر شادی

خان کو اتنا سخت جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے کی پشت سے دُور جا گرا۔ اُس کی پسلیوں میں کئی پتھر چُبھ گئے۔ محبت خان بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور شادی خان کو قتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ شادی خان نے اپنی تلوار محبت خان کی طرف پھینک دی اور کراہتا ہوا بولا "محبت خان میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں، مجھے قتل نہ کرو اب میں بخوشی آگرے چلا جاؤں گا۔"

محبت خان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا، اُسے شادی خان پر رحم آنے لگا۔

شادی خان نے اسے اپنے قریب بُلایا۔ "محبت خان! تم میرے قریب آجاؤ، میں تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں، اگر میں جیت جاتا تو وہ باتیں قطعی نہ کرتا۔"

محبت خان اُس کے پاس جا بیٹھا۔ شادی خان ایک طرف کھسکنے لگا، مگر محبت خان نے اُسے کھسکنے سے منع کر دیا۔ پوچھا "شادی خان! تمہیں پیاس تو نہیں لگ رہی؟"

شادی خان نے ہونٹوں پر زبان پھیری، بولا "لگ تو رہی ہے لیکن پانی گھر چل کر پیئں گے، پہلے میری باتیں توسُن لو۔"

محبت خان نے کہا۔ "نہیں پہلے پانی پی لو، ورنہ باتوں میں مزہ نہیں آئے گا، چشمہ قریب ہی ہے، میں تمہیں سہارا دے کر چشمے تک لئے چلتا ہوں وہیں پانی پی کر باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

شادی خان مسکراہٹ آمیز کراہ سے بولا۔ "ہاں چشمے تک بالکل چل سکتا ہوں۔" پھر اُٹھنے کی کوشش کی۔ محبت خان نے سہارا دے کر اٹھایا۔ شادی خان نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور دونوں آہستہ آہستہ چشمے کی طرف چل دیئے چشمے کے پانی سے پہلے تو دونوں نے اپنے منہ ہاتھ دھوتے اس کے بعد دونوں نے چلوؤں سے پانی پیا پانی پی کر دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

شادی خان نے نہایت محبت سے اپنے رقیب کو دیکھا، پھر مسکرا کر بولا۔ "محبت خان! تم بہت شاندار افغان ہو، معلوم نہیں کیوں میرا دل تمہاری محبت سے لبریز ہو گیا ہے۔"

محبت خان نے جواب دیا۔ "شادی خان! تمہاری عزت تو میں بھی کرتا ہوں۔"

شادی خان نے پوچھا "محبت خان! آگرے میں تمہارے کتنے عزیز رہتے ہیں؟"

محبت خان نے کہا "یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے شادی خان۔ آگرے میں یوں تو میرے کئی عزیز رہتے ہیں لیکن تمہارے ذریعے میں اپنی ماں اور بہن کو یہ پیغام پہنچانا

چاہتا ہوں کہ میں انہیں بھی بہت جلد اپنے پاس بلا لوں گا۔"

شادی خان نے افسوس سے کہا۔ "تمہیں شاید ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ تمہارے بعد تمہاری ماں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور تمہاری بہن ایک دوسرے افغان امیر کے حوالے کر دی گئی۔"

محبت خان تلملا کر کھڑا ہو گیا، مشتعل ہو کر بولا۔ "او ملعون زادے! یہ تو کیسی باتیں کرنے لگ گیا مجھ سے؟"

شادی خان نے تحمل سے کہا۔ "اس وقت میں تمہاری گالیاں بھی سن لوں گا کیونکہ ایسی خبر سن کر میں بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگتا۔"

محبت خان نے کہا۔ "تو نے ایسی بُری خبر کیوں سنائی؟ تجھے یہ باتیں کس سے معلوم ہوئیں؟"

شادی خان نے کہا۔ "ابراہیم لودھی کے دفتر کا ایک رکن مجھے یہ باتیں بتا گیا ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن بجنشی نے اُسے تم سے ملنے نہیں دیا۔ اُس نے مجھے بھی منع کر دیا تھا کہ میں یہ خبر تم تک نہ پہنچاؤں۔"

محبت خان سر پکڑ کے شادی خان کے قریب ہی بیٹھ گیا اور چپکے چپکے آنسو بہانے لگا۔ اُسے وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو آخری بار ابراہیم لودھی کے دربار میں پیش آئی تھیں اور بدقسمتی سے وہ یہ بھُول ہی گیا تھا کہ بادشاہ نے اُس کے سامنے ہی اُس کی جائداد اور املاک کی ضبطی کا حکم صادر کر دیا تھا۔ اُس نے بھرّائی آواز میں پوچھا۔ "تو تمہیں بجنشی نے منع کر دیا تھا کہ یہ خبر مجھے نہ سنائی جائے؟"

"ہاں" شادی خان نے کہا۔ "اور تم قسم کھاؤ کہ اس کا ذکر بجنشی سے نہیں کرو گے!"

محبت خان نے غصّے میں کہا۔ "نہیں، میں اس معاملے میں بجنشی سے ضرور بات کر دوں گا۔"

شادی خان نے گھبرا کر کہا۔ "خدا کے لئے تم ایسا غضب نہ کرنا۔ میں لودھی دربار کی مدد لے کر عنقریب آگرے چلا جاؤں گا۔ میرے چلے جانے کے بعد تمہیں اختیار ہو گا کہ بجنشی سے باتیں کر لو۔"

محبت خان نے کہا۔ "نہیں شادی خان تم یہیں بجنشی کے پاس رہو، میں آگرے جاؤں گا۔"

شادی خان نے کہا۔" لیکن بخشی تمہیں جانے کب دے گی ؟"

محبت خان نے جواب دیا۔" میں نہ بہ دستی چلا جاؤں گا۔" لیکن پھر کچھ سوچ کر بولا۔" اچھا تم بادشاہ کی مدد لے کر آگمرے روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری واپسی تک یہیں رہوں گا۔"

شادی خان اس اچانک تبدیلی کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

محبت خان نے کہا۔" جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب میرے آگمرہ پہنچنے کا فائدہ ؟"

اچانک دونوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ اور ساتھ ہی کہیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دینے لگیں۔ شادی خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ محبت خان کھڑا ہو گیا۔

* * *

دونوں کی نظریں آواز کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کئی گھڑ سوار نمودار ہو گئے۔ سب سے آگے بخشی کا گھوڑا تھا۔ یہ لوگ دونوں کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ بخشی نے پہلے ان دونوں کے گھوڑوں کی طرف دیکھا۔ شادی خان کا زخمی گھوڑا زخم پر بار بار بیٹھنے والی مکھیوں کو دم ہلا ہلا کر اور پشت اور پیٹ کو لرزش دے کر اڑا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے شادی خان اور محبت خان کو گہری نظروں سے دیکھا۔ دونوں کی ڈھالیں اور تلواریں ان کے قدموں میں رکھی تھیں۔ بخشی گھوڑے سے اتر پڑی اور ان دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر سوال کیا۔" کیا بات ہے ؟ تم دونوں نے آپس میں مبارزت کی ہے ؟"

محبت خان نے جواب دیا۔" ہاں۔ کیونکہ شادی خان کی جگہ میں آگمرے جانا چاہتا تھا۔ لیکن شادی خان نے کہا کہ آؤ اس سلسلے میں ایک مقابلہ ہو جائے پھر جو مقابلے میں جیتے وہی آگمرے بھی جائے۔"

بخشی کو شاید محبت خان کی بات پر یقین نہیں آیا، بولی۔" پھر کون جیتا۔ ؟"

محبت خان نے کہا۔" میں۔"

بخشی گھبرا گئی، بولی۔" پھر کیا تم آگمرے چلے جاؤ گے ؟"

"نہیں !" محبت خان نے جواب دیا۔" کیونکہ شادی خان کہتا ہے کہ وہ تھکا

حکم عدولی نہیں کرے گا۔"

بخشی خوش ہو گئی، بولی "مجھے شادی خان سے یہی امید تھی، تم دونوں کو آپس میں لڑنا نہیں چاہیئے تھا۔"

شادی خان ابھی تک خاموش تھا، وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں محبت خان بخشی کو وہ ساری باتیں نہ بتا بیٹھے جن کا ابھی تھوڑی دیر قبل اُس نے چغل خوری کے انداز میں محبت خان سے ذکر کر دیا تھا۔

بخشی نے دونوں سے کہا "اب تم دونوں یہاں سے گھر چلو۔ میں تم دونوں کو یہاں دیکھ کر بہت اُداس ہو گئی ہوں۔"

دونوں اُٹھ کر اپنے اپنے گھوڑوں کی طرف چلے گئے۔ بخشی نے اپنے ایک سپاہی کو اشارے سے حکم دیا کہ وہ ان دونوں کی ڈھالیں اور تلواریں اٹھا لے جس کی فوری تعمیل ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سہ پہر کو بخشی نے شادی خان کو بہت سمجھایا، اور اسے یقین دلایا کہ وہ مایوس نہ ہو، اُس کے دل میں شادی خان کے لئے اتنی ہی محبت موجود ہے جتنی محبت خان کی آمد سے پہلے تھی۔ دوسری طرف محبت خان کو یہ سمجھایا کہ وہ محبت خان کو آگرے اس لئے نہیں بھیجے گی کہ بادشاہ کے دفتر نے اُسے تنبیہہ کی ہے کہ محبت خان بادشاہ کا معتوب ہے اور جب تک بادشاہ اُسے خود نہ طلب کرے، محبت خان کو آگرے نہیں بھیجا جا سکتا۔

شادی خان پانچ ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑے اور پچیس ہاتھیوں کی مدد لے کر آگرے چلا گیا۔ بخشی اُسے دور تک چھوڑنے گئی اور جب واپس آئی تو بہت اُداس تھی، اُس نے محبت خان کو بھی نظر انداز کر دیا اور آنسو بہاتی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اُس کے پیچھے پیچھے محبت خان بھی وہیں پہنچ گیا۔ لیکن ایک کنیز نے اُسے کمرے کے باہر ہی روک لیا۔ بولی "اس وقت آپ اندر نہیں جا سکتے، کیونکہ بیگم صاحبہ نے کسی کو بھی اندر جانے سے منع کر رکھا ہے۔"

محبت خان نے زور سے کہا "میں افسردہ و سوگوار بیگم کو تسلیاں دینا چاہتا ہوں تم مجھے اندر جانے سے نہیں روک سکتیں۔"

بخشی اچانک دروازے پر نمودار ہوئی، بولی "محبت خان کو مت

روکو، اندر آنے دو۔"

کنیز نے مزاحمت ختم کر دی۔ اور محبت خان کمرے میں داخل ہو گیا۔ اشکبار بخشی نے آہستہ سے کہا۔"دروازہ بند کر دو۔"

محبت خان نے دروازہ بند کر دیا۔

وہ بولی۔"محبت خان! تم مجھے چاہے کتنی ہی بری عورت کیوں نہ سمجھو لیکن میں اقرار کروں گی کہ میں شادی خان کو بھی چاہتی ہوں، اس سے بھی محبت کرتی ہوں۔"

محبت خان نے افسوس سے کہا۔" لیکن یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آتی کہ کوئی عورت بیک وقت دو مردوں سے محبت کرے، ایسا کہیں نہیں ہوا، اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔"

بخشی اسے نشست تک لے گئی، بولی۔" تم تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو، میں دلیلوں سے تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔"

محبت خان اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا۔ بخشی نے کہا۔" جس طرح مرد کے سینے میں بائیں طرف دل ہے اسی طرح عورت کی پسلیوں کے پیچھے بائیں جانب دل موجود ہے، جو جذبات عشق و محبت ایک مرد کے دل میں موجزن ہوتے ہیں وہی جذبات عورت کے دل میں بھی موجود رہتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک مرد تو کئی کئی عورتوں سے بیک وقت عشق کرے اور ایک حکمران ایک ہی وقت میں بہت سی عورتوں کو تو اپنے حرم میں ڈال لے لیکن ایک عورت ایک وقت میں ایک ہی مرد پر قناعت کر لے۔"

اس دلیل نے محبت خان کو چکرا دیا۔ گھبرا کر بولا۔" لیکن ایک عورت کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ لوگ ان باتوں کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔"

بخشی نے پوچھا۔" کون سے لوگ؟ لوگ مت کہو، ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ مرد اس بات کو پسند نہیں کریں گے، لیکن میں تو یہ کہوں گی کہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔"

محبت خان نے جھنجلا کر کہا۔" لیکن تمہارے سوا ایک عورت بھی تمہاری ہم خیال نہ نکلے گی اور کوئی عورت بھی یہ گوارا نہیں کرے گی کہ وہ بیک وقت کئی مردوں سے عشق لڑاتے۔"

بخشی نے کہا۔" تم مرد ہو کر عورتوں کی ترجمانی نہیں کر سکتے۔ محبت خان، عورت کیا چاہتی ہے اور کیا سوچتی ہے، یہ تم مردوں کو کیا معلوم، عورت بھی وہی چاہتی ہے جو مرد چاہتے ہیں لیکن یہ دوسری بات ہے کہ عورت اپنی کمزور حیثیت کے پیش نظر اس کا

اظہار یا اقرار نہ کرے اور مرد اسے اس کی اجازت کبھی نہیں دیتے۔ جس طرح مجھے گلاب پسند ہے بیلا پسند ہے، گل داؤدی پسند ہے، یاسمین پسند ہے اسی طرح میں تمہیں پسند کرتی ہوں، شادی خان کو پسند کرتی ہوں اور کسی اور کو بھی پسند کر سکتی ہوں، یہ کس نے کہہ دیا کہ دل جیسے وسیع سمندر میں کسی ایک ہی شخص کی یاد رہ سکتی ہے۔ محبت خان! دل تو عمر و عیار کی زنبیل کی طرح ہے کہ اس میں بہت کچھ رہ سکتا ہے، بہت سے لوگ رہ سکتے ہیں۔ ہاں ان سے محبتوں میں کمی بیشی ضرور ہو سکتی ہے۔"

محبت خان کی سمجھ میں اس کی باتیں بالکل نہ آ رہی تھیں۔ اس نے پوچھا "تم شادی خان سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

بخشی نے جواب دیا "بہت، بہت زیادہ۔" پھر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا "مجھے برابر یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ شادی خان واپس بھی لوٹے گا یا نہیں۔"

محبت خان نے حیرت سے پوچھا "اور تم مجھے بھی چاہتی ہو؟"

"ہاں" اس نے جواب دیا "شادی خان سے بھی زیادہ۔"

محبت خان نے اسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھا گویا بخشی کی باتوں پر اسے اعتبار نہ آ رہا ہو۔

بخشی مسکراتی ہوئی بولی "محبت خان! تم مجھے اور میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو گئی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں میں تمہاری عورت نہیں ہوں، میں عورت کے روپ میں مرد ہوں۔"

لیکن محبت خان اس کی باتیں سمجھنے پر تیار ہی نہ تھا۔ وہ بولتی رہی اور محبت خان سر جھکائے بیٹھا اس کی باتوں کو سنتا اور سر دھنتا رہا۔

* * *

محبت خان بخشی کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے شادی خان کی غیر موجودگی ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بخشی کو کوئی سزا ضرور دینی ہے۔ اس نے اپنے مطلب کے سامنے کسی بات کی کبھی پرواہ نہ کی تھی۔ اس نے محبت خان کو مار دھاڑ کے بعد چھپا لیا تھا۔ اس کے خیال میں بخشی کو بہترین سزا دی جا سکتی تھی، وہ ہمیشہ کے لئے اچانک بخشی کو اپنا غلام بنا کر اپنے سے قطع تعلق کر لینا۔ وہ اگر بے جا نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ

بادشاہ کا معتوب تھا اب اس کے سامنے ایک ہی ٹھکانا تھا، ایک ہی در تھا۔ اس نے ابراہیم لودھی کے حریف بابر کے لشکر میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک صبح وہ چپ چاپ حاجی پور سے نکل کر پانی پت کی طرف روانہ ہو گیا جہاں بابر پہلے ہی سے لشکر لئے پڑا تھا۔ یہاں اور بہت سے افغان امراء بھی موجود تھے اور یہ سبھی وہ لوگ تھے جن کے ساتھ بادشاہ نے ظلم و تشدد کا سلوک کیا تھا اور وہ انتقام لینے کی خاطر بابر کی فوج میں آ گئے تھے۔

سامنے ابراہیم لودھی بھی عظیم الشان لشکر لے کر آ گیا تھا۔ ایک لاکھ فوج کے ساتھ دو ہزار ہاتھی بھی کھڑے جھوم رہے تھے۔ ان کے مقابلے میں بابر کی فوج بالکل مختصر تھی، کل بارہ ہزار افراد پر مشتمل۔ محبت خان بابر کی طرف سے مایوس ہونے لگا۔ بابر اپنے ان نئے امراء کی بڑی عزت کرنے لگا تھا۔ محبت خان ابراہیم لودھی کے لشکر میں شادی خان کی جگہ دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر ایک دن اسے ایک مغل مخبر کی زبانی یہ معلوم ہو گیا کہ شادی خان اور اس کے پانچ ہزار سپاہی ابراہیم لودھی کے آس پاس اس کی حفاظت پر مامور تھے۔

ابراہیم لودھی کی فوج آگے بڑھی اور بابر کی فوج پر حملہ آور ہو گئی۔ اس نے بابر کے میسرہ پر بہت سخت حملہ کیا تھا۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا گویا ذرا دیر بعد مغلوں کے پاؤں اکھڑ جائیں گے لیکن بابر نے ہر جگہ پہنچ کر ان کی ہمت افزائی کی ابراہیم لودھی نے ہاتھی آگے بڑھاتے اور انہیں مغل فوج کو کچلنے کے لئے بابر کے لشکر کی طرف دھکیل دیا۔ ہاتھیوں نے انہیں روندنا شروع کر دیا۔ لیکن بابر کے حکم پر اس کی سپاہ نے ہاتھیوں پر آتشیں اسلحہ سے حملہ کر دیا۔ ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے اپنے ہی آدمیوں کو بے دردی سے کچلنے لگے۔ پانی پت کی زمین لرز رہی تھی اور گرد و غبار نے فضا میں ایک چادر سی تان دی تھی۔ محبت خان کو اپنے بھائیوں سے جنگ کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی لیکن ایک وہ حکومت جس نے اس کی املاک کو ضبط کر کے، ماں کو قید اور بہن کو کسی امیر کے حوالے کر دیا تھا اور جس نے افغان امراء کو ذلیل و خوار کیا تھا اس کا ختم ہو جانا ہی ضروری تھا۔

اس وقت آفتاب کوئی سوا نیزے کی بلندی پر پہنچا ہو گا کہ جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی۔ دونوں فوجیں آپس میں دست و گریبان ہو چکی تھیں اور تلواریں خون کی ندیاں بہا رہی تھیں۔ یہ کیفیت دوپہر تک قائم رہی، اس کے بعد ابراہیم

لودھی کی فوج پسپا ہونے لگی۔ بابر چیخ چیخ کر اپنے سرداروں کو حکم دے رہا تھا۔ "خبردار ابراہیم لودھی جانے نہ پائے، اس کا پیچھا کیا جائے کیونکہ جب تک یہ موجود رہے گا جنگ جاری رہے گی۔"

محبت خان ابراہیم لودھی کو تلاش کرتا ہوا شادی خان کے پانچ ہزاری لشکر میں پہنچ گیا۔ یہ ظہر کا وقت تھا۔ ابراہیم لودھی اپنے خزانے سمیت میدان جنگ میں آیا تھا کیونکہ اسے اپنے پیچھے کسی پر اعتبار نہیں تھا اور بصورت شکست اپنے خزانے سمیت کہیں فرار ہو جانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ مغل فوجوں نے اس کے گرد پھیلی ہوئی پانچ ہزاری فوج کے حصار کو توڑ دینا چاہا لیکن شادی خان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا کھڑا تھا۔ یہاں اتنا زبردست ہنگامہ کارزار گرم ہوا کہ پورے پانی پت میں وہ جنگ نہ ہوئی تھی۔ لیکن مغل فوجی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں ابراہیم لودھی بھی موجود ہے۔ شادی خان اور اس کے سپاہیوں نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ ایک ایک کر کے سارے ہی مارے گئے انہیں میں ابراہیم لودھی بھی کام آ گیا۔ محبت خان لاشوں کو ہٹاتا ہوا شادی خان کے پاس پہنچا۔ اس وقت شادی خان میں جان باقی تھی۔ محبت خان، شادی خان کے پاس بیٹھ گیا اور افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "شادی خان! تم کو اتنی جاں نثاری دکھانے کی کیا ضرورت تھی، بادشاہ کی امداد پہنچا کے حاجی پور واپس چلے جاتے۔"

شادی خان نے کراہتے ہوئے کہا۔ "محبت خان جو کچھ ہو چکا ہے اس پر تم مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں حاجی پور واپس نہیں جاؤں گا اور اس فیصلے کے بعد میری بہترین جگہ میدان جنگ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔" پھر بڑے زور سے کراہ کر بولا۔ "میں جس انجام کا خواہاں تھا، وہ حاصل کر چکا۔"

محبت خان کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے شادی خان کے سر پر ہاتھ پھیرا، بولا۔ "تمہیں ابھی اور زندہ رہنا چاہیئے تھا۔"

شادی خان ہنسا، بولا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ، تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟ کیا تم بھی حاجی پور سے چلے آئے ہو؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "شادی خان! وہ بڑے عجیب و غریب خیالات رکھتی ہے۔ تمہارے چلے آنے کے بعد وہ بہت اداس ہو گئی تھی، وہ شاید محبت

تمہی سے کرتی تھی، میں خود اُس کی محبت پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔"

شادی خان نے پیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پیروں کی جان نکل چکی ہے، تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلد از جلد کہہ ڈالو۔"

محبت خان نے کہا۔ "میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بخشی تمہارے چلے آنے کے بعد زار و قطار روتی رہی ہے، رہا اُس کے عجیب و غریب خیالات کا معاملہ تو اس وقت ان باتوں کا کرنا فضول سی بات ہے!"

شادی خان نے آنکھیں بند کر لیں، بولا۔ "اب میں بہ آسانی مر جاؤں گا، بخشی مجھ سے محبت کرتی ہے، اُس نے میرے لئے آنسو بہائے یہ میرے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

محبت خان کے جی میں آئی کہ وہ شادی خان کو یہ بھی بتا دے کہ بخشی مرد حکمرانوں کی طرح اپنے لئے مردوں کا حرم رکھنے کی خواہش مند ہے لیکن پھر یہ سوچ کر باز رہا کہ اس وقت وہ جن خوش کن خیالات میں موت کو لبیک کہہ رہا ہے وہ منتشر ہو جائیں گے۔

شادی خان کی حالت بگڑتی چلی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

مغل فوجی ابراہیم لودھی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ محبت خان، شادی خان کے پاس سے اٹھ کر آ رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ ابراہیم لودھی کی لاش پڑی دیکھی۔ اس نے مغل سپاہیوں کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ طاہر تبر بزی نامی ایک مغل امیر اس کے پاس پہنچا، محبت خان نے پوچھا۔ "تم کسے تلاش کر رہے ہو؟"

اُس نے جواب دیا۔ "ابراہیم لودھی کو۔"

"تم ابراہیم لودھی کو پہچانتے ہو؟"

"نہیں۔"

محبت خان نے کہا۔ "اگر نہیں پہچانتے تو ادھر آؤ۔" پھر ابراہیم لودھی کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ابراہیم لودھی کی لاش ہے۔"

طاہر تبر بزی کو یقین نہ آیا لیکن اس نے ابراہیم لودھی کا سر کاٹ لیا اور بابر کے پاس لے کر پہنچ گیا۔ دوسرے افغان امراء نے وہاں تصدیق کر دی

کہ یہ سر ابراہیم لودھی کا ہے۔

بابر کی فوجیں دہلی کے بعد آگرے میں داخل ہو گئیں۔ محبت خان اپنی ماں کو تلاش کرتا رہا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد پتہ چلا کہ فقیر خانے کی صعوبتیں برداشت نہ کر کے وہ انتقال کر چکی ہیں۔ افغان امیر اس کی بہن کو لے کر کہیں فرار ہو چکا تھا کیونکہ وہ آخر تک ابراہیم لودھی کا وفادار رہا تھا۔ محبت خان کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اب اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ بابر مفتوحہ علاقے اپنے آدمیوں کے انتظام میں دیے رہا تھا۔ محبت خان نے بخشی کی سفارش کی کہ اس کے علاقے کو اسی کے تصرف میں رہنے دیا جائے۔ بابر نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ وہ خود بخشی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ مدتوں آوارہ و سرگرداں ادھر ادھر کی سیاحت کرتا رہا اور بخشی کو اپنے دل سے نکال دینے کی کوشش کرتا رہا لیکن کئی سال کی سیاحت اور کوششوں کے بعد بھی وہ اس میں ناکام رہا۔ آخر تھک ہار کر اس نے دل سے یہ سمجھوتہ کر لیا کہ وہ حاجی پور پہنچ کے بخشی سے معافی مانگے کہ اس کے قدموں میں رہ جانے کی درخواست کرے گا۔ حاجی پور کی مانوس راہیں اس کے دل میں گدگدیاں کرنے لگیں پہاڑی چشمے اور سرسبز خطے اس کے دل و دماغ کو فرحت بخشنے لگے۔ جب حاجی پور کا قلعہ اسے نظر آیا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بخشی کے پرانے خدمت گاروں نے اس کا سرگرمی سے استقبال کیا اور اس کی آمد کی خبر اندر پہنچا دی گئی۔ بخشی کے حکم سے اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا مگر بخشی نے اسے طلب نہیں کیا۔ وہ تنگ آ کے واپس چلا جانا چاہتا تھا لیکن ایک دن بخشی نے اسے اچانک طلب کر لیا۔ دونوں سامنے کھڑے ہو کر کچھ دیر نظریں جلاتے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر بخشی نے اجنبیوں کی طرح پوچھا۔ "محبت خان! مجھ سے کوئی کام؟"

محبت خان کے دل کو چوٹ سی لگی، بولا۔ "میں کئی سال سے آوارہ گردی کرتا رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے دل سے آپ کی یاد نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن میں کھلے دل سے صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔"

بخشی نے انجانے انداز میں دریافت کیا۔ "اب کیا چاہتے ہو؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "کیا میں اب بھی یہاں رہ سکتا ہوں؟"

بخشی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور بے مروتی سے بولی۔ "نہیں ہرگز نہیں!

محبت خان کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ایک سخت گھونسا رسید کر دیا ہے اُ
کا دل ہل گیا اور آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ اُس کی کھلی ہوئی آنکھیں کچھ دیکھنے سے محروم
ہوتی جا رہی تھیں۔ اسی مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں محبت خان نے سنا۔۔
کہہ رہی تھی۔ "تم نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے بتلائے بغیر چوروں کی طرح فرار ہو گئے۔ میں
نے وہ دن کیسے کرب میں گزارے ہیں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن اب میں نے حالات سے
سمجھوتہ کر لیا ہے۔ میں نے ایک مغل امیر سے شادی کر لی ہے، اس مغل امیر کے بال، پیشانی
اور بازوؤں میں میرے مرحوم شوہر کی حیرت انگیز مشابہت موجود ہے۔"

محبت خان نے بے چارگی سے یخشی کی طرف دیکھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ آخر
شادی خان کی موجودگی میں اس نے محبت خان کو رکھ ہی لیا تھا لیکن کہہ نہیں سکا
چالاک یخشی نے معلوم نہیں کس طرح اُس کے خیالات کو پڑھ لیا، بولی "رہا یہ سوال
میں نے شادی خان کی موجودگی میں تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، تو وہ دوسرا زمانہ
تھا، یہ وقت اس سے مختلف ہے۔ حاجی پور کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ میں اپنے
شوہر مغل امیر کی وفادار رہوں اور میں نے یوں بھی اپنے شوہر سے قسم کھا کے یہ عہد
ہے کہ میں زندگی بھر اُس کی وفادار رہوں گی۔"

اب محبت خان کے لئے حاجی پور میں کچھ بھی نہ رہا تھا۔ وہ واپسی
لئے مڑا۔ یخشی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اُس افغان امیر کی ضرور
گزار ہوں جس نے مغل فرماں روا سے حاجی پور میں میری حکمرانی کو بحال رکھنے
کی سفارش کی تھی۔"

محبت خان نے چونک کر یخشی کی طرف دیکھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ یخشی
واقعی یہ نہیں معلوم کہ وہ افغان امیر محبت خان ہی ہے۔

یخشی کی آواز پھر سُنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں اپنے سابقہ تعلقات
کی قیمت اس طرح ادا کر سکتی ہوں کہ تمہیں حاجی پور میں کوئی اچھا
دے دوں!"

محبت خان نے کہا۔ "نہیں یخشی میں یہاں کسی منصب کے لئے نہیں
یخشی نے بے مروتی سے کہا۔ "تب پھر خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور جانے لگی، محبت خان کے جی میں آئی
یخشی کو یہ بتا دے کہ جس افغان امیر کی وہ شکر گزار ہے وہ خود محبت خان

لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ شاید اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا۔ اس نے جاتی ہوئی بیگمشی کے جواب میں آہستہ سے کہا۔ "خدا حافظ بیگمشی۔"

اس کے بعد وہ باہر نکل آیا اور حاجی پور کے قلعے پر الوداعی نظریں ڈالتا آگرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

★

وبالِ دوش

پربھاکر کے لئے یہ فخر کیا کم تھا کہ اس کا آسمانی نسل سے تعلق ہے۔ اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے اپنی آسمانی نسل کی ایک مرتبہ کہانی سنی تھی۔ وہ کہانی کچھ اس طرح تھی کہ ابتدائے آفرینش میں مہادیو نے شیر اور بیل کو پال رکھا تھا۔ یہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ کچھ عرصے بعد مہادیو کو یہ دیکھ کر پریشانی ہوئی کہ شیر بیل کو ہلاک کر دینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ مہادیو نے بیل کی حفاظت کے لیے بھاٹ کو پیدا کر دیا۔ کم ہمت بھاٹوں نے بڑی کوشش کی کہ شیر کو ظلم اور زیادتی سے باز رکھا جائے لیکن وہ ناکام رہے اور ایک دن شیر نے بیل کو ہلاک کر دیا۔ مہادیو بہت زیادہ پریشان ہو گئے اور بڑے غور و فکر کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب ایسے لوگوں کو پیدا کرنا چاہیئے جو بھاٹ کی طرح کمزور اور کم حوصلہ نہ ہوں۔ انہیں اطاعت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر اور بلند حوصلہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مہادیو نے چارنوں کو پیدا کیا اور ان کے سپرد بیل کی حفاظت کا فرض سونپ دیا گیا۔ مہادیو نے انہیں حکم دیا۔ "اے بہادر اور اطاعت گزار چارنو! خوب احتیاط، چوکسی اور بہادری سے بیل کی حفاظت کرو اور شیر کو ظلم اور زیادتی سے باز رکھو۔"

چارنوں نے مہادیو کے حکم کے آگے اپنے سر جھکا دیئے اور عرض کیا۔ "مہادیو جی! ہمیں جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اُسے پوری دیانتداری سے انجام دیں گے۔"

چارنوں نے جو کچھ کہا تھا اس پر ہمیشہ قائم رہے۔ انہوں نے شیر کو بزورِ قوت ظلم سے باز رکھا۔ عرصے بعد یہ چارن دو قبیلوں میں تقسیم ہو گئے ان کے ایک قبیلے نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور تاریخ میں کچیلی کہلاتے۔

دوسرے نے مذہبی رسوم کی ادائیگی، قبیلوں کے نسب ناموں اور ان کے سورماؤں کی داستانوں کو ازبر کر لیا۔ یہ لوگ مار دبھاٹ کہلاتے حالانکہ ابتدا میں یہ لوگ جھگجو ہوا کرتے تھے اور خود کو راجپوتوں ہی سے متعلق سمجھتے تھے لیکن جب یہ دو قبیلوں میں بٹ گئے تو دونوں کے دلوں میں اتنا فرق آ گیا کہ آپس میں شادی بیاہ ممنوع قرار پائے لیکن جہاں تک ان کے آسمانی نسل کے عقیدے کا تعلق تھا تو تجارت پیشہ بھیلی اور علم انساب کے حافظ اور قبائلی رجال کے داستان گو دونوں ہی خود کو آسمانی نسل سے سمجھتے تھے۔

پر بھاکر کا تعلق مار دبھاٹ قبیلے سے تھا۔ اس کو بھی نسب ناموں اور سورماؤں کی داستانوں کا وسیع علم حاصل تھا۔ مذہبی رسوم سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھا۔ خدا نے ذہانت اور فصاحت سے بھی خوب نوازا تھا۔ ناک نقشہ بھی ایسا کہ سانولی رنگت کا ایک تراشا ہوا مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ چلتا پھرتا، باتیں کرتا، ہنستا مسکراتا شاہکار متناسب اعضائے جسمانی پر ملاحت کا پچارا پھرا ہوا تھا۔ لڑکیوں اور عورتوں کا موضوع سخن، ان کے خیالوں کا محبوب، لیکن خود پر بھاکر کو اس بات کا بڑا احساس رہتا کہ اس کا جس آسمانی نسل سے تعلق ہے اس کو مہادیو نے شیر کے شر کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اب وہ جس دور میں رہ رہا تھا اس میں نہ تو مہادیو کا شیر ہی نظر آتا تھا اور نہ ہی ان کا بیل لیکن ان دونوں کی عدم موجودگی سے اس کی خدمت اور فرائض ختم نہیں ہو جاتے تھے۔ وہ اب بھی عائد تھے کیونکہ مار دبھاٹ کے بڑوں نے یہ بتایا تھا کہ شیر اور بیل مہادیو کی شر اور خیر کی اصطلاحیں تھیں اور جب تک دنیا موجود ہے شر اور خیر بھی موجود رہیں گے اور شر اور خیر کی موجودگی میں مہادیو کی مفوضہ خدمات اور فرائض بھی برقرار اور عائد رہیں گے۔

پر بھاکر کے ماں باپ اور بھائی بہن اس کی اس خصوصیت اور عادت سے خوفزدہ رہتے تھے کہ وہ کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت میں بے سوچے سمجھے سینہ سپر ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ یہ نہیں سوچتا تھا کہ اس کا مقابلہ کس سے ہے اور اس کا حریف دنیاوی جاہ اور مرتبے میں کتنا فائق اور برتر ہے لیکن پر بھاکر کو اس کا نسلی افتخار ہمیشہ ہی فائدے پہنچاتا رہا۔ اگر یہ نسلی برتری اس کی پشت پناہی نہ کرتی تو شاید اس کا کبھی کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

دریائے نربدا کے جس کنارے مہیسر آباد تھا وہاں سے اندور زیادہ دور

ہیں تھا، شمال میں شرقاً غرباً بندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ پھیلا ہوا تھا جہاں ہندوستان کے قدیم باشندے بھیل آباد تھے۔ جنوب میں ست پڑے کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ ان دنوں کی ریاستان ہے جب مالوے پر ہولکر خاندان کی حکمرانی تھی۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا ملہار راؤ ۷۶ سال کی عمر میں رخصت ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا کنڈی راؤ پانی پت کے تیسرے معرکے ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ اب اندور میں کنڈی راؤ کی بیوہ اہلیا بائی اور اس کا بیٹا مالی راؤ دونوں ہولکر حکومت کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھے۔ اہلیا بائی کی کوشش تھی کہ کہیں اس کے حاسد اور مخالف اس کی راہ میں کانٹے نہ بچھا دیں۔ وہ پیشوائے پونا کے ہاتھ میں تھی اور اسی کی توثیق اور تنسیخ سے حکومتیں قائم اور ختم ہو رہی تھیں۔ اہلیا بائی اندور کے بجائے مہیسر میں مقیم تھی اور یہیں سے حکومت کر رہی تھی۔

مہیسر کے مشرق میں آبادی کے آخری سرے پر چارنوں کا مارو بھاٹ قبیلہ آباد تھا اور پربھاکر کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ یہاں ان کا ایک شاندار مندر بھی تھا جس میں مہادیو کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ مارو بھاٹ خاندان کی عورتیں اور مرد صبح و شام مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتے اور اپنی اطاعت گزاری کا مہادیو کو عملاً یقین دلا کر قلبی طمانیت حاصل کرتے۔

پربھاکر بھی مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کے قدموں میں ادب سے جھک کر دعا مانگتا کہ "اے مہادیو! میں پربھاکر تیرا ادنیٰ چاکر ہوں۔ ہماری پیدائش جس مقصد کے لئے ہوئی تھی تو اس کو میرے ذہن اور حافظے میں ہمیشہ محفوظ اور تازہ رکھ۔ مجھ کو میری نسلی خصوصیات اور اوصاف سے معروف اور مشہور کر!"

اس کی یہ دعا ہر ایک کے علم میں آ چکی تھی۔ اس کے والدین اور بھائی بہن کی اس دعا کے خلاف تھے۔ باپ کہا کرتا۔ "پربھاکر! میں کچھ عرصے سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تو خاندانی روایات کا حامل نہیں رہا۔ اگر میرا یہ شبہ درست ہے تو ہم سب کے لئے بڑے فکر کی بات ہے، اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے تو میں باپ ہونے کے باوجود تجھ سے معافی مانگ لوں گا۔"

پربھاکر نے اپنے باپ کو گھورا اور کسی اجنبی کی طرح سوال کیا۔ "پتا جی! میں آپ نہیں سمجھا، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

باپ نے جواب دیا۔ "بیٹے پربھاکر! میں چاہتا یہ ہوں کہ تو بسے لئے ہوئے

حالات سے کچھ فائدہ اٹھالے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں اپنے حق میں، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ان بدلتے ہوئے حالات سے میں ناجائز فائدہ اٹھالوں۔"

ان دونوں کے پیچھے ماں اور بہن بھائی بھی موجود تھے۔ ماں ذرا آگے بڑھی اور پربھاکر کو مخاطب کیا۔"بیٹے! تو اپنے باپ کی باتوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر، ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ پریشان اور مندرے ماحول سے نکل کر کسی طرح متموّل لوگوں میں پہنچ جائیں لیکن شاید ہم یہ نہیں جانتے کہ قدرت کا عمل اور شرط کیا ہے کسی معاملے میں اور ہمیں آسودہ حال بننے کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا؟"

پربھاکر ناک بھوں چڑھا کر بولا۔"ماں جی! ہم آسمانی نسل کے لوگ مہادیو کے بیل کو شہر سے محفوظ رکھنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ چنانچہ اگر ہم بھی مایا لوبھ کا شکار ہو گئے تو مہادیو کے بیل کی حفاظت کون کرے گا؟"

ماں منہ بنا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب بہن آگے بڑھی، اس نے کہا۔"بھائی! تمہیں مہادیو نے جو ودیا بتی اور ودوان بنایا ہے اس سے تم ہم سب کی کایا پلٹ کر سکتے ہو یہ بہترین وقت ہے جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ ملہار راؤ کی موت نے مالوے کے راج سنگھاسن کو خالی کر دیا ہے، سورگباشی راؤ کی بہو اپنے بیٹے کو راجا بنانا چاہتی ہے تم امیدوار راجا کی بیوہ ماں اہلیا بائی سے ملو اور اس کی دل جوئی اور ہمت افزائی کر کے نذرانہ حاصل کر دو۔"

پربھاکر بہت پریشان تھا کہ وہ کس کس کو راضی کر کے چپ کرے، جان چھڑانے کے لئے جواب دیا۔"اگر تم سب کی یہی خواہش ہے کہ میں آسودگی کی خاطر بھکشو بن جاؤں تو میں یہ بھی کر دوں گا۔"

ماں باپ اور بھائی بہن پربھاکر کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور وہ عالم بیداری ہی میں آسودگی اور طمانیتِ قلبی کے خواب دیکھنے لگے۔ وہ اپنے خون داروں کے پاس سے اٹھا اور مندر کی طرف چل دیا۔ یہ قدیم مندر معلوم نہیں کھڑا اپنے پجاریوں اور عقیدت مندوں کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھا۔ یہاں شیو اور پاربتی کی پوجا ہوتی تھی۔ وہ شیو جو موت اور زندگی کا دیوتا ہے، وہ جو تغیرات کا خدا ہے اور پاربتی شیو جی کی استری تھی۔ پربھاکر دودھ دار درختوں کی خاردار جھاڑی سے گزر کر مندر کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ پجاریوں اور مندر کے پروہت نے پربھاکر

خاص توجہ نہیں دی۔ وہ لوگ کسی اور ہی خیال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پروہت نے اپنے ایک چیلے کے کان میں کہا۔ "راما نند! پربھاکر بھاٹ بڑے بُرے سمے آیا ہے' اس کو یہاں سے کسی طرح چلتا کر دے کیونکہ اگر یہ یہاں موجود رہا تو وقت اور موقع کا زیادہ فائدہ اس کے حصے میں چلا جائے گا۔"

پربھاکر نے پروہت کی سرگوشی کو محسوس کر لیا' پوچھا۔ "پروہت جی! آپ پریشان کیوں ہیں؟ میں شیو جی کے چرنوں میں سیس نوا کر چلا جاؤں گا۔"

پروہت کھسیا کر کہنے لگا۔ "پربھاکر جی! میں اپنے چیلے سے تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پربھاکر جی آئے ہیں کچھ جل پان کا بندوبست ہو جائے تو خوب ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پروہت جی! جل پان کی کوئی ضرورت نہیں' مہربانی۔"

پروہت جی اپنی جگہ سے اٹھ کر پربھاکر کے پاس پہنچ گئے اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا' کہا۔ "پربھاکر جی! میں تم سے یہ کہوں گا کہ اس سمے تم اپنے گھر یا کہیں اور چلے جاؤ' کیونکہ میں نے تمہاری بابت ایک خوفناک سپنا دیکھا ہے' اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ تم یہاں کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں شیو جی کے درشن کر کے چلا جاؤں گا۔ آپ میری وجہ سے بالکل پریشان نہ ہوں پروہت جی!"

پروہت کی پریشانی اپنی جگہ تھی' اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ پربھاکر' شیو کی شبیہہ سنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دل ہی دل میں جذباتی کیفیت سے دعا مانگنے لگا۔ وہ شیو جی سے اپنے حالات میں خوشگوار تبدیلی کی آرزو کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس پروہت اور اس کے چیلے جمع ہو گئے۔ یہاں دیو داسیاں بھی تھیں جو سجی سنوری شیو جی کی بارگاہ میں حاضر رہتی تھیں۔ پربھاکر دیو داسیوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وہ اس ملیح اور صبیح نوجوان کو للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پربھاکر نے بھی انہیں پُرشوق نظروں سے دیکھا اور ایسی ہیجانی کیفیت کا شکار ہو گیا کہ شیو جی سے پرارتھنا کرنا بھول گیا۔

پروہت کو دیو داسیوں کا اجتماع گراں گزر رہا تھا۔ اس نے اشارے سے دیو داسیوں کو ہٹانا چاہا۔ ان میں کی چند جو بزدل تھیں چلی گئیں' بقیہ وہیں کھڑی رہیں۔ پروہت ان کو دونوں ہاتھوں سے آس پاس ہٹاتا شیو جی کے سامنے پربھاکر

کے رد بر دجا کھڑا ہوا ! بولا "پربھاکر! میرا خیال ہے اگر تو بھی دعا مہادیو جی سے مانگے تو فوراً پوری ہو جائے گی، کیونکہ چارنوں کی پیدائش مہادیو جی کی رہین منت ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پروہت جی! آپ میری فکر نہ کریں، میں مہادیوی کے پاس بھی جاؤں گا لیکن اس سنسار میں تبدیلی کا کام شیو جی ہی انجام دیتے ہیں۔ زندگی موت اور موت سے زندگی شیو جی کی مرضی اور اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مہادیو بھی شیو جی کے حکم کے خلاف نہیں جا سکتے، اس لئے میں شیو جی کو کس طرح نظر انداز کر دوں؟"

اتنے میں ایک دیو داسی نے پروہت جی سے پوچھا۔ "پروہت جی! کیا مارو کھاٹ برادری کے پربھاکر یہی صاحب ہیں؟"

پربھاکر نے اس حسین اور نوجوان دیو داسی کو سرسری نظر سے دیکھا تو لڑکھڑا گیا۔ گویا دو مخمور آنکھیں اس کے وجود میں شراب داخل کئے دے رہی تھیں۔ پروہت نے ابھی کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ پربھاکر بول اٹھا۔ "اے پوتر داسی! تو نے صحیح سمجھا۔ میں ہی مارو کھاٹ برادری کا پربھاکر ہوں لیکن کیا میں تجھ سے پوچھ سکتا ہوں کہ تو مجھ کو کس طرح جانتی ہے؟"

اب پروہت کے لئے پربھاکر کا وجود ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے دیو داسی کو ڈانٹا۔ "رجنی کانت! تو بہت زیادہ باتیں کرنے لگی ہے۔ بس اب چلی جا یہاں سے۔ ہونے والے راجا کی ماں اہلیا بائی مندر میں آنے ہی والی ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ مندر کی بدنظمی کی شکایت کرے۔" پھر پربھاکر سے کہا۔ "اور پربھاکر جی! تم بھی کچھ خیال کرو۔ تمہاری عزت اور مرتبہ اپنی جگہ لیکن اس مندر کے پروہت کی حیثیت سے مجھ پر جو نتے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کا تو مجھے خیال کرنا ہی پڑے گا۔"

لیکن پروہت کی باتوں کا نہ تو رجنی کانت پر ہی کوئی اثر ہوا اور نہ ہی پربھاکر ٹس سے مس ہوا۔ رجنی کانت نے پربھاکر کو مخاطب کیا بولی۔ "پربھاکر جی! سنتی ہوں بھگوان نے تمہیں جتنی عقل دی ہے اس سے زیادہ علم بخشا ہے اور ان دونوں سے زیادہ زبان کی طاقت دے دی ہے۔ کیا تم کو ان چند دیو داسیوں کی کتھائیں یاد ہیں جنہوں نے اپنے جیون کی اس آگ کو بالکل بجھا ڈالا تھا

جس سے جیو میں سرکشی اور گمراہی آتی ہے اور ان دیوداسیوں کے وہ کون سے حربے اور طریقے تھے جن کی مدد سے انہوں نے اپنی نفس کی اگنی پر قابو پالیا تھا؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔"رجنی کانت جی! میں تمہیں کئی ایسی کتھائیں سناؤں گا جن سے پوترتا اور معصومیت کا بھید تم پر کھل جائے گا۔"

اسی وقت مندر کے باہر سے لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک چیلا بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور پروہت کو مطلع کیا۔"پروہت جی! اہلیا بائی جی آگئی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا اور مالوے کا ہونے والا راجا مالی راؤ بھی ہے۔ آپ فوراً باہر تشریف لے چلئے۔"

پروہت بوکھلا گیا لیکن اس بوکھلاہٹ میں بھی وہ رجنی کانت اور پربھاکر کو نہیں بھولا۔ اس نے رجنی کانت کو حکم دیا۔"رجنی کانت! میں، شیوجی کا پروہت تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو میرے سامنے ہی یہاں سے چلی جا۔ کیونکہ میں اس خطرے کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ یہ پربھاکر تیرے جیسی جذباتی اور ناتجربے کار، الھڑ کنیا کے حق میں اگنی کا لپکتا ہوا شعلہ ہے جو تیرے حزم و احتیاط، رکھ رکھاؤ، پاکی اور نیکی کو دم بھر میں جلا کر راکھ کر دے گا۔ میں یہاں سے اس وقت رانی اہلیا بائی کے پاس جاؤں گا جب تو اپنی ساتھی دیوداسیوں کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی، ورنہ میں یہیں کھڑا تم سب کی نگرانی کرتا رہوں گا۔"

اب باہر کا شور بالکل قریب آچکا تھا۔ پروہت کو اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔ اس نے رجنی کانت اور پربھاکر کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکلنا چاہا۔ لیکن وہ ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اہلیا بائی اپنے بیٹے مالی راؤ کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی۔ پروہت نے مالی راؤ اور اہلیا بائی کا مسکراہٹوں سے خیر مقدم کیا اور اہلیا بائی نے بھی مندر کے مقدس لوگوں کا خوش دلی اور مسکراہٹوں ہی سے جواب دیا دیوداسیوں نے اہلیا بائی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اہلیا بائی کا ولی عہد بیٹا مالی راؤ حسین اور مدھ بھری دیوداسیوں کو حریصانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ پربھاکر کو ہر شخص نے نظر انداز کر دیا تھا۔ رجنی کانت مالی راؤ کی حریصانہ نظروں کو بُری طرح محسوس کر رہی تھی۔

پروہت نے اہلیا بائی سے کہا۔"بائی جی! ہم سب بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے تھے اور اس وقت آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر ہم سب بے انتہا خوش ہیں۔"

اہلیا بائی کی پیشانی پر فکر اور تشویش کی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ بولی ـــ "پر دہنت جی! میں مالی راؤ کے حق میں آپ کی دعاؤں کی طلبگار ہوں۔ پونا کے پیشوا نے ابھی تک مالی راؤ کے لئے خلعت نہیں بھیجی اور جب تک ہمیں یہ خلعت نہیں مل جاتی میرا من پریشانی میں گھرا رہے گا۔ میں آشا اور نراشا کے دوراہے پر کھڑی ناقابل بیان دکھ جھیل رہی ہوں۔"

پربھاکر اپنے نظر انداز کیئے جانے کو برداشت نہیں کر سکا۔ وہ مالی راؤ کی ہوس اور طمع کی نظریں بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پردہنت اور اس کے چیلوں کو دونوں ہاتھوں سے ہٹا کر اہلیا بائی کے پاس جا کر عرض کیا۔ "بائی جی! میں مارد بھاٹ ذات کا پربھاکر ہوں اور آپ کو دیکھنے اور ملنے کی بڑی تمنا رکھتا تھا۔ میں نے اپنے تصور میں آپ کی جو شبیہیں بنائی تھیں آپ کی صورت شکل اس سے بہت زیادہ مختلف ہے اور یہ کہ ـ ـ ـ ـ ـ"

اہلیا بائی نے اس عجیب و غریب سانولے سلونے نوجوان کو دیکھا۔ پربھاکر کی آنکھوں کی چمک نے اہلیا بائی کو اس کی غیر معمولی ذہانت کا یقین دلادیا۔ اس نے پربھاکر سے تو کچھ نہیں کہا۔ مگر پردہنت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا گویا پوچھ رہی ہو۔ پردہنت جی! یہ کون شخص ہے؟

پردہنت کے چہرے سے اضطراب اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ منہ بنا کر جواب دیا۔ "بائی جی! کچھ لوگ دوسروں کے لئے بلائے بے درماں ثابت ہوتے ہیں، یہ پربھاکر بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میں اس کی بے عزتی تو نہیں کر سکتا لیکن یہ میں برملا اور علی الاعلان کہوں گا کہ پربھاکر سخت گستاخ اور بے ادب نوجوان ہے اور یہ شخص اپنی آسمانی نسل کے اعزاز کی سپر کے سہارے جو چاہتا ہے کہہ یا کر گزرتا ہے۔"

مالی راؤ ان باتوں میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ رجنی کانت نے اس کو چھیڑ دیا۔ بولی۔ "مہاراج! آپ شیو جی کی داسیوں کو جن نظروں سے دیکھ رہے ہیں کیا یہ مناسب ہے؟"

مالی راؤ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پوچھا۔ "لڑکی! تیرا نام؟"

اس نے جواب دیا۔ "رجنی کانت۔"

مالی راؤ نے ہنستے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ بولا۔ "تیرا نام تو بہت اچھا ہے۔ تیری ہی طرح دلکش اور حسین۔"

رجنی کانت شرما گئی، بولی۔ "شکریہ مالی راؤ جی! لیکن میں شیو جی کی داسی ہوں، یہ بات ذہن نشین رہے۔"

پروہت خوش تھا کہ مالی راؤ رجنی کانت کے ہاتھوں مسخر ہو چکا تھا۔ اس طرح وہ مالوے کے ہونے والے راجا کو اپنے قابو میں کر کے زیادہ سے زیادہ رعائتیں اور فائدے اٹھا سکتا تھا۔

اہلیا بائی نے گھوم کر اپنے بیٹے مالی راؤ اور اس کے بعد رجنی کانت کی طرف دیکھا۔ پربھاکر نے کسی کی پرواہ کئے بغیر اہلیا بائی سے بطورِ خاص کہا۔ "بائی جی! افسوس کہ آپ خود بھی عورت ہیں اور میں جب آپ کے بیٹے مالی راؤ کو عورتوں اور لڑکیوں کی طرف حرص کی نظروں سے گھورتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اپنی اور مالوے کی قسمت پر ماتم کرنے لگتا ہوں کہ ملہار راؤ کے بعد اس کو کیسا نالائق حکمراں مِل رہا ہے۔"

پربھاکر کے شوخی آمیز اور بے باک طرزِ تخاطب نے مندر میں موجود ہر شخص کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ مالی راؤ ایک دم مشتعل ہو گیا، وہ تیزی سے پربھاکر کی طرف بڑھا اور ڈانٹ کر پوچھا۔ "تُو کون ہے اور یہاں کیوں کھڑا ہے؟"

پربھاکر نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "راؤ جی! میں اپنا تعارف پہلے ہی کرا چکا ہوں۔ میرا نام پربھاکر ہے اور میں مارد بھاٹ ذات سے تعلق رکھتا ہوں۔"

پروہت نے پربھاکر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، بولا۔ "پربھاکر جی! اب تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں یہاں سے زبردستی نکلوا دوں۔"

پربھاکر نے اکڑ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اپنی مرضی سے تو باہر نہیں جاؤں گا۔ ہاں اگر تم مجھ کو دھکے دے کر نکلوا سکتے ہو تو نکلوا دو لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ بات رکھنا کہ میرے معاملے میں تمہاری زبردستی اور زیادتی نقصان دہ رہے گی۔ میں آسمانی نسل کا معزز فرزند ہوں مجھے بے عزت اور ذلیل کرنے والا خود بھی بے عزت اور ذلیل ہو جائے گا۔ وہ خود بھی خوار ہو کر رہے گا۔"

اب رجنی کانت بھی بول اُٹھی۔ "پربھاکر جی بات سچی کرتے ہیں۔ میں تائید کرتی ہوں۔"

پروہت نے ڈانٹا۔ "تُو چپ رہ رجنی! پربھاکر کو ایسی باتیں نہیں کرنا چاہیئے تھیں۔"

اہلیا بائی، پربھاکر سے خاصی متاثر ہو چکی تھیں، پروہت سے کہا۔ "پروہت جی! آپ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جائیں۔ یہ مارد بھاٹ ذات کا نوجوان خاصا دلچسپ، جزی اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے چند باتیں ضرور کروں گی۔"

پروہت نے مایوسی اور بے دلی سے کہا۔ "بائی جی! آپ کی مرضی ورنہ میں یہی کہوں گا کہ آپ اس سے باتیں کر کے خوش نہیں ہوں گی۔ یہ نوجوان ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ اور گستاخ ہے۔"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "مجھ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو سیدھی سچی بات کرتے ہیں۔" پھر پربھاکر سے کہا۔ "مارد بھاٹ کے نوجوان میرا خیال ہے تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی، شاید تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے؟"

مالی راؤ مچل گیا۔ "ماتا جی! اگر آپ نے اس سنڑی اور گستاخ شخص سے باتیں کیں تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

لیکن اہلیا بائی نے بیٹے کی بات پر کوئی توجہ ہی نہیں دی، پربھاکر سے کہا۔ "ہاں پربھاکر جی! تم اور کیا کہنا چاہتے تھے؟ کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "بائی جی! جو شخص عورتوں کا رسیا ہو، وہ حکومت نہیں کر سکتا۔ مالی راؤ جی جب سے یہاں آئے ہیں عورتوں اور لڑکیوں ہی سے آنکھیں سینک رہے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ عورت کسے کہتے ہیں؟ عورت کیا ہے؟"

مالی راؤ نے پربھاکر کا مذاق اڑایا۔ "عورت کیا ہے؟ یہ کیا بے ہودہ سوال ہے؟ عورت عورت ہے۔ اس کے علاوہ عورت کیا ہے؟ میں نہیں جانتا اگر پربھاکر کو اس کے علاوہ کچھ معلوم ہو تو بتا دے۔"

پربھاکر نے کہا۔ "عورت دُبدھوں کا بگولا، شرارت کا مسکن، گناہوں کا مخزن، مکاریوں کا محل، بدگمانیوں کا ڈیرا، خرابیوں کا پٹارا، بے حیائی کی نگری۔ یہ شے جو عورت کہلاتی ہے، امرت ملے زہر کا دوسرا نام ہے۔ اس کو دنیا میں جس نے بھی پیدا کیا، محض اس لیے کہ پارسائی کو میٹ دے۔"

پروہت نے پربھاکر کو دھکے دے کر مندر سے نکالنے کی کوشش کی۔ "پربھاکر! اب تو تو یہاں لمحہ بھر بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی وقت چلا جا یہاں سے۔ تو نے عورتوں کی مذمت بائی جی کے سامنے کی، ان بائی جی کے سامنے جن کی نیکی اور شرافت کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔"

رجنی کانت نے بھی پربھاکر سے ناراض ہوکر اپنا منہ پھیر لیا۔ مالی راؤ نے اپنی ماں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی، بولا "ماں جی! آپ نے اس بدزبان کی باتیں سنیں؛ آپ برداشت کریں تو کریں لیکن میں آپ کا اپمان برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ اس کو مندر سے نکلوادیں۔ ورنہ یہ قدم مجھ کو اٹھانا پڑے گا۔"

اہلیا بائی نے تحمل سے جواب دیا۔ "بیٹے! یہ گیانی نوجوان وہی کچھ کہہ رہا ہے جو ہزاروں سال پہلے منو نے کہا تھا اور پنچ تنتر میں موجود ہے۔ عورت کے بارے میں یہ اس کی اپنی رائے نہیں ہے۔ منو کی رائے ہے۔" اس کے بعد اس نے پربھاکر سے درخواست کی "اے گیانی ودھوان! نوجوان! تو یہیں میرے آس پاس موجود رہ، میں تجھ سے بہت ساری باتیں کروں گی اور تیری عقل اور علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گی۔"

پروہت، مالی راؤ اور دوسرے موجود لوگوں کو اہلیا بائی کی یہ مہربانی اور شفقت آمیزی ناگوار گزری لیکن وہ اس کے خلاف دم نہ مار سکے۔ حاضرین میں صرف رجنی کانت ایسی تھی جو پربھاکر کی تلخ اور اہانت آمیز باتوں کو پسند نہ کرنے کے باوجود اہلیا بائی کی باتوں سے خوش اور مطمئن ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ایک بار پھر پربھاکر کو دیکھا اور مسکرا کر گردن جھکالی۔

اہلیا بائی پروہت اور اس کے چیلوں کے ساتھ شیوجی کے چرنوں میں مودب ہوکر بیٹھ گئی اور رقت زدہ آواز میں اپنے مشکل معاملات میں شیوجی سے سہائتا چاہی۔ مندر کی فضا لوبان کے دھوئیں سے کہر آلود اور معطر ہو رہی تھی۔ مالی راؤ اس وقت بھی حسین دیوداسیوں کے حسن میں کھویا ہوا تھا۔ پربھاکر مالی راؤ کو بہ جبر برداشت کر رہا تھا۔

پرارتھنا سے فارغ ہونے کے بعد اہلیا بائی نے پربھاکر سے کہا۔ "اے عاقل اور عالم نوجوان! تو ہمارے ساتھ چلے گا، ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تیری رہنمائی، عاقلانہ باتوں اور نصیحتوں کی ضرورت ہے۔"

پروہت کو حیرت کے ساتھ رشک بھی ہوا کہ جس شخص نے اہلیا بائی کے سامنے عورت ذات کی مذمت کی تھی۔ اہلیا بائی اس سے کس عزت اور احترام کے ساتھ پیش آرہی تھی۔ یہاں پر اس کو قسمت کا قائل ہوجانا پڑا۔

اہلیا بائی نے پروہت اور اس کے چیلوں کو داد و دہش سے خوش کردیا۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو اہلیا بائی سے چند قدم پیچھے پربھاکر بھی چل رہا تھا۔ رجنی کانت پربھاکر سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ جب یہ لوگ مندر سے نکلنے لگے تو رجنی کانت بھاگ کر پربھاکر کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی مٹھی میں چاندی کا ایک چھلا تھا۔ اس نے مٹھی پربھاکر کے سامنے کھول دی اور کہا۔ "مارد بھاٹ کے گیانی نوجوان! غالباً یہ چھلا آپ ہی کا ہے جو پرارتھنا کے دوران شیو جی کے چرنوں میں گر گیا تھا۔"

پربھاکر نے ایک نظر ڈالتے ہی انکار کر دیا، بولا۔ "نہیں یہ میرا نہیں ہے کسی اور کا ہوگا۔ میرے بارے میں تجھ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھ کو چھلے کا شوق ہی نہیں ہے۔"

اہلیا بائی اور مالی راؤ بھی رجنی کانت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ رجنی کانت نے کنکھیوں سے ان دونوں کی توجہ کو محسوس کر لیا اور پربھاکر سے اصرار کیا۔ "لیکن میرا خیال ہے یہ چھلا آپ ہی کا ہے کیونکہ اگر یہ بائی جی اور راؤ کا ہوتا تو یہ چاندی کے بجائے سونے کا ہوتا، حافظے پر زور دے کر چھلے کو دیکھئے شاید پہچان میں آجائے۔"

اہلیا بائی نے کہا۔ "پربھاکر! ہوسکتا ہے یہ تیرا ہی ہو اور تو بھول رہا ہو کیونکہ شیو جی کے چرنوں میں یا تو تو تھا یا میں کچھ دیر رہی ہوں۔ میرے پاس چاندی کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں، اس لئے یہ تیرا ہی ہوگا۔"

اہلیا بائی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مالی راؤ ماں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ نوکر چاکر ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کا پربھاکر سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے وہ بھی پربھاکر کو رجنی کانت کے پاس چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اب پربھاکر اور رجنی کانت تنہا رہ گئے تھے۔ پروہت، اس کے چیلے اور چند دیوداسیاں بیس پچیس قدم دور کھڑے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! شاید تیرا یہی نام ہے۔ میں ایک بار پھر انکار کرتا ہوں کہ یہ چھلا میرا نہیں ہے۔"

رجنی کانت نے آہستہ سے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ یہ چھلا آپ کا نہیں ہے، میرا ہے لیکن اس وقت تو آپ اسے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ چھلے کے سہارے میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ نے آج عورت کی جو اہانت کی ہے مجھ کو اس سے

سخت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ یہاں ایک بار پھر آئیں گے تاکہ میں اس موضوع پر آپ سے باتیں کرسکوں۔"

پربھاکر رجنی کانت کی چالاکی پر حیران رہ گیا۔ سرد مہری سے چھلا لے لیا اور آہستہ سے کہا۔ "جب تو اس ماحول میں اتنی ڈری سہمی رہتی ہے تو پھر مجھ سے باتیں کس طرح کرے گی؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "آپ آیئے گا تو سہی، باتوں کا کبھی موقع نکال لیا جاتے گا کسی نہ کسی طرح۔"

ان دونوں کو اتنے انہماک سے مصروفِ گفتگو دیکھ کر پردھت تیز تیز قدموں سے چل کر ان کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا۔ "تم دونوں میں یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟"

رجنی کانت پربھاکر کے پاس سے ہٹتی ہوئی بولی۔ "پردھت جی! یہ گیانی دھیان اپنا چھلا شیو جی کے چرنوں میں گرا آیا تھا۔ میں اس چھلے کو واپس کرنے آئی تھی۔"

پردھت نے کہا۔ "شاید، ممکن ہے لیکن اب تو اس چھلے کو تو واپس کر چکی ہے۔ اس میں اتنا وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟"

رجنی کانت نے جانتے جانتے سرگوشی میں کہا۔ "آیئے گا ضرور انتظار کروں گی۔"

پربھاکر نے چھلے کو حفاظت سے رکھ لیا اور رجنی کانت اور پردھت کو چھوڑ کر اہلیا بائی کے پاس چلا گیا۔

★ ★ ★

مہیسر کی شاندار عمارت میں اہلیا بائی اور اس کا کنبہ والیانِ ریاست کی شان سے رہ رہا تھا۔ اہلیا بائی نے پربھاکر کو جو حصہ رہنے کے لئے دیا تھا۔ اس کا اہلیا بائی کے کمرے سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ مالی راؤ کی خواب گاہ ذرا دور تھی پربھاکر نے کئی بار گھر جانے کا ارادہ کیا لیکن نہیں جا سکا۔ وہ پریشان تھا کہ اس کے ماں باپ اور بھائی بہن اس کی گمشدگی سے کس قدر پریشان ہوں گے اور یہاں تو اس کو اب یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ غالباً اہلیا بائی نے اس کو بھلا دیا تھا ورنہ وہ اس کو

ایک آدھ بار یاد ضرور کرتی۔ دوسری طرف اس کو رجنی کانت کا بھی خیال آرہا تھا پربھاکر رجنی کانت کی ذہنی اذیت کا بھی احساس کر رہا تھا۔

وہ صبح سے سہ پہر تک اہلیا بائی کی آمد کی خبر سن کر اس کا انتظار کرتا رہا لیکن جب وہ نہیں آئی تو اس نے اپنے کمرے کے سنتری سے کہا۔ "سنتری جی! میں بائی جی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

سنتری نے جواب دیا۔ "بائی جی سے ملنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے، آجکل وہ اپنے بیٹے کو راجا بنانے کے چکر میں کھوئی کھوئی پریشان پریشان رہتی ہیں بہرحال میں انہیں مطلع کر دوں گا۔"

کافی دیر بعد سنتری نے اس کو اطلاع دی کہ اہلیا بائی اس سے فوراً ملنا چاہتی ہے اور پربھاکر کو اسی وقت یاد کیا ہے۔

پربھاکر اہلیا بائی کے ایک آدمی کے ساتھ اس کے سادہ سے دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چکر دار دالانوں سے گزرتا ہوا اہلیا بائی کے دربار میں پہنچ گیا یہاں اہلیا بائی کے پاس کولھے سے کولھا ملائے مالی راؤ بھی بیٹھا تھا۔ اہلیا بائی کے سامنے ایک تہہ کی ہوئی چادر پر پیشوائے پونا کی خلعت رکھی ہوئی تھی اور اہلیا بائی کے سامنے پیشوائے پونا کے ہرکارے کھڑے ہوئے تھے۔ خلعت کے پاس ہی تلوار رکھی تھی۔ پربھاکر نے اہلیا بائی کو بے حد خوش و خرم دیکھ کر اور خلعت اور تلوار کی موجودگی میں یہ اندازہ لگایا کہ مالی راؤ کو پیشوائے پونا کی طرف سے پروانۂ حکومت موصول ہو چکا ہے۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "بائی جی! آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "ہاں، میں نے تجھ کو یاد کیا تھا اور اس لئے کہ تو نے مجھ کو یاد کیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اہلیا بائی معصومیت سے مسکرا دی۔ پربھاکر اہلیا بائی کے تفصیلی جواب کا منتظر رہا لیکن وہ مختصر سی بات کر کے گویا پربھاکر کو بھول گئی اور پیشوائے پونا کے وفد سے مخاطب ہو گئی، بولی۔ "میں پیشوائے پونا کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے بیٹے مالی راؤ کا حق حکمرانی تسلیم کر لیا میری طرف سے پیشوائے پونا کے چچا رگھو با دادا کا شکریہ ادا کر دینا کیونکہ وسط ہند کی مرہٹہ فوج کا وہی سپہ سالار ہے اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر میرا بیٹا مالی راؤ مالوے کا حکمران نہیں بن سکتا تھا۔"

اہلیا بائی کے اشارے پر مالی راؤ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پیشولے نے پونا کی خلعت کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ وفد کا سردار مالی راؤ کے قریب گیا اور تلوار اس کی کمر سے لگا دی۔ اہلیا بائی نے فخر اور خوشی کے جذبات سے یہ کارروائی دیکھی اور وفد کو انعام و اکرام سے نواز دیا۔

کچھ دیر بعد دربار برخاست ہو گیا اور وہاں سے اہلیا بائی، مالی راؤ، پربھاکر اور چند خدمت گاروں کے سوا ہر کوئی چلا گیا۔ پربھاکر کا خیال تھا کہ آج اہلیا بائی شاید ہی اس سے کوئی بات کرے لیکن اسی دوران اہلیا بائی کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنے بیٹے مالی راؤ سے کہہ رہی تھی "مالی راؤ! تجھ پر بہت بڑی ذمے داری آپڑی ہے تیری مدد کے لئے میں موجود ہوں لیکن میں ہمیشہ تیرے پاس نہیں رہوں گی۔ میں تجھ سے زیادہ جی چکی ہوں اور تجھ سے پہلے مر جاؤں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں، تجھے امورِ حکومت سے باخبر کر دوں اور اس میں تو اتنا پکا ہو جائے کہ تجھ کو میرے بعد میری ضرورت ہی نہ محسوس ہو۔"

پھر وہ پربھاکر کی طرف مڑی، بولی "ہاں، یہ گیانی دودھوان جو نکہ ابھی نوجوان ہے اس لئے یہ زندگی بھر تیری رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس کی باتوں میں سچائی کی تلخی ہوتی ہے لیکن مالی راؤ اگر تو سچائی کی کڑواہٹ کو حلق سے اتار لے گیا تو میں تجھ کو اسی وقت یہ خوش خبری سنا سکتی ہوں کہ یہ کڑواہٹ تجھ کو ہمیشہ گمراہی اور بے راہ روی سے بچائے رکھے گی۔"

مالی راؤ اور پربھاکر نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پربھاکر کے بھرے ہوئے چہرے پر علم اور تدبر کا سکون تھا، طمانیت تھی اور خود اعتمادی تھی مگر مالی راؤ کا چہرہ جذباتی اور شاکی تھا۔ اس کو پربھاکر کی باتیں ذرا بھی اچھی نہیں لگتی تھیں اور وہ اپنے معاملات میں پربھاکر کی مداخلت کو ذرا بھی پسند نہ کرتا تھا مگر قابلِ احترام اور عقلمند ماں کے آگے بے بس اور مجبور تھا۔ مالی راؤ نے صاف صاف پربھاکر کی مخالفت نہیں کی مگر اشاروں کنایوں میں اپنے دل کی بات کہہ دی۔ بولا "ماں جی! بھگوان نے مجھ کو بھی عقل دی ہے، میں بالغ بھی ہوں اس لئے ہر اس شخص کو جسے اپنے گیانی اور ودھوان ہونے پر مان اور گمان ہو مجھ سے جا اور بے جا الجھنے کی کوشش نہ کرے۔ میں کسی حد تک تو مداخلتیں اور مزاحمتیں برداشت کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملے میں

برداشت کرنے کو قطعاً تیار نہیں۔"
اہلیا بائی نے پربھاکر سے کہا۔" اب میں تو خاموش ہو جاتی ہوں تیری باتوں کا جواب یہ عاقل اور عالم نوجوان ہی اچھی طرح دے سکتا ہے۔" پھر پربھاکر سے کہا۔" تجھ کو میری طرف سے اجازت ہے۔ مالی راؤ کو اس کے عذر اور اعتراض کا معقول جواب دے دے۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔" قابل احترام خاتون! میں خود بھی کسی حد تک نو مالوے کے نئے اور نوجوان حکمراں کی رہنمائی کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملے میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ نوجوان راجا کو بہت جلد اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس کا شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت اسی وقت تک اس کا ساتھ دیں گے جب تک یہ خاموش رہے گا لیکن جب یہ عقلمندوں کے سامنے اپنی زبان کھولے گا تو اس کی کم علمی اور ناتجربے کاری اس کے شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت کے رعب اور دبدبے کو ختم کر دے گی۔"
اہلیا بائی پربھاکر کی شاندار باتوں سے اتنی متاثر ہوئی کہ مالی راؤ کو حکم دیا کہ "جب تک تو زندہ ہے اور حکومت کر رہا ہے اس دُرِّ نایاب اور گوہرِ لاجواب کی قدر اور سرپرستی سے غافل نہ رہ۔ کیونکہ کسی راجا اور حکمراں کے ہاتھ، پاؤں اور دماغ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔" مالی راؤ کے پاس اس کے رد اور اعتراض کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ اہلیا بائی نے مذبذب اور متفکر مالی راؤ کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ پربھاکر اب بھی اس کے پاس ہی موجود رہا۔
اہلیا بائی نے کہا۔" نوجوان گیانی! مالی راؤ جذباتی، نادان اور ناتجربے کار نوجوان ہے۔ اس لئے اگر وہ تیری باتوں پر کان نہ دھرے اور سنی ان سنی کر دے تو تو اس سے مایوس اور دل برداشتہ مت ہو جانا۔ بھگوان نے چاہا تو یہ آہستہ آہستہ راہ راست پر ضرور آ جائے گا۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔" بائی جی! بھگوان کو اگر میں مشورہ دے سکتا اور مجھ کو یہ یقین بھی ہوتا کہ وہ میرا مشورہ قبول کر کے اس پر عمل درآمد شروع کر دے گا تو میں اس کو مشورہ دیتا کہ وہ انسانوں کو بہت زیادہ جاہل بیٹوں کے بجائے بس ایک لائق، عقلمند اور گیانی بیٹا دے دیا کرے کیونکہ مقدس اور محترم بائی جی! ایک لائق اور گیانی بیٹا سینکڑوں جاہل اور اگیانی بیٹوں سے بہتر ہوتا ہے، چاند اکیلا ہی اندھیرا دور کر

تا ہے جبکہ لاتعداد ستاروں کی جمعیت یہ کام نہیں کر سکتی۔"
اہلیا بائی اس عجیب و غریب نوجوان سے مرعوب ہوتی جارہی تھی۔ پربھاکر ایک ایک بات آبِ زر سے لکھی جانے کی مستحق تھی، بولی۔ "مارو بھاٹ برادری لائق ترین نوجوان! اگر تو نے اپنا یہ علم اور عقل کسی طرح مالی راؤ میں منتقل کر دے یں زندگی بھر تیری احسان مند رہوں گی اور اس پر ناز کرتی رہوں گی کہ میں نے ایک ب ترین انسان کا انتخاب کیا تھا۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں کوشش سے باز نہیں آؤں گا مگر فی الحال تو میں اپنے ریں اور بھائی بہن کے پاس جانا چاہتا ہوں، جب سے میں یہاں آیا ہوں ایک بار گھر نہیں جا سکا۔ میرے ماں، باپ اور بھائی بہن میری بابت معلوم نہیں کیا سوچ ہے ہوں گے۔"
اہلیا بائی نے کہا۔ "تو آج ہی گھر چلا جا اور مجھ سے اپنے ماں باپ اور بھائی ن کے لئے تحفے لیتا جا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتا جا کہ تو واپس بھی آجائے یرے پاس۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "آپ کی ہمدردی اور محبت کا بہت بہت شکریہ۔"
پھر اس نے اپنے کمرے میں جا کر گھر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کچھ بعد اہلیا بائی کی طرف سے سونے چاندی کا ایک تھال، چند مالائیں، ایک خلعت خشک میووں کا ایک ٹوکرا پربھاکر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ اہلیا بائی کا پورا محل بھاکر کی غیر معمولی عزت کرنے لگا تھا جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا نوکر خدمت دل نے اس کا سامان سنبھالا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مالی راؤ جھروکے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ پربھاکر سے خوش نہیں تھا وہ اس کو اپنے حق میں ایک سمجھتا تھا۔ اس نے ایک آدمی پربھاکر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ محل کے باہر رتھ گاڑی پربھاکر کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جب مالی راؤ کا یہ زبانی فرمان پربھاکر ملا کہ وہ اپنے آقا کی اجازت اور زیارت کے بغیر کہیں بھی نہیں جائے گا تو یہ بات بھاکر کو گراں گزری۔ اس نے کہا۔ "ابھی تک تو میں رانی اہلیا بائی کو مالوے کی سب بڑی شخصیت اور اپنی آقا سمجھتا تھا لیکن مالی راؤ کے اس سندیسے سے یہ پتہ کہ اس محل میں ایک چھوٹا آقا بھی موجود ہے۔ اور یہ چھوٹا آقا اپنے حکم کو بڑا مقدم سمجھتا ہے۔"

سندیسہ لانے والا مالی راؤ کا خاص خوشامدی خدمت گار دوارکا تھا۔ پربھاکر کی بات اس کو گراں گزری، بولا۔"شریمان جی! یہ آپ کی بُدھی کا قصور ہے جو اب بھی مالی راؤ کو چھوٹا آقا سمجھ رہی ہے۔ ملہار راؤ کے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے کے بعد مالی راؤ مالوے کا سب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

پربھاکر نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ وہ سامان کو گھوڑا گاڑی میں رکھیں، وہ تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہے۔ خدمت گار سامان لے کر محل کے باہر چلے گئے اور پربھاکر دوارکا کے ساتھ مالی راؤ کے پاس پہنچ گیا۔ مالی راؤ نے تیوریاں چڑھا رکھی تھیں منہ بنا کر پوچھا۔"یہ تو کہاں جا رہا ہے؟"

پربھاکر کو مالی راؤ کا یہ سوال گراں گزرا کیونکہ جب رانی اہلیا بائی نے اس کو گھر جانے کی اجازت عطا کی تھی تو وہیں سامنے مالی راؤ بھی موجود تھا۔ پربھاکر نے بھی تمکنت سے جواب دیا۔"میں کہاں جا رہا ہوں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں؟"

دوارکا نے شکایتہً کہا۔"مالک! یہ گرو جی ابھی کہہ رہے تھے کہ میں رانی جی کو مالوے کی سب سے بڑی شخصیت اور اپنی آقا سمجھ رہا تھا لیکن اب مالک کے بلاوے سے پتہ چلا کہ اس محل اور اس دیش میں ایک چھوٹا مالک بھی موجود ہے۔ یعنی آپ یہاں کے چھوٹے مالک ہیں۔"

مالی راؤ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ دوارکا سے پوچھا۔"پھر تُو نے کیا کہا؟"

دوارکا نے جواب دیا۔"میں نے جواب دیا کہ شریمان جی یہ آپ کی بدھی کا قصور ہے جو اب بھی بڑا آقا آپ کو چھوٹا نظر آ رہا ہے کیونکہ ملہار راؤ سورگباشی کے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے والا مالوے کا سب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

مالی راؤ کے چہرے پر تازگی اور شگفتگی آ گئی۔ شادماں کیفیت سے دوارکا کو دیکھ کر پربھاکر سے کہا۔"تُو بڑا گیانی اور ودھوانی بنتا ہے، حالانکہ تجھ سے زیادہ علم اور عقل تو اس دوارکا میں ہے تُو کچھ دن کے لئے دوارکا کا چیلا بن جاتا کہ دربار سرکار کے آداب سیکھ جائے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔"آپ کی نظر میں گیانی اور ودھوان درباداری اور خوشامد کو کہتے ہوں گے لیکن ایک عالم اور عقل مند کے نزدیک درباداری اور خوشامد بھک منگوں کا پیشہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ وقت کسی دقیق مطلب بحث کا نہیں ہے

اس لئے مجھ کو ضروری سوال جواب کے بعد اگر رخصت کر دیا جائے تو آپ کا کرم ہو گا۔"
مالی راؤ کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ یہ عجیب بے حس نوجوان ہے جس پر اس کی حکومت اور دبدبے کا کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بچوں جیسی ضد پر اتر آیا۔ بولا "پربھاکر جی! معلوم نہیں تو کس ہوا میں ہے۔ اس محل اور اس راج میں میری طرف سے چھڑنے والی ہر بحث اہم بحث ہے اور میری معمولی سی بات بھی ایک بحث ہے۔ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ عقلمندی اور بادشاہی میں بڑائی کس کو حاصل ہے؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "قابلِ احترام رانی کے نادان بیٹے! میرے پاس آپ کے اس سوال کا بہترین جواب موجود ہے لیکن اگر جواب پر مجھ کو آپ مجبور نہ کریں تو بہتر ہے۔"
مالی راؤ نے سختی سے کہا۔ "نادان انسان! میں اپنے سوال کا جواب لے کر رہوں گا۔ اسی وقت، ابھی، اسی لمحے۔"
پربھاکر نے نظریں ملائے بغیر جواب دیا۔ "اگر آپ بالک ہٹ ہی پر اتر آئے ہیں تو جواب حاضر ہے۔ آپ دانائی اور بادشاہی کے مابین بہتری اور کمتری کا سوال ہی غلط کر رہے ہیں۔ آپ بڑائی معلوم نہیں کس شے کو کہتے ہیں۔ میں تو دانائی اور بادشاہی کو برابری کا درجہ بھی دینے کو تیار نہیں کیونکہ دانائی بادشاہی سے بڑی اور برتر ہوتی ہے اور بادشاہی اس سے کمتر ہوتی ہے۔"
دربار کا پر سناٹا طاری ہو گیا اور مالی راؤ مشتعل ہو گیا چیخ کر کہا۔ "او بھاٹ کے بچے! تجھے اپنے جواب کی سچائی کسی بڑی دلیل سے ثابت کرنا ہو گی ورنہ میں تیرا حلیہ بگاڑ دوں گا۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "مالی راؤ جی! مجھ کو اپنے جواب کی سچائی ثابت کرنے کسی بڑی دلیل کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ آپ بات اور اپنے جواب کی سچائی میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بادشاہ کی ت اور حرمت اس کے اپنے ہی ملک تک محدود ہوتی ہے جبکہ دانا کی عزت اور مت ہر جگہ ہوتی ہے۔"
مالی راؤ لاجواب ہو کر پانی کے پھین کی طرح بیٹھ گیا۔ جھنجلا کر پوچھا۔ "اور یہ انائی ہوتی کیا چیز ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا "مہاراج : مختلف لوگوں میں دانائی کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے نزدیک دانائی لفظوں میں ہوتی ہے۔ جیسے طوطے کی عقلمندی بعضوں کا خیال ہے، دانائی دل میں ہوتی ہے جیسے گونگے کی لیکن میں کہتا ہوں کہ دانائی دلوں میں اور لفظوں میں برابر برابر ہوا کرتی ہے۔"

مالی راؤ کی سمجھ میں یہ جواب اچھی طرح نہیں آیا لیکن اس نے اپنے دل میں پربھاکر کی دانائی اور بڑائی کا اعتراف ضرور کر لیا۔ نرمی سے بولا "اے بانوتی بھاٹ! میں نے تجھ کو اس لئے بلایا تھا کہ اب جبکہ تُو اپنے گھر جا رہا ہے تو وہاں جی بھر کے رہ لینا، واپس آنے میں جلدی نہ کرنا کیونکہ مجھ کو تیری اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی تیرے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو ہو سکتی ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا "مہاراج! سمندر کی تہہ میں پڑی ہوئی سیپ میں چھپا ہوا موتی اس وقت تک گمنام، بے قیمت اور بے وقعت رہتا ہے جب تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ میری وقعت اور قیمت گھر میں نہیں گھر سے باہر ہوتی ہے اس لئے میں گھر سے جلدی ہی آنے کی کوشش کروں گا۔"

مالی راؤ نے کہا "اچھا، جب تیرے جی میں آئے چلے آنا لیکن آ چکنے کے بعد بھگوان کے لئے میرے ذاتی معاملوں میں دخل نہ دینا کیونکہ اگر تُو نے ایسا کیا تو تُو میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائے گا اور میرے لئے ناقابلِ برداشت کوئی بھی چیز میرے پاس نہیں رہ سکتی۔"

پربھاکر نے آہستہ سے کہا "مہاراج! میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی اس وقت ہوں، ویسا ہی ہمیشہ رہوں گا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں خود کو قابلِ برداشت بنا سکوں گا یا نہیں۔ اگر میں نے آپ کو قابلِ برداشت بنا لیا تو میں ناقابلِ برداشت نہیں رہوں گا۔"

مالی راؤ نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا "اچھا اب تُو زیادہ دماغ نہ کھا اور یہاں سے فرار ہو جا۔ میں حالات کے ساتھ خود کو بدلنے کی کوشش کروں گا۔ پر پتہ نہیں کہ اس میں کامیاب بھی ہوں گا یا نہیں۔"

پربھاکر محل سے باہر نکلا تو سامان سے لدی پھندی گاڑی تیار ملی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

* * *

ماں باپ اور بھائی بہن پربھاکر سے مل کر بہت خوش ہوئے لیکن جب انہیں پربھاکر اور مالی راؤ کی کشمکش کا حال معلوم ہوا تو ہر کوئی اس پر ناراض ہوا۔ باپ نے اس کو سمجھایا۔ "بیٹے پربھاکر! راجا کو ناراض رکھ کر خود کیونکر راضی خوش رہو گے؟ میں تجھ سے زیادہ تجربے کار ہوں، میری نصیحتیں دھوتی کے پلّو میں باندھ لے۔ راجا کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا اگر راجا کے ایما پر دن کو رات اور رات کو دن کہہ سکتا ہے تو راج دربار میں وہی شخص جلد یا بدیر سب سے بڑا کہلائے گا لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ایک نہ ایک دن ایسا کرنے والا کوئی نہ دوسرا شخص اس کی جگہ لے کر اس کو رخصت کر دے گا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پتا جی! میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ آپ کی سوجھ بوجھ اور عقلمندی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا، اس لئے آپ مجھ کو جس بات کا حکم دیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گا لیکن اس نادان لڑکے سے میں کس طرح نمٹوں گا جس کا نام مالی راؤ ہے؟"

باپ نے کہا۔ "اگر تُو ماضی میں جھانک کر دیکھ سکے تو دیکھ لے، وہاں کتنے ہی پربھاکر اور مالی راؤ دکھائی دے جائیں گے۔ یہ تیرے ظرف اور ہمت کی بات ہوگی اگر تُو مالی راؤ کو برداشت کرے گا تو دنیا کا ہر کام کر سکے گا۔"

اب ماں آگے بڑھی اور پھر پھر کر ایک ہی نصیحت کرتی رہی کہ "جس بات سے جان کا خطرہ ہو اس کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دینا۔ اگر میری اس نصیحت کے خلاف کچھ ہو جائے تو اس سے دل چھوٹا نہ کرنا اور ہمت اور حوصلے سے اپنی کوشش جاری رکھنا۔"

بہن نے کہا۔ "بھائی! تم اتنا زیادہ کما کر لاؤ کہ ہمارے دلدر دُور ہو جائیں۔"

بھائی نے کہا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہلدی پھٹکری لگے بغیر رنگ چوکھا ہی آئے۔"

گھر کے ہر شخص سے مل چکنے کے بعد جب اس نے یہ سوچا کہ اب وہ کون ہے جس سے ملنا باقی رہ گیا ہے تو سب سے پہلا نام رجنی کانت کا تھا جو ذہن میں ابھرا چونکہ عورت کے بارے میں اس کے خیالات اچھے نہیں تھے اس لئے رجنی کانت کو اپنے ملاقاتیوں کی فہرست سے نکال دینا چاہا لیکن اس کوشش میں بڑی جلدی اس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ رجنی کانت کے معاملے میں دل اور دماغ متحد اور متفق

نہیں ہیں۔ وہ دودِلا ہو رہا تھا۔ ایک ہی دل کبھی ملنے کا مشورہ دے دیتا اور کبھی اس سے دُور دُور رہنے کی رائے دیتا۔ وہ بڑی دیر تک اسی ہاں اور نہیں کے شش و پنج میں مبتلا رہا آخر نہیں کی جیت ہوئی اور اس نے رجنی کانت کے نام کو اپنے جاننے والوں کی فہرست سے نکال باہر کیا۔ اس وقت اس کو چاندی کا وہ چھلاّ یاد آ گیا جو رجنی کانت نے اس سے چند باتوں کا موقع نکالنے کے لئے بہانے میں دے دیا تھا۔ اسی دل نے جس نے رجنی کانت سے ملنے سے منع کر دیا تھا، پربھاکر کو اجازت دے دی کہ چھلّے کی واپسی کی خاطر ذرا دیر کی ملاقات میں کوئی ہرج نہیں چنانچہ اجازت پاتے ہی وہ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ معلوم نہیں کیوں رجنی کانت کی ان متوقع باتوں سے پریشان ہو رہا تھا جو بالآخر ایک ایسے موضوع میں منتقل ہو جاتیں جس کا تعلق جنس سے تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم مندر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس پوست کی تیار فصل کھڑی تھی۔ پوست کے ایک ایک گز ہی پودے لہرا رہے تھے۔ ان میں سرخ و سفید پھول کھِلے ہوتے تھے اور ڈوڈوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ انہی ڈوڈوں کو تراش کر افیون تیار کی جاتی تھی۔

مندر میں وہ جیسے ہی داخل ہوا، ایک ہنگامہ سا اٹھ کھڑا ہوا۔ پروہت اپنے چیلوں کے ساتھ اپنی کٹیا سے نکلا اور پربھاکر کے روبرو جا کھڑا ہوا، پوچھا: "کہو جی! آج کئی دن بعد نظر آتے ہو؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پروہت جی! اس دن جلدی میں میں مالوے کی مقدس خاتون اہلیا بائی کی خواہش پر ان کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس نیک دل خاتون نے میری اتنی شاندار پذیرائی کی کہ میں اپنی مرضی کے خلاف محل کے اس حصے میں رہ رہا ہوں جہاں لالی کا اپنا خاندان رہتا ہے۔"

پروہت نے رشک سے کہا۔ "پربھاکر جی! مبارک ہو، تم ایک خوش قسمت انسان ہو۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس کے آس پاس دیو داسیاں بھی جمع ہو گئیں۔ ان میں رجنی کانت بھی تھی۔ وہ آئی اور پربھاکر کو ایک نظر دیکھا اور واپس چلی گئی۔ پربھاکر نے رجنی کانت کی نظروں میں ایک کرب، شکایت اور افسوس کی ملی جلی کیفیت محسوس کی۔ پروہت نے خلافِ معمول، جاتی ہوئی رجنی کانت کو آواز دی: "ارے، یہ رجنی کو کیا ہو گیا؟ یہ کہاں چل دی؟ اری او رجنی! رک تو سہی، یہ کہاں جا رہی ہے تو؟"

لیکن رجنی کانت نہیں رکی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
پروہت نے کھسیانے پن سے پربھاکر کو دیکھا اور ہنستے ہوئے کہا۔"اس چھوکری کو پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ کیا تم سے کوئی بات ہو چکی ہے کہیں تم دونوں میں کسی بات پر جھگڑا تو نہیں ہوا؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔"مجھ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں وہ کیوں چلی گئی۔"
پروہت نے کہا۔"تم نے اپنی پہلی ملاقات میں عورت کی بے عزتی جو کی تھی۔ شاید وہی بات رجنی کانت کو بری لگ گئی۔"
پربھاکر سب کو چھوڑ چھاڑ کر رجنی کانت کی تلاش میں چلا گیا۔ بڑے مندر سے ملحق ایک مندر اور تھا۔ یہ اس سے چھوٹا تھا اور اس کے سامنے اور دائیں بائیں دو دو حجرے بنے ہوتے تھے جن میں پروہت کے چیلے اور دیوداسیاں رہتی تھیں۔ ان میں پروہت کا حجرہ بڑے مندر سے متصل اور خاصا کشادہ تھا۔ بڑے مندر کے دروازے پر برگد کا درخت اپنے عظیم چھتر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا سایا اتنا وسیع و عریض تھا کہ کئی سو آدمی اس کے نیچے رہ سکتے تھے۔ برگد کی جٹائیں زمین میں پیوست ہو کر جھالروں کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔ چھوٹے مندر کے سامنے اور پشت پر دو پیپل کے درخت کھڑے تھے۔ اونچے اونچے ہرے ہرے پتوں والے۔ یہیں ایک پکریا بھی تھی۔ پیپل کے درختوں سے نیچی، پستہ قامت لیکن اپنے پھیلاؤ اور گھنیرے پن میں دونوں پیپلوں سے کہیں زیادہ۔ اس کی گدتیاں اس کے نیچے بستر کی طرح بچھی ہوئی تھیں۔ اس کے گھنیرے پتوں میں کوؤں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا اور ان کی کائیں کائیں سے مندر کی فضا گونج رہی تھی۔ رجنی کانت اسی پکریا کی جڑ میں سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔
پربھاکر مندر سے نکل کر برگد کے نیچے رجنی کانت کو تلاش کرتا رہا، وہ گول، موٹے چوڑے تنے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اور جٹاؤں کے آس پاس تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ چھوٹے مندر میں گھس گیا، یہاں بھی شیو جی کی ایک شاندار مورتی رکھی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے شیو جی کی مورتی کے سامنے کھڑا رہ گیا۔ یہ شیو جی کے تانڈو رقص کی مورتی تھی۔ شیو جی غیظ و غضب کے عالم میں جنونی رقص کر رہے تھے۔ ان کے چار ہاتھ تھے، ایک پاؤں رقص کی وجہ سے اٹھا ہوا تھا اور دوسرا کسی انسان کی لاش پر ٹکا ہوا تھا۔ پربھاکر نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کی۔"شیو جی! آپ

تخلیق اور فنا کے دیوتا ہیں، میرے گیان میں اضافہ اور اگیان میں کمی آپ ہی کر سکتے ہیں آپ جانتے ہیں کہ میں مالوے کی لائق احترام رانی اہلیا بائی کے دربار تک پہنچ چکا ہوں، وہاں میرے گیان اور بدھی ہر وقت خطرے میں رہیں گے کیونکہ مجھ کو جس شخص کی ہم نشینی ملی ہے وہ بہت بڑا جاہل اور نادان ہے۔"

اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، پلٹ کر دیکھا تو پروہت اور اس کے چند چیلوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پروہت نے پوچھا۔"پربھاکر جی! کیا رجنی کانت سے ملاقات ہو گئی؟"

پربھاکر نے کہا۔"نہیں، ابھی نہیں ہوئی۔"

پروہت نے کہا۔"اگر تم اس سے ملنا چاہو تو بکریا تلے پہنچ جاؤ وہ اس کی جڑ میں منہ سجائے بیٹھی ہے۔"

پربھاکر حیران تھا کہ پروہت جی اس پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ شیو جی کے سامنے سے ہٹ کر مندر کے دروازے میں پروہت کے پاس جا کھڑا ہوا، بولا۔"پروہت جی! میں اس سے تھوڑی دیر کے لئے ملنا تو چاہتا تھا لیکن اگر وہ خود ملاقات سے گریز کر رہی ہے تو میں زبردستی اور اصرار کیوں کروں؟ وہ نہیں چاہتی تو میں کیوں ملوں؟"

پروہت زور زور سے ہنسنے لگا۔"بھائی! جو جی میں آئے کرو، میں تو چلا لیکن جانے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لینا۔"

پروہت چلا گیا۔ پربھاکر شیو جی کو پرنام کرنے چلا گیا۔ پرنام کر کے وہ مندر کے باہر آ گیا اور آہستہ آہستہ بکریا کی طرف بڑھا۔ رجنی کانت کا منہ مندر کی طرف تھا، اس نے پربھاکر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو منہ پھیر لیا اور رنجیدہ و افسردہ منہ بسور کر بیٹھی رہی۔ پربھاکر اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ رجنی کانت اسے دیکھے تو وہ کوئی بات کرے لیکن رجنی کانت نے سر ہی نہیں اٹھایا۔ گردن جھکائے لاعلم بنی بیٹھی رہی۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پربھاکر نے کہا۔" میں تمہارا چھلا واپس کرنے آ گیا تھا رجنی کانت! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مجھ سے اس حد تک بیزار ہو تو میں یہاں نہ آتا۔"

اس کے بعد پربھاکر نے چھلا رجنی کانت کے قدموں میں گرا دیا۔ جو

سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے ناخن سے ٹکرا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ رجنی کانت نے شوخی سے سر اٹھایا اور زبردستی مسکرا کر پوچھا۔ "کسی کی امانت۔ یوں واپس کی جاتی ہے؟"
پربھاکر نے کہا۔ "تم بولیں تو سہی ورنہ میں تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ تم نے شاید اپنی زبان شیو جی کے چرنوں میں چڑھا دی۔"
رجنی کانت نے جواب دیا۔ "تم جو چاہو سوچ لو کیونکہ تم کسی بھی معاملے اور مسئلے میں اپنے آپ ہی فیصلہ کر لیا کرتے ہو۔ تم نے عورتوں کی بابت جو اپنا فیصلہ سنایا تھا وہ بھی تمہارے مزاج اور عادت کے مطابق تھا۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں نے عورت کے بارے میں جو رائے دی تھی اس سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں تھی اور اگر سچائی سے کسی کو تکلیف پہنچ بھی جاتی تو اس پر ندامت یا افسوس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے رجنی کانت میں اپنی رائے کی سچائی پر اب بھی خوش اور مطمئن ہوں اور تیری آزردگی یا ملال مجھ کو نادم یا متاسف نہیں کر سکتے۔"
رجنی کانت نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم بے رحم اور ظالم انسان ہو اور تمہارے سینے میں دل کے بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہے۔"
پربھاکر ہنس دیا۔ "تو تم بہت غصے میں ہو۔ میرے سینے میں بھی گوشت ہی کا دل ہے، یہ گداز بھی ہے، دوسروں کے دکھ پر پسیجتا بھی ہے لیکن یہ سچائی اور دانائی کا بے دام کا غلام ہے، یہ منافقت اور جھوٹ کو قابل رحم نہیں سمجھتا۔"
رجنی کانت نے ادھر ادھر دیکھ کر پربھاکر کے پاؤں پکڑ لئے بولی۔ "یہ کھڑے کھڑے کب تک باتیں بناتے رہو گے۔ کچھ دیر کے لئے بیٹھ تو جاؤ۔"
حسین عورت کے ہاتھ کے لمس نے پربھاکر میں ہیجان پیدا کر دیا۔ وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔
رجنی کانت نے کہا۔ "یہ بات ہوئی۔"
پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! میں نے عورت کی بابت جو کچھ کہا تھا، وہ میرا اپنا نہیں تھا۔ منو کی رائے تھی۔ ماضی کے بڑوں کی رائے تھی اور منو کی رائے اور بڑوں کے اقوال کو جھٹلانا ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں ان اقوال کی سچائی پر اتنا ہی یقین رکھتا ہوں جتنا اپنے تجربے اور مشاہدے کی سچائی پر رکھ سکتا ہوں۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔" پربھاکر جی! میں کوئی عقلمند عورت نہیں ہوں لیکن چند سچائیوں کا مجھے بھی گیان حاصل ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں کبھی معلوم ہوا پر میں اس کو بیان کئے بغیر نہیں رہوں گی۔"

پربھاکر نے خوش ہو کر کہا۔" رجنی کانت! دانائی اور سچائی کا تو میں عاشق ہوں، یہ جس سے اور جہاں سے ملے میں قیمتاً حاصل کرنے کو تیار ہوں۔ ایک ایسی قیمت پر جو میں ادا کر سکوں۔"

رجنی کانت کی آنکھوں میں چمک آگئی، پوچھا۔" قیمتاً؟ یعنی تم سچائی اور دانائی کو اپنی مقرر کردہ قیمتوں پر خریدنے کو تیار ہو؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" بالکل بالکل لیکن اس شرط پر کہ وہ سچائی اور دانائی سچائی اور دانائی ثابت بھی ہو جاتے۔"

رجنی کانت نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اس کے جذبات کا تموّج ہوا کے تیز جھونکے کی طرح دل میں ہلچل مچا گیا۔ جو کچھ نظر آ رہا تھا، پربھاکر کو پریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔

رجنی کانت نے کہا۔" پربھاکر جی! بہت ساری سچائی اور دانائی انسان کے حق میں مصیبت بن جاتی ہے۔ اگر خوشگوار زندگی گزارنا ہے تو واجبی سی سچائی اور دانائی پر قناعت کر لو۔ بہت زیادہ سچائی اور دانائی انسان کے لئے اس آب دانے کی طرح ہوتی ہے جس کا اعتدال زندگی کے لئے ضروری اور جس کی افراط پیغامِ موت بن جاتی ہے۔ دانائی اور سچائی کو اگر کسی انسان میں یکجا کر دیا جاتے گا تو وہ انسان اکیلا رہ جاتے گا اور انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ تم کیا، کوئی انسان بھی تنہا نہیں رہ سکتا۔"

پربھاکر پر اچانک جس رجنی کانت کا انکشاف ہوا تھا، اس نے حیران اور ششدر کر کے رکھ دیا۔ فرطِ حیرت سے پوچھا۔" رجنی کانت! یہ تم بول رہی ہو؟ میں تو تمہیں سنگ ریزہ سمجھا تھا لیکن تم قیمتی پتھر نکلیں۔"

رجنی کانت نے پربھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہتھیلی پر نظریں جما دیں، بولی۔" پربھاکر جی! تم بھی تنہا نہیں رہ سکتے۔ تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے تمہیں ایک ساتھی تلاش کر لینا چاہیئے۔"

پربھاکر نے اس کے ہاتھ کو دبا دینا چاہا لیکن ہمت نہ کر سکا، بولا۔" رجنی

کانت! میں تنہا رہ سکتا ہوں۔ اکیلا زندگی گزار سکتا ہوں، اگر ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب رہے اور ملتے بھی رہے تو تم اپنی آنکھوں سے میرے اس دعوے کی سچائی کا مشاہدہ بھی کر لو گی۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "پربھاکر جی! میں تمہاری طرح بہت زیادہ عقلمند ہونے کی دعوے دار نہیں ہوں لیکن اس ذرا سی سچائی کا علم میں بھی رکھتی ہوں کہ ساتھی کے بنا تو شیطان بھی نہیں رہ سکتا، اس کو بھی ساتھی درکار ہوتا ہے۔"

پربھاکر اچھل پڑا، بولا۔ "تب پھر میں بھی کسی کو اپنا ساتھی بنا لوں گا۔ اگر تم شیو جی کی داسی نہ ہوتیں تو تمہی کو اپنا ساتھی بنا لیتا لیکن اب کسی اور کو بنانا پڑے گا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "کیوں، مجھے کیوں نہیں؟ میں شیو جی کی داسی ہونے کے کارن تمہاری جیون ساتھی تو نہیں بن سکتی پر ساتھی تو بن ہی سکتی ہوں، اس میں کیا دشواری حائل ہے؟"

پربھاکر نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اپنا ساتھی بنا لوں گا۔"

رجنی کانت بولی۔ "لیکن میں اپنی ٹوٹی لنگڑی، سڑی گلی دانائی اور سچائی کی قیمت ضرور لوں گی۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں قیمت بھی دوں گا، اس میں فکر کس بات کی ہے؟"

رجنی کانت نے پربھاکر کا ہاتھ دبایا۔ "اور وہ قیمت یہ ہو گی کہ تم مجھے ہمیشہ اپنا ساتھی بناتے رکھو اور آئندہ میری ذات کو اپنی تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔"

پربھاکر سوچ میں پڑ گیا، بولا۔ "یہ بہت مشکل ہے، جب میں بولوں گا تو سچ ہی بولوں گا اور اس سچ میں اگر تمہاری ذات سے متعلق جھوٹ بھی ہو گا تو میری تلخ نوائی سے محفوظ نہیں رہے گا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "لیکن تم احتیاط تو کر سکتے ہو۔"

پربھاکر نے کہا۔ "ہاں ایسا کر سکتا ہوں، ایسا بالکل کر سکتا ہوں۔"

رجنی کانت نے بڑی گرم جوشی سے پربھاکر کا ہاتھ دبایا۔ "تب پھر وعدہ رہا؟"

پربھاکر نے بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ دبایا۔ "میں وعدہ کر رہا ہوں۔"

اب رجنی کانت نے پہلو بدل کر پربھاکر سے سٹ کر بیٹھ جانے کی کوشش

کی۔ پربھاکر نے فوراً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اگر رجنی کانت کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھا رہا تو بات معلوم نہیں کہاں پہنچ جاتے۔ وہ کھسک کر ذرا دُور ہو گیا اور وہیں سے کہا۔ "رجنی کانت اب تم گھر جا سکتی ہو، کہو تو میں گھر تک پہنچا دوں۔ یہیں کسی حجرے میں تم رہتی ہو گی۔"

رجنی کانت نے شوخی سے کہا۔ "پربھاکر جی! مجھے دھکا تو نہ دو۔"

رجنی کانت نے پربھاکر کو روک لیا اور دونوں مزے مزے کی باتیں کرنے لگے۔ آخر میں پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! آج میں نے تم سے بڑی باتیں کیں، کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس وقت تم سے نہیں تمہاری دانائی سے باتیں کر رہا ہوں۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "میں تم کو بہت پسند کرنے لگی ہوں پربھاکر جی! تم مجھ کو رونے اور آہیں بھرنے کے لئے نہ چھوڑ جانا وقتاً فوقتاً مجھ سے ملتے ضرور رہنا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "دانائی اور سچائی کی طلب مجھ کو تمہارے پاس لاتی رہے گی، تم بے فکر اور مطمئن رہو۔"

اچانک پروہت جی آ گئے اور دونوں کے سامنے کھڑے ہو کر خوب خوب ہنسے، بولے۔ "پربھاکر جی! اگر تم رانی اہلیا بائی کی چاکری میں نہ چلے گئے ہوتے تو میں تمہیں اپنے پاس رکھ لیتا۔ تم جیسا سچا اور دانا ملے گا کہاں۔ اگر تم کبھی کبھی یہاں آتے جاتے رہو گے تو میں اس کو اپنے اچھے بھاگ میں شمار کرتا رہوں گا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پروہت جی! میں نے رجنی کانت سے یہاں آتے جاتے رہنے کا وعدہ کر لیا ہے، میں یہاں ضرور آیا کروں گا۔"

پروہت جی نے رجنی کانت سے کہا۔ "رجنی کانت! تو بڑے نصیبوں والی ہے۔ تو شیو جی کی سچی داسی جان پڑتی ہے کیونکہ میں اگر اپنے دل کی بات تجھ پر کھول دوں تو تو دنگ رہ جائے گی اور پربھاکر جی کے چرنوں میں پڑے رہنے کی پرارتھنا کرتی رہے گی۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "پروہت جی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

پروہت جی نے کنکھیوں سے پربھاکر کو دیکھ کر رجنی کانت کو جواب دیا۔

"شیو جی تیرے جذبے اور شوق کو دیکھ کر پربھاکر کے روپ میں یہاں آ گئے ہیں۔ اگر یہ خود شیو جی نہیں تو ان کے اوتار ضرور ہوں گے۔"

پروہت جی کی بات رجنی کانت کے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور دوسرے ہی لمحے پربھاکر کے چرنوں میں گر گئی۔ پربھاکر نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن پیچھے پروہت جی اپنے چیلوں سمیت کھڑے تھے۔

پربھاکر نے رجنی کانت کو قدموں سے اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اب اس نے شرم سے اپنے چہرے کو گھونگٹ میں چھپا لیا تھا۔ بالکل دلہن کی طرح، نئی نویلی دلہن کی مانند۔

★ ★ ★

اس بار جب وہ اہلیا بائی کے دربار میں پہنچا تو پربھاکر کے دل میں کئی خلشیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ماں باپ اور بھائی بہن نے زیادہ سے زیادہ مال و زر پیدا کرنے کی خواہش کی تھی۔ جبکہ رجنی کانت نے ساتھی بنائے رکھنے کی درخواست کی تھی اور جب اس کو رجنی کانت میں کسی دانا اور سچے انسان کا روپ نظر آیا تھا تو وہ اس کو ساتھی بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس وقت تک پربھاکر نے رجنی کانت کے جسم سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی مگر جب پروہت نے پربھاکر کے شیو جی کا اوتار ہونے کا اعلان کر دیا اور رجنی کانت کو اس کی داسی قرار دیا تو پربھاکر کے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی تھی اور وہ ذہنی اور قلبی طور پر رجنی کانت کے قدموں میں گر گیا۔ رجنی کانت پر اپنا حق محسوس کرنے لگا۔

وہ جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان کو قرینے سے لگانے لگا اسی وقت کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی پربھاکر نے دروازہ کھولا تو اہلیا بائی کو چند لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ اس نے ادب سے پرنام کیا اور رانی کے لئے کمرے میں جگہ بنانے لگا۔

اہلیا بائی نے کہا۔ "پربھاکر جی! اب مالی راؤ کو انسان بنانا تمہارا کام ہے ورنہ میں خود مایوس ہو چکی ہوں۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "محترم خاتون! مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھگوان نے چاہا تو مالی راؤ راہ راست پر ضرور آ جائے گا۔"

اہلیا بائی کھڑے کھڑے باتیں کر کے چلی گئی۔ اس نے دوبارہ کمرے کو اندر سے بند کر لیا۔ اس بار پھر دستک ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو دوارکا کو کھڑے دیکھا۔ دوارکا نے نرمی سے کہا۔ "مالک نے کہا ہے کہ یہاں تمہارے لئے اس کمرے سے اچھی کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے تم اس کمرے سے باہر نہ نکلنا اور اگر کبھی کسی ضرورت سے باہر نکلنا ہی پڑ جائے تو اپنے کام سے کام رکھنا اور مالک کے نہ تو کسی کام ہی میں دخل دینا اور نہ ان سے کوئی بات کرنا۔ تمہیں تمہاری تنخواہ اور دوسری داد و دہش اسی کمرے میں پہنچ جایا کرے گی۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "اپنے مالک سے پوچھ کہ میں یہاں سے جو کچھ بھی پاؤں گا اپنے آقا اور مالک کی خدمت کے عوض پاؤں گا۔ میں اس مال و زر سے پناہ مانگتا ہوں جو کسی خدمت اور محنت کے بغیر مل جائے۔"

دوارکا نے رکھائی سے کہا۔ "پربھاکر جی! اپنی راہ میں خود اپنے ہاتھ سے کانٹے نہ بچھاؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "دوارکا! تو ایک معمولی اور ادنیٰ انسان ہے تو ابھی تک مجھے نہیں سمجھا۔ جا اپنے مالک سے کہہ دے کہ تیرا یوم حساب آپہنچا اور تجھ......"

دوارکا نے کہا۔ "بھائی پربھاکر! آپ مالک سے اسی وقت مل لیں چل کر ورنہ وہ خود بھاگے چلے آئیں گے اور یہاں پر مالک کا آجانا اچھی بات نہیں ہے۔"

پربھاکر نے پیشانی پکڑی اور ذرا سختی سے کہا۔ "بھگوان کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

دوارکا نے اپنی زبان بند رکھی لیکن اب وہ کمرے کے دروازے کو بھی اندر سے بند کر چکا تھا اور بند کمرے میں دوارکا بھی موجود تھا۔ جب اس کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ پربھاکر کسی قیمت پر مالی راؤ کے پاس نہیں جائے گا تو وہ کمرے سے نکل گیا۔ پربھاکر کو اس کے چلے جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔

کچھ دیر بعد پربھاکر کو اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا کہ وہ دوارکا کے ساتھ مالی راؤ کے پاس چلا کیوں نہیں گیا۔

جب وہ فراغت پا گیا تو کمرے سے نکل کر سیدھا مالی راؤ کے پاس پہنچا۔

مالی راؤ تلملایا ہوا تھا، پربھاکر کو دیکھتے ہی سوال کیا۔" یہ تُو واپس کب آیا ؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔" آج ہی، ابھی ابھی۔"
مالی راؤ نے ڈانٹا۔" تو سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا ؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔" اب جو آ گیا ہوں۔"
مالی راؤ اپنی جگہ سے اچھلا اور پربھاکر کو دبوچ لیا اور بولا۔" آج میں تجھ کو اپنے ہاتھ سے سزا دوں گا۔"
دوارکا نے سفارش کی۔" مالک ! یہ بہت عقل مند انسان ہے اس سے ایسا سلوک نہ کریں۔"
پربھاکر اپنی بے عزتی سے بے حد ناراض تھا۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو مالی راؤ کے چنگل سے نکالا اور غصے میں کہا۔" مالی راؤ ! یہ باتیں ایک حکمراں کو کسی طرح زیب نہیں دیتیں۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا باپ کندی راؤ اپنے ننھیالی نسب سے کیسا اور کون تھا، کیونکہ یہ تُو نے جو کچھ کیا کسی اچھے خون کا ایسا کرنا ناممکن تھا۔ مقدس خاتون اہلیا بائی کے خون سے بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔"
دوارکا نے سمجھانے کی کوشش کی۔" پربھاکر جی ! خاموش ہو جاؤ۔ مالک کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا۔"
مالی راؤ نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔" میرے لئے یہ بات قطعی ناقابلِ برداشت ہے کہ میرے چاکر اپنی مرضی استعمال کریں اور اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ہمالہ جتنا علم اور عقل رکھنے والا بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔"
پربھاکر نے نرمی سے کہا۔" مالی راؤ جی ! میں یہاں کی چاکری نہیں کر سکتا۔ مجھ کو تو بس چھٹی ہی دے دو۔"
مالی راؤ نے کہا۔" تجھ کو میں نے نہیں رکھا تھا پھر میں چھٹی کس طرح دے دوں ؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔" جب تم نے مجھے رکھا نہیں تھا۔ تب پھر مجھ پر یہ سختی کیوں ؟ یہ حکومت کیسی ہے ؟"
مالی راؤ نے زچ ہو کر کہا۔" میں تجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں فالتو بدھی نہیں رکھتا، اگر تُو اپنی چاکری اور عزت چاہتا ہے تو اپنے کام سے کام رکھ، میری خواہشوں کو نصیحتوں کی لگام نہ لگا۔"

پربھاکر نے ایک دم یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کم عقل اور پاگل سے الجھنا مناسب نہیں، جواب دیا۔ "بہتر ہے، میں نصیحتیں نہیں کروں گا لیکن میں بھی آپ سے یہ بنتی کروں گا کہ آپ اپنے کسی ایسے معاملے میں مشورہ نہ لیجئے گا جس میں یہ اندیشہ موجود ہو کہ میں مشورہ آپ کی مرضی کے خلاف دوں گا۔"

مالی راؤ خوش ہو گیا اور ایک دم جوش و خروش سے پربھاکر کو سینے سے لگا لیا۔ بولا۔ "پربھاکر! اب میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ تُو دودھوانی ہے، تُو گیانی ہے اور ساتھ ہی دِرِدّ بابِنی بھی، کیونکہ اگر تُو میرا کہنا نہ مانتا تو یہاں ہر وقت خطروں میں گھرا رہتا۔"

اس کے بعد مالی راؤ کے حکم پر رقص و موسیقی کا انتظام کیا گیا۔ دوارکا اس کے لئے اِدھر اُدھر بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ مالی راؤ نے دوارکا کو حکم دیا کہ اس میں پروہت جی اور دیوداسیوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ پربھاکر خوب سمجھ رہا تھا کہ اس طرح مالی راؤ کہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پربھاکر اس سے دُور دُور رہنا چاہتا تھا لیکن اس وقت ایک ایسے پاگل کے سامنے کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور وہ تلوار کی نوک کو پربھاکر کے پیٹ پر رکھ کر کھڑے رہنے کا حکم دے رہا تھا۔

مالی راؤ نے اس تقریب پر خوب خوب خرچ کیا اہلیا بائی بہ جبر و کراہ یہ سب دیکھ رہی تھی اور خاموش تھی۔ اس نے دوارکا اور اس جیسے دوسرے خدمت گاروں کی خوشامدیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں، یہ لوگ کم عقل مالی راؤ کو بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اہلیا بائی نے دوارکا کو علیحدہ بلا کر سمجھایا کہ وہ مالی راؤ کے احکام کی تعمیل ذرا پس و پیش سے کرے۔

لیکن دوارکا نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لی، بولا۔ "رانی جی! مہاراج غصے کے بہت تیز ہیں اگر میں نے ان کا حکم نہیں مانا یا پس و پیش سے مانا تو وہ مجھ کو قتل کرا دیں گے۔"

اہلیا بائی دوارکا سے مایوس ہو کر پربھاکر کے پاس پہنچی، اس وقت پربھاکر، مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔ ناچنے گانے والیاں آنے لگی تھیں، پربھاکر ان کے بیٹھنے کا انتظام کر رہا تھا لیکن مالی راؤ کا حکم یہی تھا کہ پربھاکر

کہیں جائے نہیں، اس کے سامنے یا آس پاس ہی موجود رہے مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ پربھاکر کو اس کی ماں یاد کر رہی ہے تو مالی راؤ نے اسے چلے جانے کی اجازت دے دی اور یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر پربھاکر نے ماں جی سے شکایتی انداز میں کچھ کہا سنا تو اس کے بڑے نتائج نکلیں گے۔

اہلیا بائی نے پربھاکر کو تخلیہ میں لے گئی شکایتاً کہا۔ "پربھاکر جی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی اور خیال تھا کہ تم مالی راؤ کو علم و دانش بخشو گے لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم خود مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر رہے ہو۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "رانی جی! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں عرض کروں کہ مالی راؤ کی فطرت کی خرابی میں دور نہیں کر سکتا اور میں ہی کیا یہ خرابی کوئی بھی دور نہیں کر سکتا۔"

اہلیا بائی نے رنج و غم سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ فطرت کی خرابی سے تمہیں کیا مراد ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "مقدس خاتون! منوشاستر میں کہا گیا ہے کہ کم نسل شخص اخلاق میں یا تو اپنے باپ سے مشابہ ہوتا ہے یا اپنی ماں سے یا پھر دونوں سے۔ وہ اپنی جبلت اور فطرت کو چھپا نہیں سکتا۔"

اہلیا بائی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "پربھاکر! تجھے کچھ پتہ ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "دیوی جی! میں نے جو کچھ کہا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ مالی راؤ کی خرابی آپ کی طرف سے تو نہیں ہو سکتی۔ آپ مجھ کو قتل کرا دیجئے لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہوں گا کہ مالی راؤ کی خرابی اس کے باپ کی طرف سے ہو گی۔"

اہلیا بائی نے کہا۔ "میں تجھ کو قتل نہیں کراؤں گی تو مالی راؤ کی اصلاح کر۔ جہاں علم و دانش موجود ہوں وہاں کیا نہیں ہو سکتا اگر تو چاہے تو مالی راؤ بھلا مانس بن سکتا ہے۔"

پربھاکر نے سر جھکا لیا۔ "دیوی! فطرت نہیں بدل سکتی۔ پانی کو کتنا ہی کھولاؤ آخر کار ٹھنڈا ہو کر اپنی اصل فطرت میں آجائے گا۔ کتے کو بادشاہ بنا

دو، پر وہ جنتے جی پانا نہیں چھوڑے گا۔"
اہلیا بائی لاجواب ہوگئی بولی "مگر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ علم ودانش جہالت کے آس پاس پھرے!"
پربھاکر نے جواب دیا۔" دیوی جی! سونے، چاندی جیسی نرم ونازک اور کمزور دھاتوں کی لوہے جیسی طاقتور اور مضبوط چیز دربانی کرتی ہے۔ یہ تو مقدرات کی باتیں ہیں ان پر کسی کا کیا اختیار؟"
اہلیا بائی زچ ہوگئی۔ "پربھاکر جی! اپنی شاندار باتوں سے تم مالی راؤ کو کچھ نہ کچھ بدل ضرور دو گے۔ خواہ یہ تبدیلی عارضی اور وقتی ہی کیوں نہ ہو، بالکل پانی کی طرح جس کو آگ سے گرم کیا جا سکتا ہے!"
پربھاکر نے جواب دیا۔"میں کوشش کروں گا اور اس کوشش میں میں مارا بھی جا سکتا ہوں، کیونکہ اگر میرے علم اور دانش اس کی جہالت اور بد طینتی کے مقابلے میں کم ہوئے، تو اس تھوڑی سی آگ کی طرح جو پانی کے بہت بڑے ذخیرے کو گرم کرنے کی کوشش میں بجھ جاتے، میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا!"
اہلیا بائی نے کہا۔"اچھا، تم اپنی کوشش جاری رکھو، میں نے پروہت جی کو بھی سمجھا دیا ہے، وہ بھی مالی راؤ کو سدھارنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے مالی راؤ کو اس کے دادا ملہار راؤ کے راج سنگھاسن پر بٹھا تو دیا ہے اب اس کو اس گدی کا اہل ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کروں گی!"
اہلیا بائی باتیں تو پربھاکر سے کر رہی تھی مگر اس کی نظریں بار بار پہلو کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھی اور اس کمرے میں داخل ہوگئی۔ وہاں ایک خدمت گار عورت ان دونوں کی باتیں سُن رہی تھی، اہلیا بائی نے اس کی گردن پکڑ لی۔"تو یہاں کیا کر رہی ہے؟ ہماری باتیں سن رہی تھی؟ تجھ کو یہاں کس نے بھیجا تھا؟ مالی راؤ نے؟
عورت گڑگڑانے لگی لیکن اس نے اقرار نہیں کیا کہ مالی راؤ کے لیے مخبری کر رہی ہے۔ اہلیا بائی نے اس کو دھکے دے کر نکال دیا اور بڑبڑانے لگی۔"یعنی مالی راؤ اب اپنی ماں کی نگرانی کر رہا ہے اپنی ماں پر جاسوس اور مخبر مقرر کر دیتے ہیں۔ یہ ہمت! لیکن میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی!"

مالی راؤ مغلوں کی روش پر جشن طرب منا رہا تھا۔ ناچنے والیاں مالی راؤ کے قریب اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں، مالی راؤ کے داہنی طرف پربھاکر اور بالکل قریب پروہت بیٹھا تھا۔ پروہت کے چیلے مالی راؤ کے بائیں طرف زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کیلے کے پتوں پر بھوجن رکھا تھا، پوری کچوری اور سبزیاں، چیلوں کو ناچ گانے سے زیادہ کھانے میں مزہ آ رہا تھا مالی راؤ کبھی کبھی گردن گھما کر بلا نوش چیلوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا۔

مالی راؤ کے سنگھاسن کے آگے چند دیوداسیاں بھی بیٹھی تھیں، ان میں رجنی کانت بھی موجود تھی۔ پربھاکر اس سے دُور تھا لیکن وہ اس محفل میں ذہنی طور پر سب سے زیادہ قریب رجنی کانت ہی سے تھا۔ وہ اس جشن میں رجنی کانت کی موجودگی سے ناخوش تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ مالی راؤ رجنی کانت کو حریصانہ نظروں سے دیکھ کر ناچنے والیوں کو دیکھنے لگتا۔ اس نے اچانک پروہت سے پوچھا۔ "پروہت جی! کیا رجنی کانت کو ناچ گانا آتا ہے؟"

پروہت جی نے ہنس کر جواب دیا۔ "آتا ہے کیا معنی؟ خوب آتا ہے۔ شیو جی کی داسی اپنے ناتھ کو اپنے ناچ گانے سے صبح شام خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی مدھر اور سریلی آواز میں بھجن، سننے والے کے انگ انگ میں اُتر جاتا ہے۔ یہ بھی کچھ ایسی ڈوب کر اور لہرا لہرا کر ناگن کی طرح ناچ اور بھجن کا مظاہرہ کرتی ہے کہ دیکھنے اور سُننے والوں کا من قابو میں نہیں رہتا۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "تب پھر پروہت جی! رجنی کانت کو ناچ اور بھجن کا حکم دو تاکہ روح اور جسم بیک وقت ایسے کیف و سرور سے لطف اندوز ہو جائیں جو دیوتاؤں کو میسر ہوتا ہے، محض دیوتاؤں کو۔"

پربھاکر نے ان دونوں کی باتوں میں کئی بار رجنی کانت کا نام سُنا تو کان کھڑے ہوئے اور وہ مالی راؤ کی اجازت کے بغیر پروہت اور مالی راؤ کے قریب جا بیٹھا اور کہا۔ "مہاراج! اس موقع پر میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!"

مالی راؤ نے بے نیازی سے کہا۔ "پربھاکر جی! اس وقت اپنے گیان، وِدّیا اور بُدّھی کو مجھ سے دُور ہی رکھو کیونکہ اگر یہ دل بہلانے کی محفل ہے تو اس میں باتیں بھی اسی قسم کی ہونا چاہئیں اور اگر یہ بھجن اور کیرتن کی محفل ہے تو بھی یہاں دیوتاؤں اور ان کے کارناموں کی کتھا ہونا چاہیئے۔"

پربھاکر نے جواب دیا "مہاراج! میں راجا کی محفل میں راج نیتی کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں مہاراج کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے دیس میں جو کام شیوجی نے شروع کیا تھا، اب اس کو مہاراج مالی راؤ کے ہاتھوں پورا ہونا چاہیئے۔ اپنے دیس پر عرصے سے مغل حکومت کر رہے ہیں، اب مغل حکومت ختم ہونا چاہیئے اور اس کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مہاراج اپنے راج بھون کو رنگ بھومی (تفریح گاہ) نہ بننے دیں۔"

مالی راؤ کو ہنسی آگئی، مسکرا کر مذاق اڑانے کے انداز میں پروہت سے پوچھا۔ "پروہت جی! پربھاکر جی کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں، اگر آپ کچھ سمجھے ہوں تو مجھے بھی سمجھا دیں۔"

پروہت نے جواب دیا۔ "مہاراج! میں نے پربھاکر جی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اس لیئے کیا جواب دوں؟"

لیکن پربھاکر باز نہیں آیا، بولا۔ "مہاراج! میں آپ سے مخاطب ہوں، آپ کو بھگوان نے راج پاٹ دیا ہے، اس کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس کی قدر اور حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے دور رہیں، ناچ گانے سے بچیں۔"

مالی راؤ نے منہ پھیر لیا بولا۔ "میں نے ایک بار کہہ جو دیا کہ آج اور اس وقت گیان دھیان کی باتیں نہیں ہوں گی۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "لیکن میں یہ باتیں اس لیئے کر دوں گا کہ مجھے بھگوان نے گیان، وِدّیا اور بدھی اسی لیئے دی ہیں کہ میں اس کی روشنی سے تاریکیاں دور کر دوں۔"

مالی راؤ نے جھڑک دیا۔ "تو اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں کیوں آ گیا؟"

پربھاکر کی ضد اور مالی راؤ کی جھڑکی نے رجنی کانت کو بھی ان دونوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ گردن موڑے بغیر ہی ان دونوں کی باتیں توجہ سے سنتی رہی۔ پربھاکر کہہ رہا تھا۔ "مہاراج! عربوں میں ایک لفظ ہے 'نار' جس کا مطلب ہے اگنی۔ اپنی زبان میں نار عورت کو کہتے ہیں۔ ناری کا مطلب ہے آگ کی یا آگ والی۔ مہاراج! ناری کو آگ والی ہی سمجھیں، جو بھی اس اگنی کو سینے سے لگائے گا جل بھن کر بھسم ہو جائے گا۔ مہاراج! راج، دیش، منش، یہاں تک کہ دیوتا بھی اس اگنی سے

نہیں بچ سکتے۔ اس لیئے میں مہاراج کو مشورہ دوں گا کہ مہاراج خود اور اپنے راج کو اس اگنی سے بچائیں۔"

رجنی کانت کو پربھاکر کی باتوں سے ایک بار پھر بڑا دکھ ہوا لیکن مالی راؤ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بولا۔ "پربھاکر جی! جب میں نے ایک بار یہ کہہ دیا ہے کہ مجھ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوگا تو بے کار بک بک سے کیا حاصل؟"

پروہت نے بھی ناگواری سے کہا۔ "پربھاکر جی! جب مہاراج تمہاری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے تو تم بلا وجہ کیوں بولے جا رہے ہو؟"

پربھاکر کے سینے میں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی، بولا۔ "مہاراج! میں آپ کو کس طرح بتاؤں کہ ناری ایک بے اعتبار جنس ہے۔ منو نے اپنے شاستر میں ناری کی بابت کہا ہے کہ ناری کی پسندیدہ چیزیں ہیں، بستر سے محبت، بیٹھنے کی چوکی سے انس، زیور کا شوق، آسودگی، غصہ، برائی کی طرف میلان، اذیت رسانی سے رغبت اور ضدی پنا۔"

رجنی کانت نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بڑے کرب سے بولی۔ "بھگوان کے لیئے اس کی زبان بند کرو، میں اتنی زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔"

مالی راؤ نے پربھاکر کو بھگانے کے بجائے اپنے پاس ہی بٹھا لیا، بولا۔ "پربھاکر جی! تم میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں خالی باتوں کا قائل نہیں۔ میں ناریوں کے سامنے بٹھا کر ادران کے ناز و انداز دکھا کر تم سے پوچھوں گا کہ بولو اب کیا کہتے ہو؟ پربھاکر جی! جس کو ناری کہتے ہیں بڑے مزے کی چیز ہوتی ہے۔ اتنی مزے کی کہ اس سے زیادہ مزیدار چیز کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا۔"

پربھاکر بے بس ہو گیا، وہ رجنی کانت کو مالی راؤ کے سامنے ناچتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا، بولا۔ "مہاراج! اگر میری باتوں میں اثر نہیں رہا اور وہ بے کار گئیں تو مجھ کو اس رنگ بھومی سے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔"

پروہت رجنی کانت کی پریشانی سے خود بھی پریشان ہو رہا تھا، بولا۔ "مہاراج! پربھاکر جی کو مت روکو، چلا جانے دو، ورنہ رنگ میں بھنگ ہو جائے گا۔"

مالی راؤ نے سختی سے کہا۔ "نہیں پر بھاکر جی یہیں رہیں گے، میں ان کے گیان، وِدیا اور بُدھی کو نیا سماں دکھانا چاہتا ہوں اور میں اِن کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں گیان، وِدیا اور بُدھی کے علاوہ بھی کچھ ہے۔" اس کے بعد رجنی کانت کو حکم دیا۔ "تو نے اپنے کان کیوں بند کر رکھے ہیں؟ انہیں کھول دے اور ہمیں اپنے بھجن اور ناچ سے خوش کر۔"

رجنی کانت نے بڑے کرب سے کہا۔ "مہاراج! پہلے اس ودھوان کو نکالو اِس محفل سے۔"

مالی راؤ نے تُرشی سے کہا۔ "رجنی کانت! یہ نہیں جاتے گا تُو بھجن شروع کر۔"

پر دھت جی بھی مالی راؤ کو سمجھ چکے تھے، بولے۔ "رجنی کانت! تُو نادان کیوں بنتی ہے ہم نے سمجھ لیا۔ مہاراج جسے چاہیں بٹھائیں اور جسے چاہیں بھگا دیں تو کسی کی طرف دیکھے ہی کیوں۔ بھجن شروع کر اور اس کے بعد پاربتی کا نازنینانہ رقص لاس شروع کر دے۔"

رجنی کانت بادرجہ مجبوری اٹھی اور بھجن شروع کر دیا۔ اس کی آواز میں سوزِ دروں شامل تھا۔ رجنی کانت نے کسی آروادی کا بھجن شروع کیا۔ آروادی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ایشور کا وجدانی علم رکھتا ہو اور اس کے دھیان میں غرق رہتا ہو۔ پر دھت جی نے بھجن کے لفظ کو سُن کر ہی مالی راؤ سے کہا۔ "مہاراج! ذرا غور سے سُننا، شبدوں (لفظوں) کی اگنی میں جب آواز کا تیل پڑ جاتا ہے تو یہ آگ بُری طرح بھڑک اُٹھتی ہے اور یہ آگ سننے والوں کے کانوں سے ان کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مہاراج! ہوشیار۔"

رجنی کانت جھوم جھوم کر بھجن سُنا رہی تھی، پُرسوز مگر سُر میں ..... ڈوبی ہوئی آواز میں۔

"میں نے پریم کے دیے (چراغ) میں اِچھا (خواہش)

کا تیل ڈال دیا اور گداز کی بتی کو آگ دکھا دی۔

دیا جل گیا۔ اس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی لیکن میں اور

میرا وجود آہستہ آہستہ جلتا جا رہا ہے۔

شاید وہ دن زیادہ دُور نہیں جب میں نہیں، میری راکھ۔

رہ جائے گی۔
اڑتے ہوئے ہنسوں اور بگلوں سے مجھ برہا کی ماری نے
التجا کی،
لجاجت کے ساتھ "او پہلے پہنچنے والو! مجھ کو نہ بھول جانا
کیونکہ تم جب وہاں پہنچو گے تو کانن (کرشن) کے پاس میرے
من کو بھی موجود پاؤ گے۔
پھر بھی تم کانن سے پوچھنا تو سہی، کیا تم نے ابھی تک اس
کی خبر نہیں لی؟
اے کانن! سوچ تو سہی، ایسا کرنا، ایسی روش کہاں تک
مناسب ہے؟
رشی لوگ، اپنی صالح مشقت سے جب عرفان حاصل کر
لیتے ہیں تو
کہتے ہیں، اس کا رنگ شاندار، جمال نام آور اور اس کی صورت
ایسی اور ویسی ہے۔
مگر میں یقین دلاتی ہوں کہ رشیوں کی ساری جاں فشانی
میرے پربھو (مالک) کی عظمت کا اندازہ لگانے میں کامیاب
نہیں ہو سکی۔
رشیوں کا چراغِ عرفان ایک ٹوٹے پھوٹے بے تیل بے بتی چراغ
کے سوا کچھ بھی نہیں۔"
رجنی کانت کے آخری بھجن نے پربھاکر کو مست و بے خود کر دیا وہ جھومنے
مگر مالی راؤ پر اس کا الٹا اثر ہوا، برا سا منہ بنا کر بولا "یہ کیسا اوٹ پٹانگ
شروع کر دیا۔ اس کے تو سر پیر کا ہی پتہ نہیں چلتا۔"
پربھاکر نے عرض کیا "مہاراج! آپ نے شاید دھیان نہیں دیا ورنہ
بھجن نے میرے دل میں آگ سی لگا دی ہے۔"
مالی راؤ نے اپنے ہم نشینوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔
"دل میں آگ بھجن سے نہیں، ناری کی آواز اور اس کے وجود سے
ہو گی۔"

مالی راؤ کو ہنستے دیکھ کر ہم نشین، پروہت اور اس کے چیلے بھی ہنس دیے۔

مالی راؤ نے رجنی کانت سے کہا۔" رجنی کانت! مجھے تو تم کوئی ایسا بھجن سُنا جس کے سمجھنے میں دل و دماغ کو مشقت نہ کرنا پڑے۔ میرے پاس پربھاکر جیسا ذہنی دماغ نہیں ہے"

لیکن رجنی کانت نے دوسرا بھجن سُنانے سے انکار کر دیا۔

پروہت جی نے بات بگڑتے دیکھی تو نہایت نرمی اور ملائمت سے کہا۔" رجنی کانت! اب تم پاربتی جی کا رقص ' لاس ' دکھا دو، نازنینانہ دلبرانہ رقص"

پربھاکر نے بھی سفارش کی۔" بیشک بیشک۔ بھجن سے لگائی ہوئی آگ پر پاربتی جی کے رقصِ دلبرانہ کا تیل چھڑک دو تاکہ گھر میں جو کچھ جلنے سے بچا ہے وہ بھی جل جائے"

رجنی کانت چُپ چاپ اٹھی اور پاربتی کا رقص لاس شروع کر دیا۔ ایسا لگتا تھا گویا پاربتی کے جملہ نازو انداز اور دلفریب ادائیں رجنی کانت میں جمع ہو گئی ہیں اور وہ ان سے نارائن کے دل کو جیتنے کی کوشش کر رہی ہے ان اداؤں کا مالی راؤ اور پربھاکر پر یکساں اثر ہو رہا تھا۔ پربھاکر نے مالی راؤ کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور وہ نہایت انہماک اور توجہ سے رجنی کانت کو دیکھ رہا تھا۔ مالی راؤ بھی پربھاکر کی محویت کو رشک و حسد سے محسوس کر رہا تھا۔ آخر برہم ہو کر پربھاکر کو کھڑا کر دیا، بولا۔" پربھاکر جی! تم اسی وقت اس محفل سے نکل جاؤ کیونکہ میں تمہاری اس دو رنگی کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک طرف نوناری کو گالیاں دو، بُرا بھلا کہو اور دوسری طرف اس کے جلوؤں میں یوں کھو جاؤ کہ راجیہ سبھا کا رعب اور دیدبہ تک دل سے نکال دو"

پربھاکر کی بے عزتی پر پروہت جی تو بس مسکرا کر رہ گئے مگر ان کے چیلوں نے مالی راؤ کی پروا کیے بغیر زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔

پربھاکر نے مالی راؤ کی آنکھوں میں وحشت اور درندگی محسوس کی اور اسی میں بہتری جانی کہ مالی راؤ کی نظروں سے دُور ہو جائے۔ خطرے کے پیشِ نظر جاتے جاتے کہا۔" مہاراج! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن ایک بات

میری بھی یاد رکھنا۔ میں پربھاکر، مارو بھاٹ خاندان کا ایک شخص، کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک غیر معمولی شخص ہوں۔ فوق الفہم، مافوق الفطرت شخص اگر میں قتل بھی کر دیا جاؤں تب بھی میں غیر معمولی ہی رہوں گا۔"

مالی راؤ نے غصے میں کپکپاتے ہوئے کہا۔ "ارے کوئی ہے جو اس غیر معمولی شخص کو معمولی دھکے دے کر نکال باہر کرے۔"

کئی خدمت گار آگے بڑھے اور پربھاکر کو مارتے دھکے دیتے محفل سے نکال لے گئے۔

پربھاکر کے نکال دیے جانے کے بعد مالی راؤ نے رجنی کانت کو اپنے پاس بلالیا۔ اس نے پروہت کی طرف دیکھا۔ پروہت نے کہا۔ "کوئی حرج نہیں رجنی کانت! مجھ کو تو مہاراج مالی راؤ میں کسی اوتار کا روپ نظر آتا ہے، جا، اوتار کے سنگ بیٹھ جا۔"

سبھا کی دوسری ناچنے گانے والیاں رجنی کانت کو رشک و حسد سے دیکھ رہی تھیں۔ رجنی کانت سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

مالی راؤ پروہت اور رجنی کانت کے ساتھ ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ اس نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھالیا۔ مالی راؤ کی حریصانہ نظریں رجنی کانت کے ایک ایک عضو کا جائزہ لے رہی تھیں۔ رجنی کانت کے بازو، بازو بند سے کسے ہوئے تھے۔

ساڑھی کا پلو سر سے ڈھلک کر شانے پر گر گیا تھا، جوڑا کھلا ہوا تھا اور بڑی بڑی سیاہ زلفیں پشت پر پھیلی ہوئی تھیں۔ رجنی کانت مالی راؤ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی کیونکہ ان نظروں میں جو پیاس تھی رجنی کانت اس کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ شفاف پیشانی اور اس کے نیچے باریک ہلالی بھنویں لمبی لمبی ں کے حصار میں گھری ہوئی بادام جیسی بڑی بڑی خمار آگیں آنکھیں، ہ زنخداں کی حامل ٹھوڑی اور ٹھوڑی کے نیچے خوبصورت گردن، مالی اؤ اس شبابی سحر و کیف میں کھو گیا۔ اگر پروہت موجود نہ ہوتا تو مالی راؤ م و احتیاط سے گزر جاتا۔

پروہت نے عرض کیا۔ "مہاراج! ایک برہمن کی حیثیت سے میں ی کاروبار تو کر نہیں سکتا کیونکہ کاروبار میں جھوٹ اور مکر و فریب سے

بھی کام لینا پڑتا ہے مگر میں کاروبار کرنا ضرور چاہتا ہوں، میں کسی اور زر و مال میں اپنا مال شامل کر کے اس کے کاروبار میں حصے دار بن جانا چاہتا ہوں، اس طرح میں خود کاروباری جھوٹ اور مکر و فریب سے بچ کر کمائی کرتا رہوں گا۔"

مالی راؤ پروہت کی باتیں غور سے نہیں سُن رہا تھا۔ پوچھا۔ "میں آپ کے لئے کیا کروں؟ بس آپ یہ بتا دیں۔"

پروہت نے جواب دیا۔ "بس مجھ کو اتنا زر و مال مل جائے کہ میں کاروبار کر سکوں۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "وہ آپ کو مل جائے گا، آپ فکر نہ کریں۔"

پروہت نے دوسری درخواست بھی پیش کر دی۔ "اور مہاراج مندر اور اس کی متعلقہ عمارتوں کی مرمت اور اضافوں کے لیے بھی کچھ درکار ہے اس کا بھی حکم ہو جائے۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "وہ بھی ہو جائے گا۔"

پروہت نے ایک اور درخواست پیش کی۔ "اور جنگ! چیلوں اور دیوداسیوں کے خرچ کے لیے بھی ۔ ۔ ۔ ۔"

مالی راؤ نے بات کاٹ دی۔ "آپ جو کچھ بھی چاہتے ہیں سب ہو جائے گا مگر آپ کو ایک کام میرا بھی کرنا ہوگا۔"

چالاک پروہت کام کی نوعیت سے اچھی طرح واقف تھا، پھر بھی معصومیت سے سوال کیا۔ "کون سا کام؟ ارشاد۔ آپ کا کام ضرور ہوگا۔ اگر اس کام کا تعلق میری ذات سے ہوگا۔"

مالی راؤ، پروہت کو ایک کونے میں لے گیا اور سرگوشی میں کہا۔ "پروہت جی! آپ رجنی کا نت کو رات بھر کے لئے میرے پاس چھوڑ دیں۔۔۔"

پروہت نے پوری بات سُنے بغیر نفی میں گردن ہلانا شروع کر دی۔ "نہیں جی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ مہاراج! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "پروہت جی! میں نے جو کچھ کہا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔"

پروہت نے دُور ہی سے ایک نظر رجنی کانت پر ڈالی اور کہا۔" مہاراج! سوچ تو سہی، اگر رجنی کانت پوری رات آپ کے پاس رہ گئی تو اس کا آپ پر، مجھ پر اور رجنی کانت پر اثر کیا پڑے گا؟ یہ خبر چھپی نہیں رہے گی۔ بہت جلد مشہور ہو جائے گی اور بس تو یہاں تک کہوں گا کہ اُس وقت ہم تینوں کسی کو شکل تک نہیں دکھا سکیں گے۔"

مالی راؤ نے لجاجت سے درخواست کی۔" پروہت جی! مایوس نہ کرو۔ اس وقت میں باتیں تو آپ سے کر رہا ہوں مگر میرا پورا دھیان رجنی کانت کی طرف ہے۔ اے کاش میں رجنی کانت کی سانسوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا، اے کاش! میں اس کے بالوں کی سیاہ لٹیں اپنے چہرے پر بکھیر سکتا۔ اے کاش اے کاش۔"

پروہت نے سرگوشی میں جواب دیا۔" مہاراج! تم ابھی اناڑی ہو، یہ بات اس طرح نہیں ہوتی جس طرح تم چاہتے ہو، تم ایک رجنی کانت کو مانگ رہے ہو جبکہ بیسیوں رجنی کانتائیں تمہیں مل سکتی ہیں۔ رجنی کانت راج بھون میں نہیں آئے گی بلکہ مہاراج کو رجنی کانت کی خاطر ہمارے آشرم میں آنا پڑے گا اس طرح تم دونوں کی ملاقات پر پردہ بھی پڑا رہے گا۔"

مالی راؤ نے مذبذب لہجے میں کہا۔" مجھ کو آشرم آنا پڑے گا؟ تو کیا مجھ کو لوگ آشرم میں نہیں دیکھیں گے؟"

پروہت جی نے جواب دیا۔" مہاراج! آشرم میں راج دربار جیسی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی اور وہاں جو بھی ہوتا ہے اس پر میرا حکم چلتا ہے اس لیے آشرم کی بات آشرم سے باہر نہیں نکل سکتی، وہ بڑی محفوظ جگہ ہے ایک بار آکر دیکھ تو لو۔"

مالی راؤ پروہت کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ آہستہ سے بولا۔" پروہت جی! پھر جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کر دوں گا لیکن اس وقت اتنا تو موقع دے سکتے ہو کہ میں رجنی کانت سے چند باتیں ہی کر لوں۔"

پروہت نے جواب دیا۔" میں کچھ دیر کے لئے اِدھر اُدھر ہوا جاتا ہوں، تم رجنی کانت سے باتیں کر لو مگر خبردار چند باتوں سے زیادہ کچھ کیا۔"

پروہت اور مالی راؤ ایک ساتھ رجنی کانت کے پاس چلے گئے۔ پروہت نے دونوں سے کہا۔" اچھا مہاراج! میں ابھی آتا ہوں ذرا باہر نکل کر ناچ سبھا کا رنگ تو دیکھ لوں، ابھی آتا ہوں۔"

رجنی کانت کھڑی ہوگئی بولی۔" پھر میں بھی چلتی ہوں پروہت جی! آپ کے ساتھ۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گی؟"

پروہت جی نے کہا۔" لڑکی! تو یہیں رک۔ مہاراج! تیرے بھجن کے بارے میں کچھ باتیں کرنے والے ہیں، میں خود بھی ابھی واپس آتا ہوں۔"

پروہت کے جانے ہی مالی راؤ رجنی کانت کے پاس بیٹھ گیا۔ بولا۔ "رجنی کانت! جب تک میں نے تجھ کو نہیں دیکھا تھا۔ بھگوان کی کاریگری کا قائل نہیں تھا۔"

رجنی کانت ایک طرف کھسک گئی۔ بولی۔" پھر اب تو قائل ہو گئے آپ؟"

مالی راؤ نے والہانہ جواب دیا۔" قائل ہونا کیا معنی میں بھگوان کی داسی کا داس ہو گیا ہوں۔"

یہ کہتے کہتے مالی راؤ نے رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا خیال تھا۔ رجنی کانت ہاتھ کھینچ لے گی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مالی راؤ کا حوصلہ بڑھا اس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور انہیں دباتے ہوئے کہا۔" اس لمحے مجھے کچھ ایسا لگ رہا ہے گویا میں نے پاربتی کے ہاتھ پکڑ لیے ہیں۔ ان ہاتھوں میں تقدس ہے، پاکی ہے، تسکین و طمانیت ہے۔"

رجنی کانت نے شکایتہً کہا۔" لیکن مجھ کو اس بات کا رنج ہے کہ آپ نے پربھاکر کو اپنی سبھا سے ذلیل کر کے نکال دیا۔ حالانکہ وہ ودیا پتی اور رودھوان دگیانی ہے۔ اگر آپ کو بھگوان کا ذرا بھی خیال ہوتا تو پربھاکر سے ایسا سلوک نہ کرتے۔"

مالی راؤ نے چونک کر بڑے غور سے رجنی کانت کو دیکھا اور کہا۔" اگر مجھ کو یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی کہ تم پربھاکر کی عزت کرتی ہو تو میں اس کو اپنی سبھا سے ہرگز نہ نکالتا حالانکہ وہ ہم سب کے سامنے بلکہ تیرے بھی سامنے عورتوں کو ذلیل کر رہا تھا۔"

رجنی کانت نے کہا "میں پربھاکر کی نہیں اس کے گیان اور ودیا کی عزت کرتی ہوں۔"

مالی راؤ ——————— ترچ ہو کر بولا "یہ رنگین اور مزے دار سمے میں پربھاکر کا ذکر کیا لے بیٹھی اور رجنی کانت سچی بات تو یہ ہے کہ میں نہ تو گیانی ہوں اور نہ ہی ودیا بانی اس لیے میں گیان اور ودیا کی بڑی بڑی اور گہری گہری باتیں سننا بھی نہیں چاہتا۔ میں تو مزے اڑانے اور عیش کرنے کا قائل ہوں، اس دنیا میں اگر کسی انسان کو دولت، اختیارات اور حکومت مل گئی ہو اور وہ خود کو ان چیزوں سے الگ تھلگ رکھ کر خشک اور بے کیف زندگی گزارے اور عیش نہ کرے تو وہ شخص میری نظر میں احمق اور پاگل ہو گا۔"

رجنی کانت نے اچانک اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور ——————— بولی "تو گویا آپ اپنے اقتدار، اختیار اور دولت سے عیش کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں مگر میں اس پر عمل در آمد نہیں ہونے دوں گی۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے، جیسے ہی رجنی کانت کا مکالمہ ختم ہوا مالی راؤ اسے زبردستی اپنی طرف کھینچنے لگا — ، اسی وقت پروہت جی بھی اندر داخل ہو گئے اور دور ہی سے شور کرنا شروع کر دیا "مہاراج! یہ تو تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ رجنی کانت کو چھوڑ کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ کی ماتا جی تشریف لا رہی ہیں، اگر وہ یہاں آ گئیں تو قیامت اٹھ کھڑی ہو گی۔"

مالی راؤ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اب اس کمرے میں رجنی کانت تھی اور پروہت تھا۔

رجنی کانت نے کہا "پروہت جی! میری مشکل حل کرو، یہ مہاراج مالی راؤ تو بڑے ندیدے معلوم ہوتے ہیں۔"

پروہت جی نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کے لئے کہا۔ سرگوشی میں کہا۔ "رجنی کانت! مہاراج کی ماتا جی اسی طرف آ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہیں اور جا رہی ہوں اور مجھ کو محض شبہ ہوا ہو۔"

رجنی کانت نے جواب دیا "نہیں، پروہت جی! ایسی کوئی بات نہیں،

ہمت نہ ہارو، بھگوان نے چاہا تو کچھ بھی نہ ہوگا۔"
لیکن اسی وقت اُن کے کمرے میں اہلیا بائی داخل ہوگئی۔ اس ہاتھوں میں چند کاغذات تھے، اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔ "پروہت جی مالی راؤ کہاں چلا گیا؟"
پروہت جی نے جھوٹ بول دیا۔ "دیوی جی! مالی راؤ جی نے کہ ہم دونوں یہاں بیٹھیں، تھوڑی دیر میں جب وہ واپس آجائیں۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔"
اہلیا بائی نے غصے میں کہا۔ "تم برہمن ہوتے ہوئے بھی کاروبار کی باتیں کر ہو۔ اس کے علاوہ تم نے میرے بیٹے کو راہ راست پر لے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تو وہ ہر دن سے کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا تھا، آخر ایسا کیوں؟"
پروہت جی نے جواب دیا۔ "دیوی جی! آپ کا کام ایک دن کا نہیں ہے، نے مہاراج مالی راؤ جی کو اپنے آشرم میں آنے کی دعوت دے دی ہے بس وہ آزادی سے سمجھا سکوں گا۔"
اہلیا بائی رجنی کانت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی، پوچھا۔ "تو یہاں کیا رہی ہے؟"
رجنی کانت نے ادب اور سلیقے سے جواب دیا۔ "دیوی جی! میں یہاں کروں گی، ذرا سستانے کے لئے یہاں آگئی تھی کیونکہ ناچ سے آدمی بہت زیادہ تھک جاتا ہے۔"
اہلیا بائی نے گویا دونوں ہی سے کہا۔ "بہر حال میں یہ بھی ناپسند کرتی ہو کہ مالی راؤ کے لہو واعب میں نہیں شمار کیے جائیں گے اور میں کبھی اس خیا سے مالی راؤ کی ناچ سبھا میں آگیا تھا کہ دھرم کے کاموں میں مہاراج مالی را کا ہاتھ بٹایا جاتے۔"
اہلیا بائی نے جاتے جاتے کہا۔ "میں جا رہی ہوں اور اس دن کا انتظار کروں گی۔ جب تم لوگ مالی راؤ کو آدمی بنانے کی کوشش کرو گے اور کامیاب ہو جاؤ گے۔"
پروہت جی نے پوری بات ہی نہیں سنی کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے اور کہا۔ "کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور کامیابی یا ناکامی ہمارے اختیا

ہیں نہیں، بھگوان کی مرضی کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا۔"
اہلیا بائی کے فوراً بعد ہی پرو ہت بھی چلا گیا۔

★ ★ ★

پربھاکر کو دوسرے دن مالی راؤ نے پھر طلب کیا اور نہایت نرمی سے پیش آیا۔ لیکن پربھاکر کو یہ ملال تھا کہ اس کو رجنی کانت کے سامنے ذلیل کیا گیا۔ پربھاکر مالی راؤ کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ مالی راؤ نے پربھاکر سے پوچھا۔ "بھگوان نے تجھ کو بڑی عقل دی ہے اور علم بھی وافر ملا ہے، پھر تُو ہر چیز میں کیڑے کیوں نکالتا رہتا ہے اور خاص کر عورتوں میں؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "مہاراج آپ نے مجھے اس عورت کے سامنے ذلیل کر دیا جو فطرتاً خود ذلیل اور پست ہوتی ہے۔"

مالی راؤ نے ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوتے پوچھا۔ "رجنی کانت کی بابت تیری کیا رائے ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "جب میں عورت کی بات کرتا ہوں تو اس میں ہر عورت شامل ہوتی ہے، رجنی کانت بھی۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "لیکن پربھاکر جی! رجنی کانت دوسری عورتوں سے مختلف ہے۔ اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو دوسری عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "یہ ناممکن ہے مہاراج! کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ لومڑی ہو مگر عیاری اور چالاکی سے محروم، گائے ہو مگر شیر جیسی بہادر، چیتا ہو مگر کچھوے جیسا سست رو، آگ ہو مگر برف کی طرح سرد، برف ہو مگر آگ کی طرح گرم اور دہکتی ہوئی۔ جس کی جو سرشت ہے وہ اس میں اسی طرح موجود رہے گی جس طرح نور میں شعاعیں، کرنیں۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "پربھاکر جی! تم کچھ بھی کہو میرے دل سے تو رجنی کانت نہیں نکلتی۔ شیو جی کی سوگند، اگر وہ داسی نہ ہوتی تو آج میرے پہلو میں ہوتی۔ تم یقین کرو، وہ ایسی موہنی اور سوہنی ہے کہ اس کی مورتی دل میں رچ بس گئی ہے۔ میں کہیں بھی رہوں، کہیں بھی جاؤں وہ میری نظروں میں سمائی رہتی ہے۔"

پربھاکر کے دل پر آرے چل رہے تھے۔ حسد اور رقابت کی آگ اس

کو جلاتے دے رہی تھی۔ اس نے پھر پوری کوشش کی کہ وہ مالی راؤ کو عورت کی طرف سے بدظن کر دے۔ بولا "مہاراج! پرانوں کی سوچ اور گیان پر شبہ کرنا گیانی میں داخل ہے۔ انہوں نے عورت کے درجے کا جو تعین کر دیا ہے وہ کافی ہے۔ منو جی نے اپنے شاستر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں، ان کی پرورش کریں اور پھر روز خانہ داری کے کام میں مشغول رہیں۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "میں خود بھی عورت کو اس سے زیادہ درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ میری ماں اہلیا بائی بھی چونکہ عورت ہے اس لئے میں اپنے معاملات میں اس کی بات بھی ماننے کو تیار نہیں حالانکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے راج دربار کے بڑے بڑے گیانی اور دودھوان یہاں تک کہ پروہت پنڈت تک عورت کی بات مان رہے ہیں اور اس کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔"

پربھاکر باتوں میں چھپے ہوتے طنز اور اشارے کو سمجھ رہا تھا، بولا "میں جس عورت کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ماں نہیں عورت ہے آپ کو رجنی کانت اور اس جیسی دوسری عورتوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔"

مالی راؤ نے لاپرواہی سے جھڑک دیا۔ "میری ماں کو معلوم نہیں تجھ میں کیا نظر آ گیا تھا جو مجھ پر مسلط کر دیا۔ جا، دفع ہو جا، اپنا کام کر اور میرے معاملات میں دخل نہ دے۔"

پھر تالی بجائی تو دوارکا حاضر ہو گیا۔ مالی راؤ نے کہا۔ "دوارکا! پروہت جی کو خبر کر دے کہ آج شام میں شیو جی کے چرنوں میں حاضری دوں گا۔"

پربھاکر نے جاتے جاتے کہا۔ "مہاراج! میں ملہار راؤ کے راج سنگھاسن کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی ذمے داریاں پوری کروں گا۔"

دوارکا نے باہر نکلتے ہوئے پربھاکر سے سرگوشی میں کہا۔ "نوجوان بھاٹ! اپنے جیون کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے، سیدھی طرح چاکری کر ورنہ خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"

پربھاکر باہر نکلا تو سیدھا اہلیا بائی کے پاس پہنچا اور مالی راؤ کی شکایتیں کرتا رہا۔ اہلیا بائی بڑے تحمل سے سنتی رہی بولی۔ "پربھاکر جی! اگر پہلے مجھے اندازہ ہوتا کہ مالی راؤ ایسا ہے تو میں اس کے لئے کوئی کوشش نہ کرتی۔"

پربھاکر نے بڑی دل سوزی سے کہا۔ "بھگوان کے لئے مہاراج کو روکیئے،

ورنہ اس کوشش میں میں مارا جاؤں گا۔"

اہلیا بائی نے افسوس سے جواب دیا۔" پربھاکر جی! میں مجبور ہوں، تم بھی سوچ سمجھ کے کام کرو، میں اس کا حل تلاش کر رہی ہوں۔ مالی راؤ سے جھگڑو نہیں، کیونکہ اس کے لئے تم دوست بن کر تو کچھ کر سکتے ہو مگر دشمنی کر کے کچھ بھی نہیں کر سکتے، تم ودھوان ہو، گیان سے کام لو، بھگوان نے چاہا تو حالات پر جلد قابو پا لو گے۔"

لیکن پربھاکر کے گیان اور بدھی پر نورجہنی کانت نے قبضہ جما رکھا تھا، اگر بیچ میں رجنی کانت نہ آگئی ہوتی اور مالی راؤ رجنی کانت پر مائل نہ ہو گیا ہوتا تو پربھاکر مالی راؤ کے ذہن کو بدل دینے میں باآسانی کامیاب ہو جاتا۔ اس کو یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ پروہت اور مالی راؤ میں کوئی معاملت ہو چکی ہے ورنہ وہ شیوجی کے چرنوں میں حاضری نہ دیتا۔ وہ کچھ دیر رک کر کسی کو کچھ بتائے بغیر راج بھون سے نکلا اور پروہت جی کے پاس چل دیا۔

راستے میں اس کا باپ مل گیا۔ وہ خاص طور پر یہ کہنے آیا تھا کہ" بیٹے! اپنے کام سے کام رکھو، سیاست میں نہ پڑو، اپنے گیان اور بدھی کو دولت کمانے میں صرف کرو اور ویسی ہی باتیں کرو جیسی مالی راؤ سننا چاہتا ہے۔"

لیکن پربھاکر باپ سے بھی ناراض ہو گیا، بولا۔" پتا جی! آپ تو مارواڑ کے معزز انسان ہیں، اور آپ کو شر کے مقابلے میں خیر بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

باپ نے جواب دیا۔" پربھاکر! تو شر کا مقابلہ اس صورت میں تو کر سکتا ہے کہ تو زندہ رہے لیکن، اگر تو مار دیا جائے تو پھر شر کا مقابلہ کون کرے گا؟ میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ رہے اور مالی راؤ کے شر کو بھی کچل دے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تو کم عقل راجا کی ہاں میں ہاں ملا اور اپنی بدھی اور گیان کی چوٹیں لگا کر راجا کی جہالت کی دھار کو کند کر دے۔ تو پہلے راجا کی خوشامد کر پھر خوشامد کروا۔"

پربھاکر نے تلخی سے کہا۔" لیکن میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے پرانوں کے افکار میں پڑھا ہے کہ جب کسی راجا کے وید، گرو اور دیوان اس کی خوشامد کرنے لگیں تو راجا کو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا چاہئیں۔ میں راجا کا خوشامدی

دشمن نہیں بن سکتا۔"

باپ نے طیش میں کہا۔ "پربھاکر! تب پھر تو بھی ہمارا فیصلہ سُن لے۔ میں، تیری ماں اور بھائی بہن نے مل جل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تجھ کو راج دربار میں بھیج کر دولت کمائی جائے لیکن تو راجا کے پاس پہنچ کر بھی وہی کام نہیں کر رہا ہے جس کی نتیجہ سے امید کی جا رہی تھی اس لئے اب میں نے پورے گھر کی تائید سے یہ فیصلہ کر لیا کہ مہاراج مالی راؤ کے دربار میں پہنچ جاؤں اور تیری جگہ لے کر دولت کے دھارے کا رُخ اپنے گھر اور کنبے کی طرف کر دوں۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "آپ جو چاہے کریں لیکن جب تک میں وہاں موجود ہوں، اسی طرح کام کرتا رہوں گا۔"

باپ نے جدا ہوتے ہوتے کہا۔ "گھر میں تنگی ہے، زر و مال بھیج ورنہ دو دن بعد میں خود بھی آ رہا ہوں۔"

لیکن پربھاکر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، وہ باپ کی دھمکی کی پرواہ کیئے بغیر پروہت جی کے پاس پہنچ گیا۔ پروہت جی اس وقت سوتے ہوتے تھے پربھاکر کی ذلّت کا تماشا جن لوگوں نے دیکھا تھا وہ یہاں بھی موجود تھے، اس کو دیکھ کر مسکرانے لگے لیکن پربھاکر کے علم و دانش کے سبھی قائل تھے۔ ہنسنے والوں میں سے کسی نے رجنی کانت کو پربھاکر کی آمد سے مطلع کر دیا۔ رجنی کانت ایک بار پھر پربھاکر سے ناراض ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چادر اوڑھ کر پڑ رہی۔

پربھاکر مندر کی اندرونی حدود میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا اس کا خیال تھا، اس کی آمد کی خبر سن کر رجنی کانت اس کے پاس، ضرور آجائے گی لیکن وہ نہیں آئی۔ پربھاکر شیو جی کے تانڈو ناچ والی مورتی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بچشم نم شیو جی سے بنتی کرنے لگا کہ اس معرکۂ خیر و شر میں اس کو جیت کی توفیق اور ہمت عطا کی جائے۔ وہ بھرّائی ہوئی آواز میں شیو جی سے کہہ رہا تھا کہ مالی راؤ جیسے نادان اور جاہل سے حکومت چھین کر کسی گیانی سورما کو دے دی جائے۔

وہ شیو جی کی مورتی پر نظریں جمائے گڑگڑانے میں مشغول تھا کہ اچانک اس کو یوں لگا گویا شیو جی کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی ہے اور وہ

بلدی جلدی پلکیں جھپکا رہی ہیں۔ وہ دہل گیا اور دل زور سے دھڑکنے لگا۔
ونگٹے کھڑے ہو گئے۔

کچھ دیر بعد وہ بوجھل قدموں سے باہر نکلا اور پکریا کی جڑ میں جا بیٹھا۔
وہی جگہ تھی جہاں ایک بار وہ رجنی کانت کے ساتھ بیٹھ چکا تھا، زمین پر گدیوں
افرش بچھا ہوا تھا۔ پاؤں تلے کچلی ہوئی گدیاں پچی ہوئی پڑی تھیں، پکریا کی جڑ
ں وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ معلوم نہیں کیا سوچ رہا تھا اور تحت الشعور میں یہی
بیٹھا تھا کہ اس کی آمد کی خبر پاکر رجنی کانت وہاں ضرور آجائے گی لیکن وہ بڑی
یر تک نہیں آئی کافی دیر بعد اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو
ہ رجنی کانت کے خیال میں فوراً ہی گھوم گیا۔ وہاں ایک دوسری ہی داسی کھڑی
سکرا رہی تھی، سانولی رنگت اور متوازن اعضاء میں نمکین حسن کا پیکر۔ اس نے مسکرا
ر پوچھا۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تو عورتوں کی مذمت کیوں کیا کرتا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "عورتوں کی مذمت میں کہاں کرتا ہوں، یہ تو پرانوں
ے افکار ہیں جنھیں میں دہرایا کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض منو جی نے اپنی شاستر
ں لکھ دیئے ہیں بعض پنچ تنتر کے ہیں اور بعض کا تعلق ہتوپدیش سے ہوتا ہے۔"

داسی نے کہا۔ "وہ کسی کی سوچ ہو ہم تو عورتوں کی ساری برائیاں بس تیری
ان سے سنتے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری داسیاں، ساری ناریاں
جھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔"

پربھاکر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "کیا ان ناراض ہونے والی داسیوں
ر ناریوں میں رجنی کانت بھی شامل ہے؟"

داسی نے جواب دیا۔ "ہاں وہ بھی ناراض ہے۔ شاید سب سے زیادہ
ض ہے۔"

پربھاکر نے پوچھا۔ "لیکن وہ ہے کہاں؟ وہ یہاں کہیں نظر کیوں نہیں
ہی ہے؟"

داسی نے جواب دیا۔ "اس کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ تو آیا ہوا ہے، وہ اپنی
ی میں لیٹ گئی اور منہ کو چادر میں چھپا لیا۔"

پربھاکر نے کہا۔ "دیوی جی! تم مجھے اس کوٹھری تک پہنچا دو، میں اس کی
فہمیاں دور کرنا چاہتا ہوں۔"

داسی نے انکار کیا۔ "نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ تجھ سے پربھا کر جی بھی ناراض ہیں۔"

پربھاکر نے گزارش کی۔ "اچھا تب پھر تم رجنی کانت کی کوٹھری دور ہی سے دکھادو۔ میں خود ہی مل لوں گا اس سے جا کر۔"

داسی اس کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی اور رجنی کانت کی کوٹھری کو اشارے سے بتا کر غائب ہو گئی۔

پربھاکر اس کے دروازے کی جھری سے اندر جھانکنے لگا۔ اس نے کسی کو چادر میں سویا ہوا دیکھا تو آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے رجنی کانت نے مغموم آواز میں پوچھا۔ "کون ؟"

پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! میں ہوں پربھاکر، دروازہ کھولو۔"

رجنی کانت نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "تو بھاگ جا یہاں سے چلا جا۔ میں تجھ سے نہیں ملوں گی۔ تو ہمیں گالیاں کیوں دیتا ہے ؟"

پربھاکر نے عاجزی سے کہا۔ "میں گالیاں نہیں دیتا رجنی کانت! تم غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو اور کچھ نہیں ورنہ یہ صورتحال نہ ہوتی۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "لیکن میں ملنا ہی نہیں چاہتی۔ تم نے میرے دل پر بڑے گھاؤ لگائے ہیں پربھاکر! میرے دل میں ناسور ڈال دیا ہے۔"

پربھاکر نے عاجزی سے کہا۔ "رجنی کانت! وہ میرا داؤ تھا۔ ورنہ میں ایسی بات کبھی بھی نہ کرتا۔"

رجنی کانت آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ پربھاکر نے ادب سے پوچھا۔ "تم رو کیوں رہی ہو ؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "پربھاکر جی! میں زمانے کی ستائی اور ٹھکرائی ہوئی کنیا ہوں، میں نے تمہیں عقلمند اور اپنا دردمند سمجھا تھا لیکن تم کو جب بھی بولنے کا وقت ملتا ہے تم میرے اور جملہ داسیوں اور ناریوں کے خلاف ہی بول جاتے ہو۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔"

پربھاکر نے ہنس کر کہا۔ "اری سادہ لوح لڑکی! میں نے تو مہاراج کے سامنے تیری اور جملہ ناریوں اور داسیوں کی برائیاں کر کے یہ چاہا تھا کہ میری باتیں مہاراج مالی راؤ کے دل میں اتر جائیں اور وہ تجھ سے نفرت کرنے لگیں لیکن افسوس

کہ ایسا نہیں ہوا۔ اے کاش ایسا ہو گیا ہوتا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "لیکن پھر بھی تجھ کو ایسا نہیں کہنا تھا۔"

پربھاکر نے بڑی سادگی سے گالوں کو خود ہی تھپتھپایا اور توبہ توبہ کرنے لگا، بولا۔ "آئندہ میں خیال رکھوں گا۔"

رجنی کانت نے روہانسے لہجے میں کہا۔ "پربھاکر جی! تم سچ سچ بتاؤ، اس دنیا میں میرے لئے کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ منتوں مرادوں سے پیدا ہوئی تو منت کے مطابق مجھ کو مندر کی داسیوں میں شامل کر دیا گیا۔ اب یہاں میں جس طرح جی رہی ہوں، کچھ میں ہی جانتی ہوں۔"

پربھاکر نے پوچھا۔ "تم یہاں کس طرح جی رہی ہو؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟"

رجنی کانت کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، بولی۔ "میں کیا بتاؤں، کس طرح بتاؤں؟"

پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! پروہت جی کے بقول میں شیو جی کا اوتار ہوں اور تو میری استری ہے، پھر میں پریشان ہوں اور تو بھی پریشان ہے۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "اب تم شیو جی کے اوتار نہیں رہے، کیونکہ پروہت جی کو تم سے بڑا ذریعہ مل گیا ہے۔ وہ مال و زر کا لوبھی پکا دنیادار ہے۔ بس انہی باتوں پر سوچ سوچ کر رونا آجاتا ہے۔"

پربھاکر نے آہستہ سے کہا۔ "رجنی کانت جی! تم ابھی کسی سے لڑنا مت۔"

رجنی کانت نے نہ لڑنے کا وعدہ کر لیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ "اے کاش، تم واقعی ایشور کے اوتار ہوتے تو مزہ آجاتا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "جو مزہ انسان ہونے میں ہے وہ اوتار میں نہیں۔"

رجنی کانت ایک بار پھر پربھاکر کی ذات میں کھو گئی۔ اس نے پربھاکر کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ اس نے بتایا کہ پروہت جی لالچی ہیں اور پہلے جو پربھاکر کو شیو کا اوتار قرار دیا گیا تھا تو اس کی تہہ میں ان کا یہ مقصد کارفرما تھا کہ تم مہاراج مالی راؤ کے خزانے سے انہیں مال و زر فراہم کرتے رہو گے اور

پروہت جی دولت مند ہوتے چلے جائیں گے لیکن پھر جب خوش قسمتی سے وہ خود ہی مہاراج تک پہنچ گیا تو پروہت جی نے تم کو ادتار سے نکال باہر کیا۔ اب مالی راؤ شیو جی کا اوتار ہے اور وہی ہم سب کی منزلِ مراد بھی۔ اب میں مالی راؤ کی امانت قرار پا چکی ہوں۔"

پربھاکر کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ تلملا گیا، پوچھا۔"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا رجنی کانت؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔"پربھاکر جی! باہر کوئی ہماری باتیں سُن تو نہیں رہا؟"

پربھاکر کوٹھری سے باہر گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہیں سے جواب دیا۔ "یہاں کوئی بھی تو نہیں۔"

وہ دوبارہ اندر داخل ہوگیا۔

رجنی کانت نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔"پربھاکر جی! میں بظاہر تو شیو جی کی داسی ہوں مگر حقیقتاً میں پروہت جی کی داسی ہوں

اب میں پروہت کے حکم پر مالی راؤ جی کی داسی بن جاؤں گی اور اس کے دل کی زینت بن جاؤں گی۔"

پربھاکر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ بھیانک لہجے میں بولا۔"رجنی کانت! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔"تمہارے کان جو کچھ سُن رہے ہیں، وہی میں کہہ رہی ہوں۔"

پربھاکر نے تلملا کر کہا۔"تو یہ پروہت جی بھی۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں یہ پروہت جی بھی۔ یہاں کی ایک بھی داسی پروہت اور ان کے چیلوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بھگوان نے ہمیں بھی نفس دیا ہے، ہم کو بھی خواہشیں ملی ہیں اور اس پُراسرار نظام میں ہمیں اپنے نفس کی تسکین کے لئے جو کچھ اور جس طرح میسّر آجاتا ہے غنیمت لگتا ہے۔ اے کاش تم میرے لئے کچھ کرتے، اے کاش میں تم کو حاصل کر سکتی۔ اے کاش اے کاش۔"

پربھاکر سناٹے میں آگیا۔ اور خیالوں میں گم صُم کچھ سوچتا رہا۔

رجنی کانت نے مایوسی سے کہا۔"لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے مطمئن

نہیں ہوں، خوش نہیں ہوں۔ تم اُلجھے ہوئے مایوس انسان ہو جس کو گیان دھیان کی باتوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ تم تو بس بال کی کھال نکالتے رہو۔"
پربھاکر کا دماغ پھر رہا تھا۔ اس نے رجنی کانت کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔
رجنی کانت نے کہا۔"میرا کام ایک بہادر آدمی انجام دے سکتا ہے لیکن باتونی نوجوان تم ایسا نہیں کر سکتے، تم یہ کام نہیں کر سکتے۔"
پربھاکر نے کہا۔"رجنی کانت! میں سب کچھ کر سکتا ہوں، تم یہ پوچھو کہ میں کیا نہیں کر سکتا۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے نہیں ہونا چاہیئے، میں اس کی مخالفت اور اس کے خلاف مزاحمت کروں گا۔ خواہ اس راہ میں میں کام ہی کیوں نہ آجاؤں۔"
رجنی کانت نے آہستہ سے کہا۔"وہ میں بھی دیکھوں گی۔"
رجنی کانت کو اچانک احساس ہوا کہ اس کی کوٹھری کے سامنے کچھ لوگ موجود ہیں۔ اس نے کہا۔"پربھاکر جی! شاید باہر کوئی موجود ہے۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔"رجنی کانت! تم شکی ہو گئی ہو، ابھی ابھی تو میں دیکھ کر آیا ہوں، وہاں کوئی بھی نہیں۔"
رجنی کانت نے نہایت توجہ سے آہٹیں سننے کی کوشش کی اور سرگوشی میں کہا۔"پربھاکر جی! ذرا غور سے سنو۔ اب تو آہٹیں صاف سنی جا سکتی ہیں۔ سنو تو۔"
پربھاکر بھی چُپ ہو گیا اور آہٹیں سننے لگا۔ واقعی لوگوں کے بھنبھنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہا۔"میں باہر جا کر دیکھتا ہوں، یہ کون ہے جو چوروں کی طرح ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔"
باہر پروہت جی، ان کے کئی چیلے، چند دیو داسیاں اور دو دار کا تیوریاں چڑھائے کھڑے تھے، پربھاکر کو دیکھتے ہی انہوں نے بے ہنگم شور کیا۔ پروہت اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھا اور پربھاکر سے پوچھا۔"اندر کون ہے؟"
پربھاکر کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی، وہ گھبرا گیا تھا آں اوں کر کے رہ گیا۔
پروہت تیزی سے آگے بڑھا اور پربھاکر کو ایک طرف ہٹا کر کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ وہاں ڈری سہمی رجنی کانت دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

پروہت نے سختی سے سوال کیا۔ "پربھاکر یہاں کیا کر رہا تھا؟"
رجنی کانت نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔ "باتیں۔"
پروہت جی نے رجنی کانت کو گھور کر دیکھا۔ "صرف باتیں؟"
رجنی کانت نے جواب دیا۔ "ہاں، صرف باتیں۔"
پروہت نے پوچھا۔ "کیسی باتیں؟ کیا باتیں کر رہا تھا؟"
رجنی کانت نے جواب دیا۔ "وہ مجھے نصیحتیں کر رہا تھا اور کہتا رہا تھا کہ ایک داسی کو کیسا ہونا چاہیے اور اپنے نفس پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔"
پروہت کے پیچھے پربھاکر بھی اندر داخل ہو چکا تھا اور اس نے رجنی کانت کا جواب سن لیا تھا۔ پروہت پیچھے مڑا اور اپنے پیچھے پربھاکر کو کھڑا دیکھ کر برہم ہو گیا۔ بولا۔ "پربھاکر جی! انہیں میری اجازت کے بغیر اندر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ رجنی کانت کی کوٹھری میں چوری چھپے آ کر اور تنہائی میں من مانی کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔ معاملہ سنگین اور نازک ہے۔"
باہر چیلے زور زور سے کہہ رہے تھے۔ "باہر والوں کی مندر کی حدود میں من مانی نہیں چلے گی۔"
دوار کا کہہ رہا تھا۔ "پربھاکر جی! تم تو ناریوں کے دشمن اور گیانی انسان ہو، میں تو تمہیں بھگت سمجھتا تھا لیکن یہ آج میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"
پروہت جی نے رجنی کانت کو کوٹھری ہی میں چھوڑا اور پربھاکر کو شانے سے پکڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر چیلوں اور داسیوں کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا اور جب سب چلے گئے۔ تو دوارکا سے کہا۔ "دوارکا! میں مہاراج سے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔ میں تیرے ساتھ چلوں گا۔"
پربھاکر بہت شرمندہ تھا، پروہت سے کہا۔ "پروہت جی! سیدھی سادی باتوں کو غلط رنگ نہ دو۔"
پروہت جی نے گرمی سے کہا۔ "پربھاکر جی! تم تو بولو نہیں کیونکہ تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر مجھ کو شرم آ رہی ہے۔"
پربھاکر نے غصے سے کہا۔ "بکواس، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، مجھ پر خواہ مخواہ الزام نہ لگاؤ۔"
دوارکا نے پروہت کا ساتھ دیا۔ "پربھاکر جی! اب باتیں بنانے سے کچھ

حاصل نہیں، پرد ہت جی نے ایک دنیا دیکھی ہے اور یہاں کے معاملات کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔"

پرد ہت جی نے سختی سے کہا۔" پربھاکر جی! میں تو تمہیں کبھی نہیں جانے دوں گا۔ تم ہم دونوں کے ساتھ ہی چلو گے کیونکہ رجنی کانت کے معاملے میں میں خود ذمہ داری نہیں لے سکتا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔" میں گناہ گار نہیں ہوں پرد ہت جی! تم اطمینان رکھو! میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا اور یہ ناٹک جو تم نے رچایا ہے، میں لمحوں میں بگاڑ دوں گا۔"

دوارکا نے کہا۔" پربھاکر جی! تم یہ اور برا کر رہے ہو، اگر تم اپنے کئے پر نادم ہو جاتے اور پرد ہت جی سے معافی مانگ لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔" پھر پرد ہت جی کو ایک طرف لے جا کر سرگوشی میں سمجھایا۔" پرد ہت جی! میرا خیال ہے اس معاملے کو یہیں ختم کر دیا جائے، کیونکہ معاملے کو جتنا بڑھاؤ گے اتنی ہی گندگی اچھلے گی۔ مہاراج مالی راؤ کے مزاج کا کوئی بھروسا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ پربھاکر کو معاف کر کے ہم میں سے کسی کو خطا کار ٹھہرا دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پربھاکر ہی کو گناہ گار ٹھہرا کر قتل کرا دیں کیونکہ کسی کو قتل کرا دینا تو مہاراج کے لئے نہایت معمولی بات ہے۔"

لیکن پرد ہت جی نے صاف انکار کر دیا۔ کہا۔" نہیں دوارکا جی! ایسا نہیں ہو سکتا، میں مہاراج کو لاعلم نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ بات دوسروں کے علم میں آ چکی ہے اور اگر میں چپ ہو جاؤں گا تو میں خطا کار ٹھہروں گا۔"

دوارکا نے آہستہ سے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔" بہتر ہے لیکن میں آپ سے متفق نہیں ہو سکتا۔"

یہ دونوں پربھاکر کے پاس پہنچے اور کہا۔" تب پھر چلو پربھاکر جی! بھگوان ہم پر رحم کریں، معاملہ بڑا گمبھیر ہے۔"

پربھاکر نے کھسیائے لہجے میں جواب دیا۔" چلو، میں تیار ہوں۔"

اور یہ تینوں مالی راؤ کے پاس چل دیتے۔ پربھاکر خود کو بے گناہ اور پاک سمجھ رہا تھا۔ یہ پاکی اور بے گناہی اس میں ہمت اور حوصلے کی استقامت پیدا کر رہی تھی لیکن آہستہ آہستہ ہمت اور حوصلہ رخصت ہونے لگا اور وہ اپنے

وجود میں خوف اور دہشت کی سرد لہریں محسوس کرنے لگا۔
مندر کے دروازے پر بنڈی (رتھ) ان تینوں کا انتظار کر رہی تھی پروہت دولنوں سے پہلے رتھ میں بیٹھ گیا، اس کے بعد پربھاکر اور دوارکا بیٹھ گئے۔ تینوں خاموش تھے، گم صم معلوم نہیں کیا سوچ رہے تھے۔ رتھ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا اور راج بھون قریب آتا جا رہا تھا، پربھاکر کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

*　　　*　　　*

دن ڈھل رہا تھا اور سورج مغرب میں جھکتا جا رہا تھا، سائے لمبے ہو گئے تھے۔ راستے میں راہ گیروں نے پروہت کو جب بھی دیکھا، پرنام کیا۔ پربھاکر نے اچانک سوال کر دیا۔ "پروہت جی! تم نے مجھے شیوجی کا اوتار کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس طرح رجنی کانت میری بیٹی ہے اور آج تم مجھ کو ذلیل کرنے پر تل گئے ہو۔ آخر کیوں؟"
پروہت نے جواب دیا۔ "اس وقت تک میں نے تم کو گیانی، ودیا ہی اور دھوان سمجھتا تھا۔ اگر تم شیوجی کے اوتار بھی تھے تو اس طرح تم کو زیادہ ذمے دار اور محتاط ہونا چاہیے تھا۔"
راج بھون کا صدر دروازہ پروہت اور پربھاکر کو دیکھتے ہی کھل گیا۔ رتھ اندر داخل ہو گیا۔ مالی راؤ کی داسیوں نے اطلاع دی کہ مالک آرام کر رہے ہیں۔
دوارکا نے انہیں مہمان خانے میں بٹھا دیا اور داسیوں سے کہا کہ "جیسے ہی مالک بیدار ہو جائیں، پروہت، پربھاکر اور دوارکا کی آمد کی اطلاع دی جائے۔"
وہ تینوں دو گھنٹے تک انتظار کی زحمت جھیلتے رہے۔ شام سے ذرا پہلے مالی راؤ بیدار ہو گیا۔ لیکن مالی راؤ سے پہلے ان تینوں کے پاس اہلیا بائی پہنچ گئی اور پھر وہ ہت اور دوارکا کے درمیان پربھاکر کو دیکھ کر پریشان ہو گئی، پروہت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے پروہت جی! آج یہ تگڈم کیسے نظر آ رہی ہے؟"
پروہت جی یہ مقدمہ اہلیا بائی کے سامنے نہیں پیش کرنا چاہتے تھے کیونکہ

اہلیا بائی ہر حالت میں پرکھاکر کا ساتھ دیتی۔

مالی راؤ نے بیدار ہونے ہی ان تینوں کو طلب کر لیا۔ اہلیا بائی بھی بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔ مالی راؤ کو ماں کی موجودگی سے کوفت ہو رہی تھی۔ ماں کو درشتگی سے مخاطب کیا۔ "ماں جی! آپ کو راج پاٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے آخر؟ آپ نے تو میرا پیچھا پکڑ لیا ہے۔ بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کرو اور اپنی مرضی سے راج کرنے دو۔"

اہلیا بائی کا کلیجہ شق ہونے لگا۔ بیٹے کی باتوں نے اس کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ بولی۔ "مالی راؤ! میں تیری ماں ہوں اور اس راج کی نگراں بھی۔ میں نے ہی تجھ کو راج دلایا ہے اور میں ہی اس راج کو چلاؤں گی۔ تُو نادان ہے تُو بچے کی طرح میری انگلی پکڑے رہ۔ آخر یہ تینوں یہاں کیوں آتے ہیں؟"

مالی راؤ نے جل کر جواب دیا۔ "یہ تینوں مجھے گرفتار کرنے آتے ہیں۔ اب بچایئے ان تینوں سے مجھ کو۔"

اہلیا بائی سمجھ گئی کہ مالی راؤ جلی کٹی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ غصے میں زور زور سے پاؤں پٹک کر بولی۔ "کم عقل اور بے وقوف لڑکے! میں جانتی ہوں کہ اس وقت تو کیا چاہتا ہے؟ شاید تنہائی؟" اس کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی اور یہ کہتی گئی کہ "میں یہاں سے جا رہی ہوں لیکن تُو جیسی فصل بو رہا ہے اس کا شاندار۔۔۔۔"

لیکن مالی راؤ معلوم نہیں کیوں اور کس بات پر چیخنے چلانے لگا، جس میں اہلیا بائی کی آواز دب گئی اور اس کا پورا فقرہ بھی کوئی نہیں سن سکا۔

جب مالی راؤ کو اچھی طرح یہ یقین ہو گیا کہ اہلیا بائی دُور دُور تک موجود نہیں، تو ہنسنے لگا۔ پروہت اور دوارکا سے کہا۔ "اگر میں یہ ناٹک نہ کرتا تو میری ماں ابھی تک یہیں موجود ہوتی۔ وہ تو مجھے انگلی پکڑا کے چلانا چاہتی ہے۔"

پروہت جی نے بُرا سا منہ بنایا اور کہا۔ "مہاراج! بڑا غضب ہو گیا۔ وہ تو یہ پرکھاکر بھی اپنے درمیان ہی میں موجود ہے ورنہ یہ مسئلہ حق پرستوں کی محفل میں سنایا جا رہا ہوتا۔"

مالی راؤ نے برہمی سے کہا۔ "پروہت جی! اور کچھ کہنا ہے یا بس؟"

پروہت جی نے جلدی جلدی ساری روداد سنا دی اور عرض کیا۔ "مہاراج!

اس میں میرا کوئی دوش نہیں، جو کچھ بھی ہوا ہے پربھاکر ہی اس کا ذمے دار اور خطا کار ہے۔"

اب پربھاکر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے پورے جوش و خروش سے پروہت کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس نے چیخ چیخ کر کہا "میں مندر گیا تھا اور بہنوں کے سامنے گیا تھا لیکن کسی کے پاس بری نیت سے نہیں گیا تھا۔ میں اس کے لئے سوگند کھا سکتا ہوں۔ میں بالکل بے گناہ اور پاک ہوں۔"

مالی راؤ پروہت کی زبانی تفصیل سن کر کچھ پریشان ہو گیا تھا لیکن جب پربھاکر نے زور و شور سے اس کی تردید کی تو وہ کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اس نے پربھاکر سے پوچھا۔ "تو وہاں کیوں گیا تھا؟"

پربھاکر نے جواب دیا "مہاراج! میں مندر میں پہلی بار تو نہیں گیا تھا آج پہلے بھی تو جاتا رہا ہوں۔"

مالی راؤ نے چڑچڑے پن سے کہا "میں آج کی بابت پوچھ رہا ہوں۔ تو آج وہاں کیوں گیا تھا اور خاص کر رجنی کانت کے پاس تیرا کیا کام تھا؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "مہاراج! جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نصیحتیں کرنے کا عادی ہوں، میں چپ چاپ نہیں رہ سکتا چنانچہ آج میں رجنی کانت کو نصیحتیں کرنے پہنچ گیا تھا۔"

مالی راؤ مسکرا دیا۔ پوچھا۔ "تو نے رجنی کانت کو کیا نصیحتیں کیں؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں نے اس کو سمجھایا کہ دیوداسی کو کس طرح زندگی گزارنا چاہیئے اور یہ کہ سرکش نفس کو دبانے اور قابو میں کرنے کی تدبیریں کیا ہیں؟"

مالی راؤ زور زور سے ہنسنے لگا، پروہت سے کہا "پروہت جی! تم بلا وجہ پریشان ہو گئے۔ تم پربھاکر کو نہیں جانتے لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ اس کو بہت زیادہ بولنے اور نصیحتیں کرنے کی عادت ہے اور عادت آدمی کو بے بس اور مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ایک معصوم اور سچا نوجوان ہے ہمیں اس پر بے ہودہ شکوک نہیں کرنا چاہئیں۔"

پروہت کھسیا گیا بولا "لیکن مہاراج! . . . . ."

مالی راؤ نے بات کاٹ دی "پروہت جی! اب لیکن ویکن ختم کرو۔ اس

موضوع کو بند کرو، بالکل ختم کرو کیونکہ میں معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں۔ بھلا سوچو تو سہی کہ جو شخص ہر وقت عورت کو برا بھلا کہتا رہتا ہے اور اس کو ذلیل و خوار کرتا پھرے۔ اس پر اس قسم کا شک کرنا کہاں تک جائز اور مناسب ہے؟"

پروہت نے پھر کسمساہٹ سے کہا۔ "لیکن منش تو منش ہی ہے یہ سب کچھ۔۔۔۔"

مالی راؤ ناراض ہو گیا۔ "یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟ میں پربھاکر پر اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا۔ اب تم دوسری باتیں کرو۔" پھر پوچھا۔ "آج شام کو میں مندر پہنچ رہا ہوں، تم کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟"

پروہت نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "یاد ہے، اچھی طرح یاد ہے۔"

مالی راؤ نے پھر سوال کیا۔ "کیا تم نے رجنی کانت سے بات کر لی؟"

پروہت نے جواب دیا۔ "ہاں بات کر لی، وہ راضی ہے اور وہ یوں بھی میری مرضی اور حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔"

مالی راؤ نے خوش ہو کر کہا۔ "بہت خوب، بہت خوب۔ کچھ دیر بعد میں آرہا ہوں۔"

پروہت بے دلی سے اٹھ کھڑا ہوا، بولا۔ "تب پھر مہاراج! میں چلتا ہوں۔"

مالی راؤ بھی کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پربھاکر اور رودوارکا بھی کھڑے ہو گئے۔ مالی راؤ پروہت کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک چلتا رہا، بولا۔ "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، کل کے بعد تم کاروبار میں روپیہ لگا سکو گے۔ میں انتظام کر دوں گا۔"

پروہت کے مردہ چہرے پر بہار آگئی۔ مسکرا کر پوچھا۔ "جناب والا! اگر وہ انتظام کل ہی کر دیا جائے تو خوب ہو۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "کل ہی انتظام کر دیا جائے گا تم تردد نہ کرو۔"

پروہت خوش خوش رتھ میں بیٹھا اور مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پروہت کے چلے جانے کے بعد مالی راؤ پربھاکر کو اپنے ساتھ لے کر

تخلیے میں چلا گیا۔ دوارکا کو رخصت کر دیا گیا، پربھاکر خوفزدہ تھا کیونکہ پرو ہت کے جانے ہی مالی راؤ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فکر مند نظر آتا تھا۔ پربھاکر نے ٹٹو لینے کے لیے جانے کی اجازت چاہی مگر مالی راؤ نے جانے کی اجازت نہیں دی، بولا۔ "پربھاکر جی! میں نے پروہت کے سامنے بات نہیں بڑھائی مگر اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم رجنی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں جانے کی وجہ ایک بار بتا چکا ہوں اس لیے دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔"

مالی راؤ نے پربھاکر کی گدی پکڑ لی۔ "میں تمہاری عزت کرتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری عزت سے کھیلنے لگو۔"

پربھاکر نے کسمسا کر گردن چھڑانے کی کوشش کی مگر مالی راؤ کی انگلیاں گوشت میں بُری طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ مالی راؤ اس کی ناکام کوشش سے خوش ہوا، بولا۔ "میری انگلیاں تیری عقل سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہیں۔"

پربھاکر نے ایک بار پھر گردن چھڑانے کی کوشش کی لیکن پھر ناکام رہا، پربھاکر نے کہا۔ "آپ جسمانی قوت میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ رہا عقل کا معاملہ تو اس میں آپ سمیت کتنے ہی الجھ جائیں، آخر میں ہر شخص ناکام رہے گا۔"

مالی راؤ نے گرفت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ "پربھاکر جی! باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم رجنی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "مہاراج! میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں رجنی کانت کو نصیحتیں کرنے گیا تھا۔"

مالی راؤ اور پربھاکر کی روداد کسی داسی نے اہلیا بائی کو گوش گزار کر دی، وہ بھاگی بھاگی ان دونوں کے پاس پہنچی اور پربھاکر کی گدی مالی راؤ کی گرفت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے مالی راؤ کو دھکا دے کر ہٹا دیا، بولی۔ "یہ کیا کر رہا ہے تو؟ مالی راؤ! یہ ماروبھاٹ ذات سے تعلق رکھتا ہے، پربھاکر جی کو کوابذا پہنچا کر تو ہمیشہ دکھی رہے گا۔"

مالی راؤ، ماں کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا۔ جھنجلا کر بولا۔ "ماں جی! تم راج پاٹ کے معاملوں میں مت بولو ورنہ مجھے کچھ اور سوچنا اور کرنا پڑے گا۔"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "مالی راؤ! تو سپنو لیا ہے، تو شریفوں اور عزت داروں سے اس طرح پیش آتا ہے گویا یہ چاکر اور داس ہیں۔ بھگوان کے لیے سنبھل جا، ورنہ اس کا نتیجہ کم از کم تیرے حق میں بہت برا نکلے گا۔"

مالی راؤ نے پربھاکر کو چھوڑ دیا، ماں سے کہا۔ "ماں جی! پربھاکر جی کو چلتا کر دو، میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "اگر تو دودھوالوں اور ودیا پیتیوں کا دشمن ہو گیا ہے تو کوئی پرواہ نہیں، آج سے پربھاکر جی میری چاکری کرے گا، اب تو اس پر حکم نہیں چلائے گا۔"

مالی راؤ ایک دم نرم پڑ گیا، بولا۔ "ماں جی! میں دودھوالوں اور ودیا پیتیوں کا دشمن نہیں ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو ہم سب کے لئے شرمناک ہے۔ پروہت جی اس کے سب سے بڑے گواہ ہیں۔"

اہلیا بائی نے پربھاکر کو حکم دیا۔ "تو میرے ساتھ چل!" پھر بیٹے سے کہا۔ "میں پروہت جی سے خود بات کر لوں گی، ایک بات تجھ کو ہر حال میں یاد رکھنا ہے۔ وہ یہ کہ مارو بھاٹ کا دل دکھانے والا کبھی خوش حال نہیں دیکھا گیا۔ تو بھی بھگوان کے غضب سے ڈر۔ میں تیرے انجام سے دل ہی دل میں خوفزدہ ہو رہی ہوں!"

مالی راؤ بڑبڑاتا ہوا ماں کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اہلیا بائی پربھاکر کو اپنے ساتھ لے گئی اور اس کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پربھاکر دیوداسی رجنی کانت کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ شیو جی کی داسی کو کسی انسان کے مکر و فریب اور حرص و ہوس کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی کوششیں جاری رکھے اور مالی راؤ سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ مالی راؤ سے عقلمندی سے پیش آئے تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

شام کو مندروں سے ناقوس کی آوازیں بلند ہوتیں، کسی کسی لمحے گھنٹیوں کا شور بھی سنائی دے جاتا۔ اہلیا بائی راج بھون میں موجود مندر میں چلی گئی۔ پربھاکر جانے کے لئے تیار ہوا تو دوار کا نے اسے مطلع کیا کہ مہاراج مالی راؤ جی یاد فرما رہے ہیں۔ لمحہ بھر کے تامل کے بعد پربھاکر نے جواب دیا۔ "شاید تم کو نہیں معلوم کہ اب میں اہلیا بائی کی چاکری میں چلا گیا ہوں۔"

دوارکا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔" پربھاکر جی! تم عقلمند انسان ہو، حالات اور ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ درست ہے کہ راج بھون کی سب سے زیادہ بزرگ اور با اثر شخصیت اہلیا بائی جی کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہ بھولو کہ یہاں کا راج پاٹ مہاراج مالی راؤ جی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ کوئی ایسا شخص جس کو مالی راؤ جی کا اعتماد نہ حاصل ہو راج بھون میں نہیں رہ سکتا۔ مہاراج مالی راؤ سے نہ بگاڑو ورنہ پچھتاؤ گے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔" دوارکا جی! میں تو کسی سے بگاڑ کا قائل ہی نہیں. مہاراج مالی راؤ جی خود ہی بدظن ہو گئے مجھ سے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ راج بھون میں طاقت کا توازن کس کے ہاتھ میں ہے۔ میں تو یہاں مالی راؤ جی کی خدمت ہی کرنے آیا تھا لیکن میری وِدّیا، میری بدھی میری دشمن بن گئی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خود کو اس ماحول میں کس طرح برقرار رکھوں؟"

دوارکا نے کہا۔" مہاراج مالی راؤ جی اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اور وہ تم سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔"

پربھاکر اسی وقت دوارکا کے ساتھ مالی راؤ کے پاس چل دیا۔

مالی راؤ کا رتھ راج بھون کے اندر ہی مالی راؤ کی رہائش گاہ کے سامنے کھڑا تھا۔ مالی راؤ رتھ پر بیٹھا، ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ مالی راؤ کے قدموں میں ایک کھانچا تھا جس میں چھوٹا سا شراب کا مٹکا رکھا تھا اور اس کی ہلکی ہلکی بو نتھنوں میں داخل ہو کر مست و سرشار کر رہی تھی۔ وہ پربھاکر کو دیکھتے ہی رتھ سے اتر پڑا اور ہنستے ہوتے پوچھا۔" پربھاکر جی! کیا تم واقعی مجھ سے ناراض ہو گئے تھے؟ یا کوئی اور بات تھی؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" مالک! بھلا کوئی چاکر اپنے مالک سے ناراض ہو سکتا ہے۔"

مالی راؤ نے فوراً لہجہ بدل دیا۔ طعن و طنز سے کہا۔" واہ پربھاکر جی! میں نے تو تمہاری گردن دبوچ لی تھی، تمہاری گدّی پر اس وقت بھی میری انگلیوں کے نشان موجود ہوں گے اور تم اتنے بے غیرت ہو کہ مجھ سے ناراض تک نہیں ہوتے، اب بھی بے شرمی سے یہی کہہ رہے ہو کہ بھلا کوئی چاکر اپنے مالک سے ناراض ہو سکتا ہے۔"

پربھاکر شرمندہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا جواب دے۔
مالی راؤ کھلکھلا کر ہنس دیا، بولا "پربھاکر جی! اب ہنسی مذاق ختم، میں نے تم سے جو کچھ کہا سنا وہ سب مذاق تھا۔ میں تمہیں اپنے راج کا ضروری آدمی سمجھتا ہوں، آؤ میرے ساتھ چلو مجھے قدم قدم پر تمہاری ضرورت محسوس ہوگی۔"
پربھاکر نے جواب دیا "مہاراج! راجا کا اپنی پرجا سے مذاق کرنا ایسا ہی ہے جیسے شیر لومڑی کو زخمی کر کے دل لگی کرے۔ مجھے اپنی گردن پر اب بھی آپ کی انگلیوں اور ناخنوں کی خراش محسوس ہو رہی ہے۔"
دوارکا ایک دوسرا رتھ لے آ گیا۔ مالی راؤ اپنے رتھ میں جا بیٹھا، دوارکا نے اپنے رتھ پر پربھاکر کو بٹھا لیا، پھر دوارکا کا رتھ آگے آگے چل پڑا، اس کے پیچھے مالی راؤ کا رتھ تھا۔ مغرب کی سیاہی گہری ہوتی جا رہی تھی، آس پاس اور سامنے مکانوں کی کھڑکیوں اور جھروکوں سے چراغوں کی روشنیاں چھن چھن کر باہر آ رہی تھیں۔ دن بھر چرنے چگنے کے بعد مویشیوں کے ریوڑ بستی میں داخل ہو چکے تھے اور ان کی بے ہنگم آوازوں سے فضا کا سکوت بار بار ٹوٹ رہا تھا۔
مندر کے صدر دروازے پر پروہت، مالی راؤ کے انتظار میں کھڑا تھا۔
دونوں رتھ آگے پیچھے مندر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ پروہت نے آگے بڑھ کر مالی راؤ کو پرنام کیا اور پوچھا "کیا مہاراج کو اپنا وعدہ یاد ہے؟"
مالی راؤ رتھ سے نیچے آ گیا اور رتھ کے کھانچے میں رکھے ہوئے شراب کے چھوٹے سے مٹکے کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا "پروہت جی! اس کو وہیں پہنچا دو جہاں مجھے کچھ وقت گزارنا ہے۔"
پروہت کی نظریں بڑی بے چینی سے رتھ کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر دریافت کیا "مہاراج! آپ نے مجھ سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟"
مالی راؤ نے تلخی سے جواب دیا "پروہت جی! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے اور وہ کل تک پورا کر دیا جائے گا کیونکہ چلتے وقت مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔"
دوارکا اور پربھاکر بھی اپنے رتھ سے نیچے آ چکے تھے۔ ان دونوں نے پروہت کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ پروہت نے بے دلی اور اداسی سے ان کے سلام کا جواب دیا۔ مالی راؤ نے تحکمانہ انداز میں پوچھا "مجھے میری جگہ پر پہنچا دے۔"

پروہت نے مالی راؤ کو دیکھ کر دوارکا اور پربھاکر پر سوالیہ نظر ڈالی۔ مالی راؤ اس کا مطلب سمجھ گیا، بولا۔"پروہت جی! ان دونوں سے مت ڈرو، دونوں ہی اپنے خاص آدمی ہیں۔"

پروہت نے شراب کا مٹکا دوارکا کے ہاتھوں میں دے دیا اور خود آگے آگے رہنمائی کرتا ہوا مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ پروہت نے مندر کے آخری سرے پر رکھی ہوئی بڑی مورتی کے عقب میں کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو اپنے پاس بلایا۔ مالی راؤ اس کے پاس پہنچ گیا۔ پروہت نے مالی راؤ کو کھڑا کر کے، مندر کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور مالی راؤ کے پاس دوبارہ پہنچ کر کہا۔"مہاراج! اپنے دونوں آدمیوں کو باہر بھیج دیجئے کیونکہ انہیں زیادہ اعتماد میں لینا کسی طرح مناسب نہیں۔"

مالی راؤ نے دوارکا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"یہ مجھ سے دور رہے گا۔" پھر پربھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اور یہ یعنی پربھاکر جی، میرے ساتھ میرے پاس رہیں گے کیونکہ اس ودھوان ودیا بھنی کی ہر جگہ ضرورت رہتی ہے۔"

پروہت نے پوچھا۔"کیا دوارکا جی کو مندر سے نکال دیا جائے؟"

مالی راؤ نے جواب دیا۔"ہاں، بالکل۔"

پروہت نے دوارکا سے شراب کا مٹکا لے لیا اور اس کو باہر نکال دیا۔ اب مندر کی مدھم روشنی میں پروہت جی، مالی راؤ اور پربھاکر آسیبی سایوں کی طرح ایک دوسرے کے آس پاس کھڑے کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر پروہت ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو ایک طرف لے گیا، بولا۔"مہاراج! اب میں کیا کروں؟ اندر نیچے تہہ خانے میں رجنی کانت آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ میں آپ کو پربھاکر کی موجودگی میں وہاں تک کس طرح پہنچاؤں؟"

مالی راؤ نے سرسری نظروں سے پربھاکر کو دیکھ کر پروہت کے کان میں کہا۔"پروہت جی! میں اس بد دماغ اور مغرور نوجوان کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد یہ مجھ سے جدا ہو جائے تو کوئی قلق نہ ہوگا۔"

پروہت نے شراب کا مٹکا اپنے کاندھے پر رکھا اور مالی راؤ اور پربھاکر

سے کہا۔" آپ دونوں میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ یہ تہہ خانہ ہے، پورے مندر سے الگ تھلگ ایک خفیہ رہائش گاہ۔"

اس کے بعد پروہت سیڑھیوں کے ذریعے تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں بھی وہیں پہنچ گئے۔ اندر تہہ خانے میں سرسوں کے تیل کے دیے روشن تھے، وہاں ان کے سامنے ایک شاندار کمرہ موجود تھا کمرے کے بیچوں بیچ ایک بستر لگا ہوا تھا اور پوری فضا خوشبو سے مہک رہی تھی۔

مالی راؤ نے پوچھا۔" پروہت جی! رجنی کانت کہاں ہے؟"

پروہت نے گدی سہلاتے ہوتے جواب دیا۔" مہاراج! وہ بھی آجائے گی، پر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔"

مالی راؤ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوتے کہا۔" پروہت جی! نسچنت (بے فکر) رہو، وعدہ کیا ہے تو پورا بھی کر دوں گا۔ کل راج بھون پہنچ جانا، وعدہ پورا کر دوں گا۔"

پربھاکر کچھ سمجھ رہا تھا، کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ تہہ خانے میں سجے سجاتے بستر اور خلوت کی موجودگی میں رجنی کانت کا ذکر، پربھاکر سب کچھ سمجھ گیا تھا، اگر اس کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ مالی راؤ برے ارادوں سے مندر جا رہا ہے تو وہ ہرگز ساتھ نہ آتا۔

پربھاکر نے مالی راؤ سے اجازت مانگی۔" مہاراج! مجھ کو دودارکا کے پاس جانے کی اجازت دیجیے۔"

مالی راؤ نے پروہت کو حکم دیا۔" جا رجنی کانت کو فوراً بھیج دے کیونکہ میں اب اور صبر نہیں کر سکتا۔" پھر پربھاکر سے کہا۔" تو کچھ دیر خاموش بیٹھا رہ۔ میں رجنی کانت کو یہیں بلائے لیتا ہوں، تیرا جھوٹ سچ ابھی کھل جائے گا۔"

پربھاکر سہم گیا لیکن اپنے خوف کو دبائے رکھا۔ چہرے یا حرکات وسکنات سے اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

پروہت چلا گیا اور کچھ دیر رجنی کانت کے ساتھ واپس آ گیا، رجنی کانت زیورات سے لدی پھندی ان دونوں کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ پروہت نے پربھاکر سے کہا۔" اب تو یہاں رک کر کیا کرے گا۔ میرے ساتھ باہر چل۔"

لیکن مالی راؤ نے پربھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔" نہیں پروہت جی! یہ ابھی یہیں میرے پاس رہے گا تم جا سکتے ہو۔"

رجنی کانت پربھاکر سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ مالی راؤ سے کہا۔ "مہاراج! اس کو چلا جانے دو، ورنہ یہ ابھی عقل کی باتیں شروع کر دے گا۔"

پربھاکر کا خیال تھا کہ رجنی کانت اس کی موجودگی سے پشیمان بھی ہو گی اور گھبرائے گی بھی لیکن اس بات نے اس کو رجنی کانت کی طرف سے بہت مایوس کر دیا۔

مالی راؤ نے جاتے ہوئے پروہت سے کہا۔ "کیا آلاتِ مے کشی یہاں مل جائیں گے؟"

پروہت نے جواب دیا۔ "مہاراج! یہاں سب کچھ مل جاتے گا۔" پھر سیج کے سرہانے کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں اس کونے میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی مہاراج کو ضرورت ہو گی۔"

مالی راؤ نے کونے کی طرف دیکھا تو وہاں سب کچھ رکھا نظر آیا۔ پروہت چلا گیا۔ پربھاکر کو وحشت محسوس ہونے لگی۔ مالی راؤ نے شوخ و شریر نظروں سے پربھاکر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا، پوچھا۔ "رجنی کانت! ہم دونوں یہاں کیوں اکٹھا ہوتے ہیں؟ کیا تو جانتی ہے؟"

رجنی کانت نے کنکھیوں سے پربھاکر کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ "مہاراج! میں شیو جی کی داسی ہوں، مجھ کو پروہت جی نے جب یہ بتایا کہ آپ شیو جی کے اوتار ہیں تو میں ہنسی خوشی آپ کے چرنوں میں آ گئی۔"

ابھی تک پربھاکر کا یہ خیال تھا کہ رجنی کانت اس کا لحاظ کرے گی، اس کا موجودگی میں شرماتے گی ہچکچاتے گی لیکن اس جواب نے پربھاکر کو عورت کی طرف سے بالکل ہی بدظن کر دیا۔ وہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہا۔ "رجنی کانت! اس مندر کا پروہت بھی عجیب و غریب انسان ہے۔ شاید یہ بات تجھے بھی یاد ہو گی کہ یہ پروہت ایک دن مجھے بھی شیو جی کا اوتار کہہ چکا ہے اور تو نے اس کی تائید کی تھی۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "لیکن پربھاکر جی! میں نے اس سے انکار تو نہیں کیا، شیو جی ایک ہی وقت میں کئی کئی اوتار بن سکتے ہیں، میں تمہیں بھی شیو جی کا اوتار ہی سمجھتی ہوں۔"

مالی راؤ نے رجنی کانت سے کہا۔ "رجنی کانت! جب سے میں نے تجھ کو

دیکھا ہے اپنے سینے میں ہر وقت ایک ہلچل سی محسوس کرتا رہا ہوں۔" پھر ہنس کر پربھاکر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت سے کہا۔" یہ ودھوان اور وِدیا پتی معلوم نہیں کیوں ہم دونوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ یہ راج بھون میں میرے پیچھے پڑا رہتا ہے اور سنتا ہوں یہاں تیرے کان کھاتا رہتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟"

رجنی کانت نے پربھاکر کی وکالت کی، بولی۔" مہاراج! یہ میرے پاس کتنی بار آچکا ہے لیکن یہ جب بھی آیا ہر اپنی اور نصیحتیں کر کے چلا گیا۔ ابھی آخر میں جب یہ مجھ سے ملا تھا تو میری کوٹھری میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ پروہت اور اس کے چیلوں نے ہمیں گھیر لیا اور پربھاکر کو ذلیل و رسوا کر کے مندر سے نکال دیا۔ بہر حال۔۔۔۔"

مالی راؤ نے از راہِ شرارت پربھاکر سے کہا۔" پربھاکر جی! آج تم مجھے سچ سچ یہ بتاؤ کہ عورت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تمہاری اصل رائے۔"

پربھاکر نے بمشکل ایک نظر رجنی کانت پر ڈالی جو مالی راؤ کی پناہ میں سمٹی ہوئی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ پربھاکر رجنی کانت کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ اپنی جلی کٹی رائے کا برملا اظہار کر دیا۔" مہاراج! جیسا کہ میں کبھی پہلے بھی یہ بتا چکا ہوں کہ عورت ذات پر احمق اور سادہ لوگ ہی اعتبار کر سکتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ چلتر باز اور فریبی شاید ہی کوئی اور جنس ہو۔"

رجنی کانت تلملا کر سیدھی ہو گئی اور پربھاکر کو دیکھنے لگی۔

مالی راؤ نے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔" تو پربھاکر جی! یہ عورت ذات بالکل اچھی نہیں ہوتی؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" اس میں شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں۔ مہاراج! آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں رجنی کانت کے سامنے عورت ذات کی پول پٹی بیان کر دوں۔"

رجنی کانت نے تلملا کر پربھاکر کی طرف دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں التجا کی کہ وہ عورت کی ذات کو لفظوں اور جملوں کے زخم نہ لگائے لیکن پربھاکر کا دل رو رہا تھا، رجنی کانت نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

مالی راؤ نے اس کو چپ دیکھ کر کہا "ہاں پربھاکر جی! تم چپ کیوں ہو گئے؟ کہو، کہو، عورت ذات کی پول بیچ بیان کرو۔"

پربھاکر کی آواز پھر آگئی تھی، بولا "مہاراج! عورت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں استقلال نہیں ہوتا، اس کی طبیعت میں تلون، سمندر کی موجوں کی طرح ہوتا ہے جو کبھی آگے بڑھتی ہیں کبھی پیچھے ہٹ جاتی ہیں، اس کے جذبات بے ثبات ہوتے ہیں، بالکل شفق کے رنگوں کی طرح، لمحہ بہ لمحہ کچھ سے کچھ ہو جانے والے۔" اس کی آواز گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے بمشکل روتے ہوئے کہا۔ "اور مہاراج! آپ راج پاٹ کے مالک ہیں اور پروہت نے آپ کو شیو جی کا اوتار قرار دے دیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے آپ اس پر خوش ہوں اور ناز کر رہے ہوں کہ آپ نے رجنی کانت جیسی مہ پارہ کو بآسانی حاصل کر لیا ہے اور اس وقت جب خود رجنی کانت بھی ہنسی خوشی آپ کو شیو جی کا اوتار سمجھ کر آپ کے دل سے لگ کر بیٹھ گئی آپ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہے ہوں تو یہ آیندہ چل کر محض آپ کی خوش فہمی بھی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ عورت کے بارے میں پرانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کی تمنا پوری ہو جاتی ہے اور کوئی شخص اس کے کام کا نہیں رہتا تو یہ اس سے بڑی بے رحمی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہے، اس لباس کی طرح جس کو پرانا اور ناپسندیدہ قرار دے کر گھورے پر پھینک دیا گیا ہو۔"

رجنی کانت تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مالی راؤ کی پرواہ کیے بغیر پربھاکر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی "بس کرو پربھاکر جی! اب اور ذلیل نہ کرو، میں جانتی ہوں کہ بھگوان نے تمہیں وِدیا، بُدھی، گیانی اور ودھوان بنایا ہے۔ اس سنسار میں عورت کے علاوہ بھی کچھ ہے، اپنی عقل اور علم کو اس پر کیوں نہیں خرچ کرتے؟"

مالی راؤ نے غصّے میں رجنی کانت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پربھاکر کو ڈانٹ دیا۔ "پربھاکر جی! یہ تم آپے سے باہر کیوں ہوتے جا رہے ہو؟ رجنی کانت میری محبوبہ ہے اور میں اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں قتل کرا سکتا ہوں۔"

رجنی کانت نے مالی راؤ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی "کیا مصیبت

ہے؟ یہ مندر کا تہہ خانہ ہے یا نرکھ (جہنم) یہ تم دونوں کو ہو کیا گیا ہے؟" مالی راؤ سے کہا۔" مہاراج ! پربھاکر جی جذباتی آدمی ہیں، مجھ کو نہیں معلوم کہ یہ میرے بارے میں کس طرح سوچتے ہیں۔ کیا ان حالات میں یہ بہتر نہیں ہے کہ انہیں اوپر بھیج دیا جاتے؟"

اس کے بعد اس نے پربھاکر کو بڑی محبت کی نظروں سے دیکھا ان نظروں میں محبت کے ساتھ التجا بھی تھی۔

مالی راؤ نے جواب دیا۔" رجنی کانت میں پربھاکر کو اپنے ساتھ اس لئے لایا تھا کہ اس کی عالمانہ اور عاقلانہ باتوں سے تمہیں خوش کر دوں لیکن اس نے تو ہم دونوں ہی کو اداس اور غمزدہ کر دیا۔ اس لیے اب اس کا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔"

رجنی کانت، پربھاکر سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا۔" افسوس کہ میں پربھاکر جی کی عالمانہ اور عاقلانہ باتوں سے کچھ دیر کے لئے محروم رہوں گی۔"

پربھاکر کو اپنے شانوں پر سر و بال دوش محسوس ہو رہا تھا، بولا۔" رجنی کانت! افسوس کہ اب تو سرد آہ بھر رہی ہے، پتہ نہیں یہ ٹھنڈی سانس کس کے لیے تھی لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، تیرا پہلا مطلوب پروہت رہا ہے، دوسرا مطلوب تیری بنیاد میں ہے، تیسرے کا مجھے علم نہیں، ہو سکتا ہے وہ میں تیری ذات ہو اور تو نے ٹھنڈی سانس میرے ہی لیئے بھری ہو۔" اس کے بعد وہ ایک دم مالی راؤ سے مخاطب ہو گیا، بولا۔" مہاراج! اگر میں اپنے عقلی تجزیے میں غلطی نہیں کر رہا اور میرے اندازے بالکل درست ہیں تو عورت ذات کے متعلق میں یہ عجیب و غریب انکشاف کر رہا ہوں کہ عورت کو ڈھن کسی اور کی ہوتی ہے، بناوٹ سے پیار کسی اور سے کرتی ہے لیکن ٹھنڈی سانس کسی تیسرے کے لئے بھرتی ہے۔"

مالی راؤ نے طنزاً پوچھا۔" تو تم خوش فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ رجنی کانت نے سرد آہ تمہارے لیے بھری تھی؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" مہاراج! میں نے یہ نہیں کہا کہ رجنی کانت نے میرے لیئے ٹھنڈی سانس بھری تھی، شاید میں اپنے دل کی بات صحیح طور سے

کہہ نہیں سکا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ عورت وہ عجیب و غریب شے ہے جو کسی ایک سے تو باتیں کرتی ہے دوسرے کو اضطراب کی نظروں سے دیکھتی ہے اور اس کا دھیان ہوتا ہے کسی تیسرے کی طرف، جس کو وہ دل ہی دل میں رہنے دیتی ہے۔" پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "مگر کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے جسے عورت دل سے چاہتی ہے نا۔"

مالی راؤ نے محسوس کر لیا کہ اگر پربھاکر کچھ دیر اور رکا رہا اور یوں ہی باتیں کرتا رہا تو رجنی کانت کی حالت غیر ہو جائے گی اور پربھاکر اپنی پُر اثر باتوں سے رجنی کانت کا دل جیت لے گا۔ اس نے پربھاکر کو حکم دیا کہ "تم فوراً یاہر دوارکا کے پاس چلے جاؤ اور وہیں میرا انتظار کرو۔"

پربھاکر دل شکستہ اور قدم لرزیدہ، مست و مخمور شرابی کی طرح تہہ خانے سے نکل کر دوارکا کے پاس چلا گیا۔ بے بسی اور مجبوری کے متحرک مگر بے جان مجسمے کی طرح۔ دوارکا کو اس کے ستے اور مرجھائے ہوئے چہرے سے یہ شبہ گزرا کہ مالی راؤ نے اس کی کسی بات سے ناراض ہو کر کوئی بھیانک اور روح فرسا فیصلہ سُنا دیا ہے۔ اس نے تسلی دی کہا۔ "پربھاکر جی! شانت رہو، صبر کرو، تم بدقسمت انسان ہو، تمہیں عقل، اور علم کی دولت تو بہت زیادہ مل گئی ہے لیکن اس سے کام لینے کا سلیقہ نہیں ملا۔ اگر مہاراج نے تمہارے بارے میں کوئی تکلیف دہ فیصلہ سُنا دیا ہے تو میں انہیں فیصلہ بدل دینے پر آمادہ کر لوں گا، تم مت پریشان ہو۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "نہیں دوارکا جی! ایسی کوئی بات نہیں۔" پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا، بولا۔ "دوارکا جی! میں بہت دکھی انسان ہوں، بہت ہی غمزدہ، میرے لئے گیان، وِدّیا اور بدھی کی افراط مصیبت بن گئی ہے۔ اے کاش میں نادان ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔"

لیکن دوارکا اس کی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ وہ پربھاکر کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا۔

پربھاکر کے چلے جانے کے بعد مالی راؤ نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھا لیا — اور پربھاکر کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش میں بولا۔ "رجنی کانت! تو نے پربھاکر کی باتیں سنیں یہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا، یہ عورت سے اس لئے

ناخوش ہے کہ یہ اپنی زہریلی باتوں کی وجہ سے کسی عورت کا دل نہیں جیت سکا۔ میں راج بھون واپس جاکر اس کو بدترین سزا دوں گا۔ اس نے تیرا دل دُکھایا ہے، اس نے ناقابلِ معافی جرم کیا ہے۔ میں اس کو معاف نہیں کروں گا۔"

لیکن رجنی کانت نے اس کی سفارش کی، بولی۔ "مہاراج! اس کو معاف کر دو، اس کے سر کی ہڈی کے بیچ میں جو قیمتی چیز موجود ہے اگر وہ کسی طرح برباد ہو گئی تو سنسار اس سے ہمیشہ کے لیئے محروم ہو جاتے گا۔"

مالی راؤ نے آلاتِ مے کشی رجنی کانت کے حوالے کیے اور پھر دونوں ہی نے تہہ خانے کی فضا کے سوا سب کچھ فراموش کر دیا، سب کچھ بھلا دیا۔

راج بھون سے دُور، مقدس ماحول کے تہہ خانے میں جو کچھ ہو رہا تھا اہلیا بائی اس کی بابت سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ اپنے راج بھون کے مندر میں شیو جی کی مورتی سے یہ درخواست کر رہی تھی کہ "ہے شیو جی! میرے مالی راؤ پر کرم کرو اور اس کو کام کا بنا دو۔"

رات گئے مالی راؤ پربھاکر اور دوارکا کے ساتھ واپس آنے کے لئے مندر سے باہر نکلا تو پروہت نے مالی راؤ کا راستہ روک لیا۔ وہ فکر مند اور غیر مطمئن تھا۔ اس نے ایک بار پھر مالی راؤ کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ "مہاراج کل میں کس وقت آؤں؟"

مالی راؤ نے بے رخی سے جواب دیا۔ "سہ پہر کو۔ پروہت جی، سونے چاندی کا لوبھ من سے نکال دو۔ ویسے میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا۔"

مالی راؤ اپنے رتھ پر جا بیٹھا، دوارکا اور پربھاکر دوسرے رتھ پر چلے گئے۔ پربھاکر کی نظریں مندر کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ رجنی کانت کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ بہت اداس اور مایوس تھا۔ دل سے جینے کی خواہش رخصت ہو گئی تھی۔ وہ مالی راؤ سے ذرا بھی خوفزدہ نہ تھا۔ اب وہ مالی راؤ کی چاکری سے بھی بیزار ہو چکا تھا۔

اس وقت مالی راؤ بڑی ترنگ میں تھا۔ اس کا رتھ آگے تھا۔ اس نے رتھ بان سے گھوڑے کی راس اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس کی جگہ جا بیٹھا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی یہاں تک کہ پربھاکر کے رتھ کو اپنے رتھ کے برابر آ جانے کا موقع دیا۔ جب دونوں رتھ برابر برابر آ گئے تو مالی راؤ نے پربھاکر کو چھیڑا۔ "پربھاکر جی! تم نے اپنے حسد کا جس طرح اظہار کیا تھا، میں اس پر تمہیں قتل کر سکتا

تھا لیکن افسوس کہ رجنی کانت نے سفارش کر دی کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔"
پربھاکر نے کہا۔ "مہاراج! تم مجھے قتل کر دو۔ میں زندگی سے بیزار ہوں۔ اور اگر تم مجھے قتل نہیں کر سکتے تو مجھے چاکری سے نکال دو۔ کیونکہ جس راج میں عورت کی بات پر عمل کیا جا رہا ہو، وہاں کسی ودھوان کا رہنا ذلت ہے۔"
مالی راؤ نے کہا۔ "چند دن صبر کرو پربھاکر جی۔ بس چند دن اور میں رجنی کانت کو اپنے راج بھون میں لانا چاہتا ہوں۔ جس دن وہ میرے پاس آجائے گی میں تجھ کو اپنے راج پاٹ سے دور کر دوں گا۔"
کچھ دیر بعد دونوں رتھ راج بھون میں داخل ہو گئے۔ اہلیا بائی کھڑکی سے دونوں رتھوں کو داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ مالی راؤ نے پربھاکر کو حکم دیا۔
"پربھاکر، تم میری ماں کے پاس نہیں جاؤ گے، اگر وہ بلائے تب بھی نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ترکش میں ایک تیر اس وقت بھی ہے۔ تم میری ماں سے وہ باتیں کہہ دو گے جنہیں نہیں کہنا چاہیئے۔"
پربھاکر کوئی جواب دیئے بغیر رتھ سے اتر کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنے بستر پر گر کر بڑی دیر تک سونے کی کوشش کی۔ لیکن نیند کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ تصور میں رجنی کانت کو اپنے سامنے کھڑا کر کے شکایتیں کرنا چاہتا تھا مگر اول تو رجنی کانت کا خیالی پیکر آنے سے ہچکچا رہا تھا اور اگر چند ثانیوں کے لئے آتا بھی تو شوخی سے پربھاکر کا منہ چڑا کر غائب ہو جاتا۔ بستر پربھاکر کو دھکے دے رہا تھا۔
رات کے پچھلے پہر راج بھون کے مندر میں اہلیا بائی نے پربھاکر کو طلب کر لیا۔ اس وقت اہلیا بائی کی آنکھوں سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ شیو جی کی مورتی کے سامنے دوزانو بیٹھی تھی۔ پربھاکر کو اشارے سے حکم دیا کہ اس کی طرح وہ بھی شیو جی کے سامنے دوزانو بیٹھ جائے۔
پربھاکر نے حکم کی تعمیل کی۔ اہلیا بائی نے شیو جی سے کہا۔ "شیو جی! یہ تم نے مجھے لڑکا دیا ہے یا شیطان۔ میں مالی راؤ سے تنگ آگئی ہوں۔ اگر میرے دکھ کا تم نے اُپائے نہیں کیا تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو یم دیو (ملک الموت) کے حوالے کر دو، مجھ کو یا مالی راؤ کو۔"

پربھاکر اہلیا بائی کی دردمندانہ درخواست سے تڑپ گیا، کیونکہ اس سے اس کا اپنا زخم ہرا ہو گیا تھا۔

اہلیا بائی نے اچانک پربھاکر سے پوچھا۔" پربھاکر! تو مارو کھاٹ خاندان کا عقلمند اور ایماندار جوان ہے سچ سچ بتا یہ مالی راؤ کہاں گیا تھا؟"

پربھاکر نے مالی راؤ کے خوف سے اپنے آس پاس اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا گویا مالی راؤ اس کے پیچھے کھڑا قہر کی نظروں سے گھور رہا ہے۔ وہ خاموش رہا اور رحم طلب نظروں سے اہلیا بائی کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

اہلیا بائی نے بددعا دی۔" پربھاکر! اگر تو خاموش رہا تو میں تجھے ایسا شراپ (بددعا) دوں گی کہ تو جنم جنم عذاب جھیلتا رہے گا۔"

پربھاکر ڈر گیا اور اس نے سب کچھ بتا دیا۔ آخر میں کہا۔" رانی جی شیو جی کی داسی رجنی کانت کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اب میں اپنی چاکری چھوڑنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے۔"

اہلیا بائی نے اپنا سر پیٹ لیا۔" شیو جی! تم خاموش کیوں ہو؟ اب مالی راؤ اتنا گر گیا ہے کہ تمہاری داسی تک کو نہیں بخشتا۔"

پربھاکر نے اہلیا بائی کے پاؤں پکڑ لئے۔" مقدس خاتون! مجھے معاف کر دیں میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔"

اہلیا بائی نے شفقت سے پربھاکر کے سر پر ہاتھ پھیرا، پوچھا۔" یہ پروہت کیسا آدمی ہے جو مندر میں ایسا پاپ کروا رہا ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" مہارانی جی! اس کو سونے چاندی کی لوبھ نے اندھا کر دیا ہے۔"

اہلیا بائی نے پروہت کو بددعا دی۔" بھگوان اسے غارت کر دیں۔"

اس کے بعد اہلیا بائی نے پربھاکر کو تسلی دی۔ سمجھایا۔" پربھاکر! تو ودھوان ہے، میں جانتی ہوں کہ تو ذلتوں کے بیچ میں زبردستی رہ رہا ہے۔ تو گیانی ہے مگر جہالتوں میں رہنے پر مجبور ہے تو اگیان کے نرکھ میں بسا دیا گیا ہے لیکن تو چند دن صبر کر۔ میں اس جہالت کے راج بھون سے ودیا اور گیان کے سورج کو کسی حال میں نہیں جانے دوں گی۔"

پربھاکر نے درخواست کی۔" مقدس خاتون! اب میں یہاں ایک ہی شرط

پہرہ سکتا ہوں، تم مالی راؤ کو مندر جانے سے روک دو گی۔ میں شیو جی کی داسی رجنی کانت کی آبرو پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا اگر پھر ایسا ہوا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ کیونکہ میں مندر کی حدود میں اتنا بڑا پاپ برداشت نہیں کر سکتا۔"

اہلیا بائی نے رقت سے جواب دیا۔" پربھاکر، میں وعدہ تو نہیں کروں گی لیکن کوشش کروں گی کہ مالی راؤ کو اس کے شیطانی کاموں سے روک دوں۔"

کچھ دیر بعد دونوں شیو جی کے سامنے سے ہٹ کر ایک گوشے میں چلے گئے۔ وہاں اہلیا بائی نے ایک بار پھر وہ تفصیل سنی جو پربھاکر مندر میں دیکھ آیا تھا۔ اہلیا بائی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ کانپ گئی۔ بولی۔" پتہ نہیں، مالی راؤ کے پاپ کی ہمیں کیا سزا ملے؟"

دونوں جیسے ہی مندر سے نکلے، دروازے کے باہر کسی نے ان دونوں کو روک لیا۔ اندھیرے میں روکنے والے کو پہچانا نہیں جا سکا۔ اہلیا بائی نے سختی سے کہا۔" تم کون ہو گستاخ؟ میرا راستہ چھوڑ دو ورنہ سزا بھگتو گے۔"

لیکن راستہ روکنے والا کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ یہ مالی راؤ تھا جو پربھاکر اور اہلیا بائی کی باتیں سن چکا تھا۔ وحشیانہ قہقہہ لگایا اور کہا۔" ماں جی! میں یہاں کا راجہ ہوں اور اندور کی ہر چیز پر میری حکومت ہے۔ میرا ہر فعل اور ہر لفظ قانون ہے۔ میرے معاملات میں تم سمیت کوئی بھی دخل نہیں دے سکتا یہ میری راتے نہیں میرا حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل تم بھی اسی طرح کرو گی جس طرح دوسرے عام و خاص کرتے ہیں۔"

اہلیا بائی اپنی اہانت برداشت نہ کر سکی، مشتعل ہو کر بولی۔" مالی راؤ تو سانپ ہے، میں تجھے ایسا سراپ دوں گی کہ تو زندگی بھر پریشان رہے گا اور بعد میں کئی جنم دکھ جھیلے گا۔"

مالی راؤ نے غصے سے کہا۔" کوئی پرواہ نہیں، میں تمہارے سراپ کو بھی دیکھ لوں گا۔" پھر پربھاکر سے کہا۔" اولاہی اور موقع پرست مار و بھاٹ۔ کیا میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا کہ تو میری ماں سے نہیں ملے گا۔"

مالی راؤ دونوں کو بُرا بھلا کہتا چلا گیا۔ پربھاکر نے اہلیا بائی سے کہا۔" مقدس خاتون! اب کیا ہو گا؟"

اہلیا بائی بہت شرمندہ تھی، خفت مٹانے کے لئے بولی۔ "کچھ بھی نہیں تُو بے فکر رہ، میں بہت جلد اس کا علاج کر دوں گی۔"

دونوں بوجھل قدموں سے اپنی اپنی رہائش گاہوں پر چلے گئے۔ لیکن خوف اور دھڑکنوں کے ساتھ۔ اہلیا بائی مالی راؤ کو سدھارنے کے منصوبے اور تدبیریں سوچنے لگی۔ پربھاکر اپنے حشر کا اندازہ لگا رہا تھا۔

*　　　*　　　*

ابھی وہ سو کر بھی نہیں اٹھا تھا کہ رجنی کانت اور پروہت رتھ میں سوار راج بھون میں داخل ہوتے۔ دونوں کا پہلا آمنا سامنا پربھاکر ہی سے ہوا۔ پروہت تو بہت خوش تھا مگر رجنی کانت شرمندہ تھی۔ وہ پربھاکر سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ پربھاکر نے نفرت اور غصّے کے باوجود رجنی کانت کو پُر شوق نظروں سے دیکھا۔ رجنی کانت نے پربھاکر سے شکایتاً کہا۔ "پربھاکر جی! کل خوب خوب ذلیل کیا تم نے، کچھ دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد تمہیں نیند تو بہت اچھی آئی ہو گی۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "رجنی کانت! میں نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا۔ بلکہ سچی باتیں بتائی تھیں۔ افسوس کہ تم پاپ کر کے بھی شرمندہ نہیں۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ کل میں نے جو کچھ غصّے میں کہا تھا، درست تھا اور مجھ کو اس پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "میں تمہیں شرمندہ کرنے نہیں آئی ہوں۔ پروہت جی تنہا آرہے تھے مگر میں ان کے ساتھ زبردستی آگئی۔ صرف اس لئے کہ مالی راؤ کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔"

پربھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! تمہارا شکریہ۔ لیکن میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اگر تم میری زندگی کے لئے یہاں آئی ہو تو واپس چلی جاؤ۔ میں تمہاری سفارش کے عوض زندہ رہنا پسند نہیں کروں گا۔"

لیکن رجنی کانت نے اس کی بات نہیں مانی، بولی۔ "اس معاملے میں میں تمہاری بات نہیں مانوں گی۔ میں بدھی، گیان اور رودّیا کو غصّے کی نذر نہیں ہونے دوں گی۔ پربھاکر جی! میں تمہاری عزت کرتی ہوں، تم میری عزت کرو یا نہ کرو۔"

راج بھون میں مالی راؤ اور رجنی کانت کے ہوس انگیز عشق کی کہانی کسی حد تک مشہور ہو چکی تھی۔ بھون کی داسیاں اور داس پروہت اور رجنی کانت کے ارد گرد مکھیوں کی طرح منڈلانے لگے۔ مالی راؤ ان کی آمد سے بے خبر تھا لیکن اس کو جیسے ہی یہ خبر ملی وہ ان کے پاس خود ہی پہنچ گیا۔ اس نے پروہت کو خشمگیں نظروں سے دیکھا بولا۔ "پروہت جی! میں نے تمہیں سہ پہر کو بلایا تھا۔"

پروہت نے جواب دیا۔ "مجھ کو یاد ہے، لیکن اس وقت میں وعدے کی یاد دہانی کرانے آیا ہوں۔"

مالی راؤ نے رجنی کانت سے پوچھا۔ "اور تم۔ تم کیوں آئی ہو؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "تم نے پربھاکر کی بابت کیا فیصلہ کیا ہے مہاراج؟"

مالی راؤ نے کہا۔ "ابھی تو کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن آج فیصلہ ضرور کر دوں گا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "مہاراج! اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے تو میں اس کا واسطہ دے کر یہ بنتی کروں گی کہ پربھاکر جی کو معاف کر دیا جائے۔"

مالی راؤ کوئی جواب دینے کے بجائے ان دونوں کو اپنے ساتھ اپنے دیوان خانہ میں لے گیا۔ وہاں اس نے پروہت کی ایک بار پھر خبر لی بولا۔

"پروہت جی! بتاؤ تو سہی تمہارا بھگوان اور شنبھو جی تمہیں یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ لوبھ اور سایا جال بڑی بری چیزیں ہیں۔ جب میں نے تم سے سہ پہر کا وعدہ کر لیا تھا تو تم اس وقت راج بھون میں کیوں آ گئے ہو؟"

پروہت نے جواب دیا۔ "مہاراج! میرا خصتے دار مجھے تنگ کر رہا ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مہاراج مجھ کو جو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ اسی وقت دے دیں۔"

مالی راؤ نے کہا۔ "ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے، بالکل ہو سکتا ہے۔" اس کے بعد مالی راؤ نے تالی بجا کر خدمت گاروں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ ہر خدمت گار راج بھون میں اعلان کر دے کہ آج مہاراج مالی راؤ دان پن کرنے والے ہیں اس لئے جس کسی کو یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہو، دیوان خانے میں آ جائے۔"

پرروہت جی نے گھبرا کر کہا۔" تو کیا مہاراج مجھ کو جو کچھ دیں گے سب کے سامنے دیں گے۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔" ہاں پرروہت جی، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ تم فکر نہ کرو۔ تمہیں تمہارا معاوضہ مل جائے گا اور جو لوگ یہ منظر دیکھیں گے ان کے حوصلے بڑھیں گے اور وہ میری وفاداری کا دم بھرنے لگیں گے۔"

پرروہت جی نے آہستہ سے کہا۔" لیکن ایسا اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ ویسے مہاراج کی مرضی جیسا چاہیں کریں۔"

پورے راج بھون میں دھوم مچ گئی کہ مالی راؤ شیو جی کے بڑے پجاری اور پرروہت کو دان دینے والا ہے۔ اس خبر نے اہلیا بائی کو بھی خوش کیا لیکن دل میں ایک پھانس چبھ رہی تھی۔ وہ دان کو رجنی کانت کا معاوضہ سمجھ رہی تھی۔ پربھاکر بھی یہی سمجھ رہا تھا اور اس تقریب سے اس کے دل پر چوٹ لگ رہی تھی۔ وہ ٹل جانا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ اس میں شامل نہ ہوا تو مالی راؤ کا اس پر عتاب ضرور نازل ہوگا۔

مالی راؤ نے پرروہت اور رجنی کانت سے کہا کہ میں کچھ دیر تک تقریب کی تیاریوں میں مشغول رہوں گا۔ تم دونوں پربھاکر کی عاقلانہ باتیں سنو، ممکن ہے وہ کوئی ایسی بات بھی کہہ جائے جس سے آئندہ زندگی میں فائدہ حاصل ہو جائے۔"

لیکن پربھاکر کا غمزدہ دل تنہائی چاہتا تھا۔ وہ رجنی کانت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ اسے پرروہت سے بھی چڑ تھی، نفرت تھی۔ لیکن مالی راؤ کے حکم سے فرار اختیار کرنے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ مجبوراً ان دونوں کے سامنے بیٹھا رہا۔ رجنی کانت نے پربھاکر کو چھیڑا۔

"پربھاکر جی! تم ہر وقت اداس اور مایوس کیوں رہتے ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" تم خوب جانتی ہو رجنی کانت کہ میں ہمیشہ سے اداس اور مایوس نہیں ہوں اور یہ بھی جانتی ہو کہ اب میں اداس اور مایوس کیوں ہو گیا ہوں۔"

پرروہت نے مسکرا کر پربھاکر کو نصیحت کی۔" پربھاکر جی! تم پریشان

حال مفلس دانا ہو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری باتیں مانیں اور تمہاری عزت کریں تو دولت مند بنو، دولت پیدا کرو۔ کیونکہ دولت کے بغیر علم، عقل اور صحت بے کار چیزیں ہیں، اسی لئے میں دولت مند بننا چاہتا ہوں۔"

پربھاکر نے بے زاری سے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا، بولا "پروہت جی! تم جو کچھ کہہ رہے ہو، ہو سکتا ہے درست ہو لیکن ایک بات میری بھی یاد رکھنا، کسی چیز کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ مالی راؤ جی تمہیں اعلان کر کے اور شاندار تقریب منعقد کر کے شاندار دان دینے والے ہیں۔ اگر انسانی فطرت کوئی چیز ہے تو یہ سب مالی راؤ جی کی فطرت کے خلاف ہے بھگوان تم پر رحم کریں۔"

رجنی کانت نے اس موضوع کی مذمت کر دی۔ وہ خود بھی کھڑی ہو گئی۔ بولی "مجھے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا کسی اور دلچسپ اور مشترک موضوع پر باتیں نہیں ہو سکتیں؟"

پربھاکر رجنی کانت کے پاس چلا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "رجنی کانت تم جانتی ہو کہ میں دنیا میں عورت اس کے شباب اور فطرت کا سب سے بڑا نکتہ چیں ہوں۔ لیکن تمہارے حسن اور شباب نے مجھی کو شکار کر لینے کی کوشش کی۔ میں چاہوں تو اپنے زورِ بیان سے گھنٹوں تمہارے حسن اور شباب کو گفتگو کا موضوع بناتے رکھوں لیکن ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم خود مجھ پر ملتفت ہو اور مجھے مال، دولت طاقت اور امارت ہر چیز پر مجھے ترجیح دو۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "میں تمہاری عزت کرتی ہوں۔۔۔۔"

پربھاکر نے بات کاٹ دی۔ "لیکن میں عزت کا نہیں محبت کا بھوکا ہوں۔ عزت تو میں دوسروں سے بھی حاصل کر لیتا ہوں۔"

پروہت نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پربھاکر جی! ایسی باتیں نہ کرو۔ اگر مالی راؤ جی نے تمہاری باتیں سن لیں تو بہت ناراض ہوں گے اور رجنی کانت تم بھی احتیاط کرو۔"

پربھاکر خاموش ہو گیا۔ رجنی کانت نے خوشامدانہ انداز میں پروہت کو جواب دیا۔ "پروہت جی! میں تم پر اعتبار کرتی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ تم میری

باتیں اپنے سینے ہی میں محفوظ رکھو گے۔ تبھی تو میں نے اتنی صاف صاف باتیں کر لیں۔"
پربھاکر کے دل سے ہوکیں اٹھ رہی تھیں۔ سحر انگیز، پُر کیف اور لطف آمیز۔ کئی بار جی میں آئی کہ اس مجسمۂ کیف و رعنائی کو اپنے دل سے لگا لے۔ اس کے بعد قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاتے۔ اس کے پورے جسم میں ایک پُر اسرار سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس سنسناہٹ نے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا کر دیا۔ اور جرأت رندانہ پیدا ہو گئی۔ شاید وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کچھ دیر کے لئے کھو چکا تھا اور وہ ایک ایسی لغزش کا مرتکب ہو جاتا، جو قانون فطرت کی رو سے لغزش کے بجائے جسم اور روح کا تقاضا ہوتی۔ اور مالی راؤ اور پیروہت کی نظر میں ناقابل معافی جرم اور انتہائی گھناؤنا پاپ اور بدترین بددیانتی۔ مگر ماحول میں ایک دم اور اچانک پیدا ہو جانے والی بے چینی اور انتشار نے پربھاکر سمیت سبھی کو چونکا کر دیا۔ ان کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اسی وقت کمرے میں اہلیا بائی اپنی داسیوں کے جھرمٹ میں داخل ہوئی۔ پربھاکر اور پیروہت نے اس مقدس خاتون کو سلام کیا۔ رجنی کانت نے بھی سلام کیا لیکن اس کے سلام میں ہچکچاہٹ اور احساس گناہ کی جھجک تھی۔ اہلیا بائی نے پربھاکر اور پیروہت کو تو سرسری نظر سے دیکھا۔ مگر رجنی کانت پر نظریں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ تیر کی نوک کی طرح جس کی چبھن رجنی کانت اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کمرے سے بھاگ کھڑی ہونا چاہتی تھی۔ مگر بھاگنے کے بجائے سمٹ کر رہ گئی۔
اہلیا بائی رجنی کانت کے پاس اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی اور اس کے حُسن اور اس کے گداز جسم کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اس کے جسم کے زیور اہلیا بائی کی نظروں میں چکا چوند پیدا کر رہے تھے۔ جھکی ہوئی نشیلی بڑی بڑی آنکھیں رجنی کانت کے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو دیکھ رہی تھیں۔
اہلیا بائی نے رجنی کانت کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلا دیا اور بولی۔ "تو یہ تم ہو شیو جی کی داسی جس نے میرے بیٹے مالی راؤ کو پاگل کر دیا ہے؟"
رجنی کانت کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ پیروہت نے رجنی کانت کی طرف سے جواب دیا۔ "دیوی! رجنی کانت کے حُسن نے شیو جی کو بھی نرٹ پار کیا ہے۔ مالی راؤ جی تو محض انسان ہیں۔"
اہلیا بائی نے تڑپ کر کہا۔ "پیروہت جی اگر تم برہمن نہ ہوتے اور برہمن

کو سزا دینا پاپ نہ ہوتا تو میں تمہیں اتنی عبرتناک سزا دیتی کہ دیکھنے والے کانپ جاتے۔ مندر کی مقدس فضا میں تمہاری موجودگی، مرضی اور منظوری سے جو کچھ ہو گیا۔ اس کی تمہیں جلد یا بدیر کوئی بھیانک سزا ضرور ملے گی۔"

پروہت نے جواب دیا "دیوی جی! میں آپ کی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کی بے جا اور بیکار باتیں ہنسی خوشی شکریے کے ساتھ سن لوں۔ میں نے جو کچھ کیا اس پر ذرا بھی شرمندہ نہیں اور میں آپ کی طرح اس کو پاپ بھی نہیں سمجھتا، میں نے جو کچھ کیا شیوجی کی ایما، اجازت اور حکم پر کیا۔"

اہلیا بائی اور زیادہ برہم ہو گئی۔ "یہ بے شرمی، یہ ڈھٹائی۔ اپنے پاپ کو جائز قرار دینا چاہتے ہو۔ پروہت جی! کچھ تو شرم کرو اور میرے بیٹے پر رحم کرو اسے اور بہت سے کام انجام دینا ہیں۔ اس کو غلط راہ پر مت لگاؤ۔"

پروہت جی ذرا بھی نہیں گھبرائے، بڑے سکون سے جواب دیا "دیوی! مجھے شیوجی نے خواب میں بتایا تھا کہ مالی راؤ جی اس زمانے میں ان کے اوتار ہیں. اگر شیوجی کی داسی ان کے اوتار کے حوالے کر دی تو اس میں پاپ کیا ہوا؟"

اہلیا بائی نے کہا "مالی راؤ میرا بیٹا ہے اس کو مجھ سے زیادہ اور کون جانے گا۔ شیوجی کے اوتار شیطان نہیں ہو سکتا۔"

پربھاکر نے اہلیا بائی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسے سمجھانے لگا. "مقدس خاتون! غصہ آگ ہے، اس میں ہوش و حواس اور عقل اور تدبیر جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔"

ایک داسی بھاگتی ہوئی اس طرف آئی اور اہلیا بائی کو مطلع کیا۔ "دیوی جی! مہاراج اس طرف آ رہے ہیں۔"

پربھاکر نے مشورہ دیا۔ "بائی جی! آپ یہاں سے چلی جائیے کیونکہ اس ہجوم میں ماں بیٹے کا تصادم اچھی بات نہیں۔"

پروہت جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انہوں نے اہلیا بائی کی گھبراہٹ محسوس کر لی تھی۔ خود اہلیا بائی پربھاکر کے مشورے پر عمل کرنا چاہتی تھی لیکن مالی راؤ کے خوف سے ٹل جانے میں اپنی بے عزتی بھی سمجھتی تھی۔ وہ جہاں اور جس طرح کھڑی تھی کھڑی رہی۔ بلکہ اور زیادہ تن کر کھڑی ہو گئی۔

مالی راؤ چند نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ میں اندر داخل ہوا اس نے اپنی ماں کو سرسری نظروں سے دیکھ کر ہجوم پر نظر ڈالی اور آخر میں اس کی نظریں رجنی کانت پر جم گئیں۔ رجنی کانت ہی سے سوال کیا۔ "رجنی! کیا یہاں کوئی سبھا جمی ہوئی ہے اور کسی اہم معاملے پر مشورے ہو رہے ہیں؟"

رجنی کانت زیر لب مسکرا کر منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

اب مالی راؤ اپنی ماں سے مخاطب ہوا "ماں جی کیا بات ہے خیریت تو ہے؟ آپ اداس کیوں کھڑی ہیں؟"

اہلیا بائی نے افسوس سے کہا۔ "مالی راؤ! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

مالی راؤ نے لڑکیوں اور رجنی کانت کو دیکھ کر کہا۔ "وہی جو ہم سب دیکھ رہے ہیں۔"

اہلیا بائی نے بڑے ضبط سے کام لیا "مالی راؤ، میں تیری ماں ہوں، مجھ سے ادب سے بات کر۔"

مالی راؤ رجنی کانت اور دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ "تم سب گواہ ہو کہ میں ادب سے ہی بات کر رہا ہوں۔"

اہلیا بائی نے کہا۔ "تم مالوے کے حکمران ہو، ملہار راؤ ہولکر کے جانشین۔ اگر تم ہی فضول چکروں میں پڑ گئے تو راج پاٹ کی ذمہ داریاں کون پوری کرے گا۔"

مالی راؤ نے اپنی ماں کا مذاق اڑایا۔ "تو گویا آپ کے خیال میں میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر میں راج پاٹ کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا تو یہ کام کون انجام دے رہا ہے؟"

اہلیا بائی نے لڑکیوں اور رجنی کانت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مالی راؤ یہ وِش بھری صراحیاں، جنہیں تو اپنے سامنے لئے پھرتا ہے اور جن کے زہر کو تو سوم رس سمجھ رہا ہے، یہ تجھے ہلاک کر دیں گی۔ انہوں نے بڑی بڑی حکومتوں اور بڑے بڑے دھوانوں کو کھا لیا ہے۔ بھگوان کے لئے ان سے بچ، ان سے پرہیز کر۔"

پروہت اور رجنی کانت ماں بیٹے کی گفتگو سے بڑا حظ اٹھا رہے تھے۔

مالی راؤ نے ایک لڑکی کو کھینچ کر اپنے چہرے کے سامنے کر لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ "ماں جی! ان آنکھوں میں اگر آپ میری آنکھوں سے دیکھیں تو یہاں رنگ و بو، کیف و سرور اور لذت و لطافت کی دنیا نظر آئیں گی۔ جوانی اور احتیاط کہیں کبھی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں اور جب ان دونوں میں وقت اور اختیار بھی شامل ہو جاتے تو پھر کچھ کہنا ہی کیا۔" پھر ایک دم پربھاکر کو مخاطب کیا۔ "کیوں وردھوان جی تمہارا کیا خیال ہے؟"

اہلیا بائی نے رو کر جواب دیا۔ "مالی راؤ! تو اپنی ماں کی بے عزتی کر رہا ہے، تو تو پاگل ہو گیا ہے۔" پھر گڑ گڑانے لگی۔ "ہے شیو جی! مجھے تو تم نے بیٹے کی بجائے شیطان دے دیا، میں اپنے کرم کا رونا کس کے آگے روؤں؟"

مالی راؤ نے پربھاکر سے کہا۔ "پربھاکر جی! بھگوان تمہیں ہمیشہ دکھی رکھیں، تم نے میری ماں کو خوب ورغلایا ہے، یہ میری ماں جو کچھ کہہ رہی ہے ماں کی زبان میں پربھاکر بول رہا ہے۔ وردھوان جی! اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ وہ سزا دوں گا کہ تمہاری نسلیں یاد رکھیں گی۔"

پربھاکر کھسیا کر رہ گیا۔ رجنی کانت نے پربھاکر کی وکالت کی۔ "مہاراج! تم ہر بات میں اس جذباتی وردھوان ہی کو کیوں گھسیٹ لیتے ہو؟"

پردہنت جی نے کہا۔ "شاید اس لئے کہ پربھاکر جی اپنے گیان اور وردھوان کی دولت ہر جگہ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔"

مالی راؤ ہر ایک سے بے نیاز اپنے خیالوں میں گم تھا۔ پردہنت جی سے اچانک مخاطب ہوا۔ "پردہنت جی خوش ہو جاؤ، کچھ دیر بعد تمہیں دان کی سجائیں بنا سنوار کر کھڑا کر دیا جاتے گا اور تم دیکھتے ہی دیکھتے بہتوں کے رشک و حسد کا شکار ہو جاؤ گے۔"

پردہنت جی نے بے اختیار دعا دی۔ "ہے شیو جی! اپنے اوتار مالی راؤ کو سدا خوش رکھنا۔ کیونکہ اگر یہ ہے تو تمہارا بھی راج ہے مگر کچھ بھی۔۔۔"

اہلیا بائی روتی ہوئی کہہ گئی۔ "مطلب پرستوں کی جھوٹی باتوں نے میرے بیٹے کے دل و دماغ کو جیت لیا ہے۔ اب اس پر بھگوان ہی رحم کریں تو کریں ورنہ اس کو انسان ٹھیک نہیں کر سکتے۔"

اہلیا بائی کے جاتے ہی پردہنت جی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ "وہ گیا مال

اندیشں بڑھاپا، اس کا راج پاٹ میں کیا کام۔"

مالی راؤ نے دبی آواز میں کہا۔" وہ میری ماں ہے، تم لوگ تو اس کا احترام کرو، خبردار جو کبھی تم لوگ۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن پربھاکر پروہت جی اور رجنی کانت سبھی کو دیکھ رہا تھا اور انہیں بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے مالی راؤ کے لہجے میں چھپے ہوتے مذاق اور طنز کو بھی سمجھ لیا تھا۔ پوری سبھا اہلیا بائی کا مذاق اڑا رہی تھی پربھاکر نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔

"مہاراج! ماں جی کا ادب کرو تاکہ یہ سب بھی ان کا احترام کریں۔ وہ ناراض روتی ہوئی چلی گئی ہیں تم انہیں منا کر معافی مانگ لو تاکہ بھگوان خوش ہو جائیں۔"

مالی راؤ نے پربھاکر کی گدی پر چپت رسید کی۔" اب چپ ہو جا بکواسی، کیا ٹر ٹر لگا رکھی ہے تو نے، بڑھاپا حسد سے جوانی کے اردگرد دیواریں کھڑی کرنا چاہتا ہے، میں ان دیواروں کو اٹھانے ہی کیوں دوں۔"

رجنی کانت اپنی جگہ سے چل کر پربھاکر کے پاس آگئی اور سرگوشی میں کہا۔ "پربھاکر جی! تم اپنے پیچھے کیوں پڑے ہوتے ہو۔"

مالی راؤ نے یہ سب دیکھ لیا، رجنی کانت سے پوچھا۔" یہ تو اسے کیا سکھا رہی ہے؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔" اس مہاگنی اور مہاگیانی کو میں کیا سکھاؤں گی۔ میں تو اس سے یہ کہہ رہی تھی کہ تو خود کو دوسروں پر کیوں چڑھاتے دے رہا ہے بس اپنی فکر کر۔"

مالی راؤ نے بڑی محبت اور جوش میں پربھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔" پربھاکر جی! میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں وہ تماشا دکھاؤں کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاؤ گے۔ میرے ساتھ چلو۔" پھر پروہت سے کہا۔" پروہت جی! میں نے تمہارے لئے اس سے کہیں زیادہ رکھا ہے، جس کا میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا جوتے، کپڑے، گرہستی کا کچھ سامان اور روپے، دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

پروہت نے دعا دی۔" مہاراج! برہمن کو خوش کرو گے تو بھگوان بھی خوش ہو جائیں گے۔"

مالی راؤ بولا۔" پروہت جی! میں نے اس تقریب میں پورے مندر کو بلا لیا

ہے۔ تم نے میرا جس طرح ساتھ دیا ہے۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ میں تمہاری عزت اور شان میں اضافہ کر دوں۔"

رجنی کانت نے پوچھا۔ "اور مہاراج! مجھے کیا ملے گا؟"

مالی راؤ نے مسکرا کر کہا ۔"تجھے شیو جی کا اونا ملے گا۔"

کچھ دیر بعد یہ قافلہ کمرے سے نکل کر راج بھون کے اس ہال کی طرف چل دیا۔ جو اس تقریب کے لئے آناً فاناً سجا دیا گیا تھا۔

* * *

مالی راؤ کا سنگھاسن سب سے اونچا تھا۔ اس کے آس پاس اور پیچھے مورچھل بردار داسیاں مورچھل کو ہلا ہلا کر مکھیاں اڑا رہی تھیں۔ رجنی کانت مالی راؤ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ پروہت جی کے لئے نسبتاً چھوٹا سنگھاسن رکھ دیا گیا تھا۔ جس کے سامنے کھڑے مالی راؤ کی اجازت کے منتظر تھے۔ راج سنگھاسن کے بالکل سامنے ایک تخت بچھا تھا اور اس پر خوبصورت چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ اس چاندنی پر تین تین بڑے بڑے صندوق رکھے تھے جو بند تھے۔ ان سب کے سامنے کافی دُور تک لوگوں کا ہجوم تھا۔ مالی راؤ نے پروہت کو صندوق کے پاس کھڑا کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کیوں، کسی کے بلائے بغیر ہی اہلیا بائی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اور مالی راؤ کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

مالی راؤ نے ہنس کر کہا۔ "مجھ کو معلوم تھا کہ ماں جی ضرور آئیں گی، سو آ گئیں۔"

لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ ماں جی اس کے پیچھے کھڑی رہی۔ رجنی کانت نے سرگوشی میں کہا۔ "مہاراج! ماں جی کا احترام کرو اور ان کے لئے سنگھاسن چھوڑ دو۔"

"ہش!" مالی راؤ نے جھڑک دیا۔ "اگر آج میں اپنا سنگھاسن چھوڑ دوں گا تو کل مجھے راج پاٹ چھوڑنا پڑ جائے گا۔ مَیں اتنی مروت نہیں کر سکتا۔"

پروہت جی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔ ان کی نظریں تخت پر رکھے ہوئے صندوقوں پر جمی ہوئی تھیں۔

کچھ دیر بعد مالی راؤ نے پروہت جی سے کہا۔ "پروہت جی! انتظار کی

گھڑیاں ختم۔" اس کے بعد اس نے حاضرین کو مخاطب کیا اور ان کے سامنے پروہت کی بڑی تعریفیں کی اور کہا۔ "پروہت جی! میں آج تمہیں اتنا بڑا اور اہم مقام دوں گا کہ دنیا جلنے لگے۔"

پروہت جی نے شرما کر عرض کیا۔ "مہاراج! میں نے تو کچھ کبھی نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو وہی کیا جو میرا فرض تھا، میری ذمہ داری تھی۔ اس سے زیادہ تو میں نے کچھ نہیں کیا۔"

مالی راؤ اس کی باتیں دلچسپی سے نہیں سن رہا تھا۔ وہ رجنی کانت کو لئے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اس کی اتباع میں ہر کوئی کھڑا ہو گیا۔ رجنی کانت کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ کے وہ آہستہ آہستہ صندوقوں کی طرف بڑھا اس کے پیچھے پیچھے مورچھل بردار داسیاں اور اہلیا بائی چل رہی تھیں۔ اس نے چلتے چلتے اچانک پیچھے مڑ کر ماں کو مخاطب کیا۔ "ماں جی! آپ کو یاد ہے نا۔ ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے یہ کہا تھا کہ مالی راؤ میرا بیٹا ہے اور میں اس کو خوب جانتی ہوں۔"

اہلیا بائی نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں بیٹے میں نے یہ بات کہی تھی۔"

مالی راؤ نے قہقہہ لگایا۔ "بھگوان نے چاہا تو میں آپ کو جھوٹا نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے بعد آپ کہہ اٹھیں گی کہ مالی راؤ میرا سعادت مند بیٹا ہے۔"

پر بھاکر ان باتوں سے چکرا رہا تھا۔ پروہت جی بے چین تھے کہ مالی راؤ معاملے کو بلا وجہ طول دے رہا ہے۔ جو کچھ دینا چاہتا ہے دے دلا کر چھٹی کرے۔ مالی راؤ نے اچانک دوارکا کو آواز دی۔ "دوارکا! تو کدھر مر گیا۔ نظر کیوں نہیں آتا۔"

خدمت گاروں نے دوارکا کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ دوارکا وہاں موجود ہی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد چند مزدوروں کو لئے ہوئے ہال میں داخل ہوا۔ مزدوروں نے چھوٹے چھوٹے ٹوکرے سنبھال رکھے تھے۔ بید کے بنے ہوئے ٹوکرے بند تھے اور انہیں اتنی عمدگی سے بُنا گیا تھا کہ جھری کا نام نشان تک نہیں ملتا تھا۔ دوارکا نے یہ ٹوکرے صندوقوں کے پاس رکھ دیئے اور عرض کیا۔

"مہاراج کا حکم تھا۔ وقت کم تھا اور کام بڑا۔ بہر حال پھر بھی میں نے کام چوکس کر دیا ہے۔"

دوارکا نے ان ٹوکروں کو صندوقوں میں الٹ دیا اور دوبارہ بند کر

کے پیچھے ہٹ گیا۔

مالی راؤ نے کہا۔ "ارے دوارکا! تو کدھر چلا گیا۔ ادھر پر بھاکر جی تم بھی میرے پاس آجاؤ۔" پھر اپنی ماں کو بھی آواز دی۔ "ماں جی! آپ بھی میرے پاس آجائیے۔"

مالی راؤ نے جس جس کو اپنے پاس بلایا تھا، سبھی اس کے قریب پہنچ گئے پروہت جی بن بلائے ہی ان صندوقوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ رجنی کانت اس ناٹک سے سہمی ہوئی تھی۔

مالی راؤ نے حاضرین سے کہا۔ "لوگو! شیوجی کے سب سے بڑے پجاری اور پروہت تجارت میں روپیہ لگانا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے مجھ سے مدد کی خواہش کی۔ پھر میں نے بھی پروہت جی سے کاروبار کر لیا اور مندر کی ایک نہایت قیمتی اور مقدس شے میں نے پیشگی وصول کر لی۔ اب میں پروہت جی کے بقول شیوجی کا اوتار ہوں، اور میں پروہت جی کو جو کچھ بھی دے رہا ہوں وہ شیوجی کے اوتار کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔"

مالی راؤ نے اس چھوٹی سی تقریر کے فوراً بعد پروہت جی کو اجازت دے دی۔ "پروہت جی! صندوق کے ڈھکنے اور بید کے خالی ٹوکروں کو مال و زر سے بھر لو۔"

پروہت جی نے بڑے بے صبرے پن سے صندوق کا ڈھکنا ہٹا کر اس میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ انہوں نے مال و زر کو سمیٹنے کی کوشش کی اور ایک خوفناک چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھ باہر نکال لئے۔ وہ ہاتھوں کو زور زور سے جھٹک رہے تھے اور چیخیں مار مار کے رو رہے تھے۔ ہجوم یہ منظر دیکھ کر سہم گیا کہ پروہت جی کے دونوں ہاتھوں سے بچھو چمٹے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے صندوق کے اندر سے بچھوؤں کی کثیر تعداد رینگ کر نکل رہی تھی۔ ان کی مڑی ہوئی دُمیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔

پروہت جی تڑپ کر گر گئے۔ ان پر غشی طاری ہو گئی اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ مالی راؤ پروہت جی کو چیختے تڑپتے، گرتے اور پھر بیہوش ہوتے دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ وہ دیوداسیوں اور پجاریوں کو پکار پکار کے دعوت دے رہا تھا۔ "شیوجی کے داسیو آگے بڑھو اور مال و زر سے بھرے ہوئے ان صندوقوں کو خالی کر دو، ان میں جو

کچھ بھی ہے تمہارا ہے۔"

لیکن رینگتے بچھوؤں کی موجودگی میں کس کی ہمت تھی، جو ان صندوقوں سے مال وزر نکالتا، حالانکہ وہ سونے چاندی سے اوپر تک بھرے ہوتے تھے۔

اہلیا بائی بے قراری سے پروہت جی کے پاس پہنچی اور خدمت گاروں کو چیخ کر حکم دیا۔ "تم سب یہاں کس بات کا تماشا دیکھ رہے ہو جاؤ بچھو کے ڈنک کی کوئی دارو لاؤ۔ پروہت جی کا تو بہت برا حال ہے۔"

پھر مالی راؤ کے ایک دو ہتھڑ رسید کر دیا اور روتے ہوئے کہا۔ "شبھو جی یہ میرے گھر میں میری کوکھ سے تم نے بیٹے کی جگہ شیطان کو پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو پاگل ہو گیا ہے، اب میں کیا کروں؟"

پربھاکر اور رجنی کانت بھی سہم گئے۔ دوارکا مطمئن تھا کیونکہ وہ اس ناٹک میں ایک خاص کردار تھا۔ بچھو بیدروں کے ٹوکروں میں وہی لایا تھا۔

پربھاکر نے رجنی کانت کے کان میں کہا۔ "رجنی کانت! آج پتہ نہیں یہ مہاراج کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیسی حرکت کی ہے مالی راؤ نے، اب کیا ہو گا؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "مہاراج کی باتیں مہاراج ہی جانیں۔"

پربھاکر نے مالی راؤ سے کہا۔ "مہاراج! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تمہارا اعتبار جاتا رہے گا۔"

لیکن مالی راؤ پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے بچاریوں کے ہاتھوں کو پکڑ پکڑ کے زبردستی صندوقوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ بچھوؤں نے انہیں ڈنک مار مار کر بے حال کر دیا۔ ذرا سی دیر میں راج بھون کا یہ ہال قیامت صغریٰ کا سماں پیش کرنے لگا۔ اہلیا بائی تا دیر یہ منظر نہیں دیکھ سکی اور روتی ہوئی راج بھون میں گم ہو گئی۔

کچھ دیر بعد مالی راؤ نے دوارکا کو حکم دیا۔ "مال وزر کے صندوقوں کو ان کی جگہوں پر پہنچا دو۔"

دوارکا نے حکم کی تعمیل کی۔ اور صندوقوں کے ڈھکنوں کو بند کر کے وہاں سے ہٹا دیا۔

مالی راؤ کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ وہ خوشی میں چیختا چلاتا، قہقہے لگاتا

رجنی کانت کے پاس آیا۔ اور بولا "رجنی کانت! تو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے۔ تو ہنستی کیوں نہیں؟ تو قہقہہ لگا۔ میں نے کتنا شاندار دان دیا ہے۔ شیوجی تو جاندار وں کی بھینٹ لیتے ہیں۔ میں شیوجی کا اوتار کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا!"

رجنی کانت نے سوالیہ نظروں سے پربھاکر کی طرف دیکھا۔ وہ مالی راؤ سے خوفزدہ تھی۔ وہ اس سے نظریں ملاتے ہوئے بھی کانپ رہی تھی۔ مالی راؤ شاید اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس نے پربھاکر کو حکم دیا۔ "جا، تو بھی کیا یاد کرے گا، رجنی کانت کو لے جا۔"

رجنی کانت اور پربھاکر کو شبہ گزرا کہ شاید مالی راؤ ایسا طنز اور مذاق سے کہہ رہا ہے۔ ان دونوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اجازت ملنے کے باوجود دونوں ایک ساتھ چند قدم ہی چل سکتے۔

مالی راؤ ہنستا ہوا ان دونوں کے پاس آیا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کے پربھاکر کے ہاتھ میں دے دیا، بولا "بزدلو! ڈرتے کیوں ہو، میں جو اجازت دے رہا ہوں۔"

پربھاکر کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ رجنی کانت پربھاکر سے زیادہ بہادر نکلی۔ وہ خوفزدہ تو ضرور تھی مگر اس پر کپکپی نہیں طاری تھی۔

مالی راؤ نے دونوں کو زبردستی کھڑا کر دیا۔ بولا۔ "مورکھو! اس وقت تم دونوں کہاں ہو؟ موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ میں تم دونوں کو ہنسی خوشی بقیہ دن کے لئے ایک دوسرے کے حوالے کر رہا ہوں اور تم ہو کہ خوف سے مرے جا رہے ہو۔ میں مالی راؤ، جو بیک وقت مہاراج بھی ہوں اور شیوجی کا اوتار بھی۔ تم دونوں کی محبت کو آسودگی بخشنا چاہتا ہوں۔ رجنی کانت کو تو اپنے ساتھ لے جا—

لیکن پربھاکر اب بھی خوفزدہ تھا۔ رجنی کانت حوصلے سے بولی "پربھاکر جی! جب مہاراج اپنی مرضی سے ہمیں کچھ دے رہے ہیں تو ہمیں بھی اس کا احترام کرنا چاہیئے۔"

پربھاکر نے ادھر ادھر دیکھا، پجاری اور دیوداسیاں مالی راؤ کے حکم پر حیرت زدہ دم بخود نظریں نیچے کئے کھڑی تھیں جن پجاریوں کو بچھوؤں نے ڈنک مار دیا تھا واویلا مچا رہے تھے۔ پردھان جی فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔

مالی راؤ نے پربھاکر اور رجنی کانت کے ایک ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور انہیں کھینچتا ہوا ایک ایسے کمرے میں لے گیا جہاں کی سجاوٹ اور آرائش و زیبائش سے دل میں حسرتِ وصال اور خواہشِ اتصال پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ ایک خوابگاہ تھی۔ ایک گوشے میں بستر لگا ہوا تھا۔ مالی راؤ نے ان دونوں کو بٹھا دیا اور باہر واپس چلا گیا۔

پربھاکر اور رجنی کانت حیرت اور تشویش سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ رجنی کانت نے پوچھا "پربھاکر جی! کیا تم رو رہے ہو؟"

پربھاکر نے آنکھوں کے گوشوں کو انگلیوں سے پونچھ کر جواب دیا "نہیں تو یہ خوشی کے آنسو ہیں۔" پھر رجنی کانت سے پوچھا "اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں بھیگ گئی ہیں؟"

رجنی کانت نے جواب دیا "خوشی سے، یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔!"

پربھاکر نے شک و شبہے سے کہا۔ "شاید، ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر شاید نہیں۔"

رجنی کانت اس سنکی مزاج اور خیالی انسان کو خوف سے دیکھنے لگی۔

★ ★ ★

چند گھنٹوں کی تنہائی اور اختیار سے پربھاکر کچھ زیادہ لطف اندوز نہ ہو سکا۔ اس کا زیادہ وقت وسوسوں، اندیشوں اور حیرتوں میں گزر گیا۔ اس کے علاوہ جو وقت تھا وہ رجنی کانت کے حسن کی ستائش اور رعب میں گزر گیا۔ رجنی کانت نے پربھاکر کو مدہوش کر دیا تھا۔ رجنی کانت کے تقاضے کچھ اور تھے اور پربھاکر کی کم ہمتی کا کوئی اور ہی رنگ تھا۔ وہ اس خوش قسمتی اور کامرانی کے لمحوں میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اسے کاش رجنی کانت شیو جی کی داسی نہ ہوتی، یا اگر داسی تھی بھی تو اس پربھاکر کی نظر نہ پڑی ہوتی

اور پربھاکر کی نظر پڑ ہی گئی تھی تو وہ اس پر وارفتہ وشیدانہ ہوا ہوتا۔ وہ اس وقت سبھی بھی سوچ رہا تھا کہ رجنی کانت بالآخر مالی راؤ کی ہے۔

رجنی کانت اس کے متفکر چہرے کو بغور دیکھتی رہی۔ آخر پربھاکر کے چہرے پر سے بالوں کی لٹیں ہٹاتی ہوئی بولی "کیا بات ہے پربھاکر جی کیا سوچنے لگے۔؟"

پربھاکر نے جواب دیا "میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کسی شاعر کے پاس وہ الفاظ موجود ہوں گے جن سے تیرے سراپا کی سچی سچی منظر کشی ہو سکے۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ جس صانع نے تیری تخلیق کی ہے اس کا جمالیاتی ذوق اور معیارِ حسن کتنا بلند پایہ ہوگا۔"

رجنی کانت شوخی سے نظریں ملا کر بولی "تم فضول باتوں میں سارا وقت گنوا دو گے۔ کچھ بہتر ہے کہ ہمیں جو اتفاقیہ موقع مل گیا ہے وہ پروں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔"

پربھاکر نے رجنی کانت کی بڑی اور بادام جیسی آنکھوں میں جھانکا اس کی لمبی لمبی پلکوں اور پتلی پتلی بھنوؤں کے حصار میں وہ شے نظر آئی جس میں عشاق ڈوب جایا کرتے ہیں اور جن کے شکار سکھ چین سے محروم ہو جاتے ہیں۔

رجنی کانت نے شرما کر اپنا چہرہ پیٹ میں چھپانے کی کوشش کی اٹھلا کر بولی۔ "یہ تم میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "رجنی کانت! میں نے عورت کو ہمیشہ ہی برا کہا ہے اب تک میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، اس میں میرا ذاتی تجربہ شامل نہیں تھا۔ وہ ساری باتیں پرانوں کی تھیں۔ لیکن اب میں شک و شبہے میں پڑ گیا ہوں مجھے اعتراف کر لینا چاہیئے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ یہ احساس مجھے پہلے بھی تھا۔ لیکن اس احساس میں تھوڑا بہت شک و شبہ بھی شامل تھا۔ مگر آج میں پورے یقین اور کامل وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس رنج و آلام کی دھوپ سے تپتی ہوئی زندگی کو چھاؤں عورت کی آغوش ہی میں ملتی ہے، یہ ایسی پُر سکون اور فرحت بخش چھاؤں ہے جس میں پوری زندگی مست و بے خود رہ کر گزاری جا سکتی ہے۔"

عورت کے بارے میں پربھاکر کے شاندار خیالات سن کر رجنی کانت

سحر زدہ سی ہو گئی بولی۔ "پربھاکر! تم لفظوں کے جادو گر ہو، عورتیں تو اپنے ناز و انداز اور آنکھوں کے دل نواز گھاؤ پھراؤ سے مردوں کے دل فتح کر لیا کرتی ہیں۔ مگر تم یہ سارے کام اپنی قوتِ گویائی سے لے سکتے ہو، تم اپنے لفظوں سے عورتوں کے دلوں میں ہلچل پیدا کر سکتے ہو، حسینوں کے گمان اور غرور کو خاک میں ملا سکتے ہو۔"

پربھاکر نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اچانک سوال کیا۔ "رجنی کانت! سچ سچ بتاؤ، ابھی کچھ دیر پہلے جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تھے تو ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔"

رجنی کانت نے ایک بار پھر اپنا چہرہ اس کے مقابل کر لیا۔ "ہاں آنسو تھے تو ہم دونوں کی آنکھوں میں، مگر کیوں؟"

پربھاکر نے کہا۔ "یہ آنسو کیوں نکل آئے تھے؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "خوشی کے آنسو، کیا میری بات کا یقین نہیں آیا۔ ہے؟"

پربھاکر نے کہا۔ "یقین آیا کیوں نہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں اور کون میرے دل کے اندر بیٹھا مجھے ہشکاتا اور بھڑکاتا رہتا ہے۔ وہ بار بار مجھ سے یہی کہتا ہے کہ پربھاکر تیری آنکھوں کے آنسو تو واقعی خوشی کے تھے مگر رجنی کانت کے آنسو مہاراج مالی راؤ کی جدائی کے غم میں بہہ نکلے تھے۔"

رجنی کانت تلملا گئی، اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "او شکی نوجوان! بھگوان کے لئے شکوک اور بدگمانیوں سے پیچھا چھڑا لے ورنہ تو زندگی بھر اداس، مضطرب اور بے چین رہے گا۔"

جواب میں پربھاکر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ دونوں ہڑبڑا گئے۔ رجنی کانت نے پوچھا۔ "کون ہے، کس سے ملنا ہے؟"

باہر سے جواب ملا۔ پُر وقار اور بارعب لہجے میں۔ "اہلیا بائی، مالی راؤ کی ماں!"

پربھاکر اور رجنی کانت نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پربھاکر نے زور سے کہا۔ "دروازے باہر سے بند ہیں، مہاراج بند کر

گئے ہیں۔ کھول دیجئے۔"

اہلیا بائی زنجیر کھول کر اندر داخل ہو گئی، یہاں رجنی کانت اور پربھاکر کو یکجا دیکھ کر پریشان ہو گئی، پوچھا۔ "تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

پربھاکر نے ڈرے سہمے لہجے میں کہا۔ "مقدس خاتون ہم یہاں کچھ بھی نہیں کر رہے۔"

اہلیا بائی رجنی کانت پر برس پڑی۔ "تو داسی نہیں، زہریلی ناگن ہے ایک طرف تو تو نے میرے بیٹے مالی راؤ کو اپنے بس میں کر لیا ہے دوسری طرف تو نے اس ددھوان، گیانی کو زیر کر لیا ہے۔ آخر تو چاہتی کیا ہے؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "دیوی جی! میں نے کسی کو بھی اپنے بس میں نہیں کیا۔ بلکہ مجھ کو لوگوں نے بس میں کر رکھا ہے۔ میں اس کمرے اور تخلیئے میں اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں آئی۔ یہاں مجھ کو پربھاکر کے ساتھ مہاراج مالی راؤ نے قید کر دیا تھا۔"

اب اہلیا بائی پربھاکر سے مخاطب ہوئی۔ "اور پربھاکر تم یوں تو بڑی بڑی باتیں کرتے ہو، گیانی بنتے ہو، ددھوان بنتے ہو، عورتوں کے خلاف زہریلی باتیں کرتے پھرتے ہو اور خود تمہارا یہ حال ہے کہ اس عورت کے اسیر اس کمرے میں قید ہو۔"

پربھاکر نے ادب سے جواب دیا۔ "دیوی! میں تمہاری پوترتا کی سوگند کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ ہم دونوں کو اس کمرے میں مہاراج مالی راؤ نے بند کیا تھا۔"

اہلیا بائی نے کہا۔ "مالی راؤ نے ایسا کیوں کیا؟ اور تم دونوں اس پر راضی کیوں ہو گئے؟"

رجنی کانت نے کہا۔ "مہاراج ہم دونوں کو دھکیلتے ہوئے یہاں تک لائے اور واپسی میں دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔"

اہلیا بائی پربھاکر کو ایک طرف لے گئی۔ "پروہت جی مرنے کے قریب ہیں کئی اور پجاریوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ مالی راؤ نے یہ کیا کر دیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ برہمنوں کو دکھ پہنچانے کا عذاب مالی راؤ کو برباد کر دے گا۔ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا، شیوجی کی داسی کو خراب کر کے اس کا دماغی توازن ہی جاتا رہا۔ اس نے تم دونوں کو اس کمرے میں بند کر دیا۔ پربھاکر! سوچو تو سہی یہ

سب کیا ہو رہا ہے۔"

پربھاکر کو کبھی کبھی کچھ کچھ یقین ہو چلا کہ شاید مالی راؤ پاگل ہو گیا ہے۔ اس نے اہلیا بائی سے استدعا کی "مقدس خاتون! اگر آپ کی یہ بات درست ہے کہ مہاراج مالی راؤ جی کا دماغی توازن درست نہیں ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ان کی دیوانگی میں ہو رہا ہے تو میں کچھ عرصہ کے لئے راج بھون سے ٹل جانا چاہتا ہوں۔"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "پربھاکر جی! یہ سارا قصور شیو جی کی اس داسی کا ہے، تم اس سے بچو، اور اس کو یہاں سے دور کر دو، مندر بھیج دو، یہ جب تک یہاں ہے خطرہ ہی خطرہ ہے۔"

اس کے بعد وہ رجنی کانت کے پاس پہنچی اور کہا۔ "دیوی! تم شیو جی کی داسی ہو، اپنے مرتبے کا خیال کرو اور اس تقدس کو جو شیو جی کی نسبت سے مل گیا ہے سنبھال کر رکھو، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اگر شیو جی ناراض ہو گئے تو اس سرزمین کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔"

رجنی کانت نے پربھاکر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ "پربھاکر جی! تم کیا کہتے ہو؟"

پربھاکر نے اس کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ "رجنی کانت! مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے اور کس کا حکم ماننا چاہیئے کیونکہ یہاں تم اپنی مرضی سے نہیں آئی تھیں اور ابھی تک تم مہاراج مالی راؤ کے حکم کی پابند رہی ہو۔"

اہلیا بائی نے ترشی سے کہا۔ "پربھاکر جی! تم ہیر پھیر کی باتیں کر رہے ہو۔ اس سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ مندر واپس چلی جائے۔"

پربھاکر نے خوشامدانہ کہا۔ "دیوی جی! میں آپ کو ماں سمجھتا ہوں۔ اور ہمیشہ مقدس خاتون کہتا ہوں۔ میں نے رجنی کانت کو جو مشورہ دیا ہے اس میں ہم دونوں ہی کا بھلا ہے۔ میرا بھی اور رجنی کانت کا بھی۔ کیونکہ اگر مہاراج مالی راؤ ہم دونوں سے ناراض ہو گئے تو معلوم نہیں کیا درگت بنا دیں۔"

اہلیا بائی ناراض ہو گئی۔ "اپنے نالائق اور پاگل بیٹے کے ہاتھوں کتنی ذلیل اور خوار ہو رہی ہوں۔ تم لوگ جو چاہو کرو، میں جا رہی ہوں۔ میں شیو جی کے چرنوں میں گر کے پروہت جی اور دوسرے پجاریوں کے حق میں پرارتھنا کروں گی۔ میرے پاس اور کئی ضروری کام ہیں۔"

۱ وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

پربھاکر اور رجنی کانت پاس پاس کھڑے ہو گئے۔ پربھاکر نے پوچھا "رجنی کانت! اب کیا ہو گا؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "تم نے میرے جانے کا مسئلہ مالی راؤ کی مرضی اور حکم پر ڈال کر بڑی عقلمندی کی ورنہ یہ مجھے اسی وقت نکلوا دیتی راج بھون سے۔"

لیکن پربھاکر کو دوسرے اندیشے ستا رہے تھے، بولا۔ "رجنی کانت! ابھی کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا۔ میری قسمت ہی خراب ہے۔ ہمیں ایک جگہ ہونے اور خواہشیں نکالنے کا سنہری موقع ملا تھا جو باتوں میں اور پھر اہلیا بائی کی مداخلت میں ضائع ہو گیا۔"

رجنی کانت بھی اداس ہو گئی بولی۔ "میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ہمیں جو اتفاقیہ موقع مل گیا ہے وہ پروں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔ آخر وہ خوش بختی کے لمحے اڑ گئے، بھاگوان سماں گزر گیا۔"

پربھاکر نے کہا۔ "لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ زندگی ہے تو اور مواقع ملیں گے۔ شاید قسمت پھر یاوری کر جائے۔"

رجنی کانت نے پوچھا۔ "اب میں کیا کروں؟"

پربھاکر نے اپنا سوال کر دیا۔ "اب تم کیا چاہتی ہو؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "بہرحال کمرے میں بند ہونے کا موقع نہیں رہا۔ اس کے علاوہ کچھ سوچو۔"

پربھاکر نے کہا۔ "پھر مالی راؤ کے حکم یا خود ان کا انتظار کرو۔ وہ جیسا کہیں اس پر عمل کیا جائے۔"

رجنی کانت نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پربھاکر کو دیکھا۔ "تو گویا اب میں مالی راؤ کے پاس چلی جاؤں گی؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "ہاں مجبوری ہے۔"

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے۔ اچانک پربھاکر نے رجنی کانت کی۔

سسکیاں سنیں۔ اس نے اپنا چہرہ زلفوں سے اٹھالیا اور رجنی کانت کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا، بولا۔ "تم رو کیوں رہی ہو؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "کچھ دیر بعد میں تم سے جدا ہو جاؤں گی اور پھر پتہ نہیں کب ملاقات ہو، بس اپنی بے بسی اور مجبوری پر آنسو بہا رہی ہوں۔"

پربھاکر نے کہا۔ "لیکن میں تو نہیں رو رہا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس قسمت نے اتنی یاوری کی ہے کہ میں کچھ دیر کے لئے تمہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہی قسمت ہمیں دوبارہ بھی ملا دے گی۔"

رجنی کانت نے انگلیوں پر آنسو لے کر چھڑک دیئے بولی۔ "میں خوش فہم نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اب میں ہمیشہ شیوجی کے اوتار ہی کے پاس رہوں گی۔"

پربھاکر کے دل پر چوٹ لگی، بولا۔ "تو اب میں نے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا راز پالیا ہے، ان کا سبب سمجھ لیا ہے۔"

یہ کہتے کہتے پربھاکر کی آواز بھرّا گئی۔ "رجنی کانت! میں مہاراج مالی راؤ کا مقابلہ کرنے سے رہا۔"

رجنی کانت پربھاکر کو غمزدہ دیکھ کر اور زیادہ پریشان ہو گئی۔ جھلملاتی آنکھوں سے جبری خوشی جھلکنے لگی پوچھا۔ "مجھے تو کہتے ہی تھے اب تم بتاؤ کہ تم کیوں رو رہے ہو؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "رجنی کانت! میں ایک رجائی، امید پرست انسان ہوں لیکن جب ابھی ابھی میں نے تمہاری زبان سے یہ سنا کہ اب تم ہمیشہ ہمیشہ شیوجی کے اوتار کے پاس رہو گی تو مجھے کچھ یوں محسوس ہوا کہ گویا اس طرح تم اپنی خواہش، اپنے فیصلے کا اعلان کر رہی ہو۔ بس اسی دُکھ سے میں رو دیا اور میری آنکھیں تر ہو گئیں۔"

رجنی کانت نے سرد آہ بھری۔ "پربھاکر! سوچو تو سہی، یہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ کچھ دیر پہلے جب ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوتے تھے تو دونوں ہی کی آنکھیں اس طرح برس رہی تھیں جس طرح اب برس رہی ہیں اور اب جدائی کے وقت بھی ہماری آنکھیں پُرنم ہیں پہلے خوشی کے آنسو تھے اور اب غم کے آنسو ہیں۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے، میرے بارے میں تمہارا خیال صحیح ہے لیکن تم اپنے بارے میں سچ نہیں بول رہی ہو۔ پہلے تو تمہاری آنکھوں میں واقعی خوشی کے آنسو تھے مگر اب تمہاری آنکھوں میں غم کے آنسو ہرگز نہیں، میرا خیال ہے یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔"

رجنی کانت نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "یعنی میں۔ میری آنکھوں میں غم کے آنسو نہیں ہیں؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میرا تو یہی خیال ہے رجنی کانت! تم میری باتوں پر حیرت نہ کرو کیونکہ میں جو بات کہتا ہوں اس کے پیچھے میرا تجربہ، مشاہدہ اور معلوم نہیں کیا کچھ شامل ہوتا ہے، میرے آنسو واقعی غم کے آنسو ہیں۔ بچھڑنے کے سوگ میں، لیکن تمہارے آنسو خوشی کے ہیں۔ مالی ماؤ سے ملاقات کی خوشی کے آنسو، شیو جی کے اوتار کی تحویل میں جانے کی خوشی کے آنسو۔"

رجنی کانت نے سرد آہ بھری۔ "افسوس پربھاکر کہ میں تمہیں بدل نہیں سکتی میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ تم چاہے کتنے ہی بڑے ودھوان کیوں نہ ہو لیکن تم میں اعتماد کی کمی ہے، اس اعتماد کی جو آدمی کو اپنی ذات پر ہوتا ہے تم عورت پر شک کرتے ہو اور شک کا کوئی علاج نہیں کیونکہ یہ شک تمہارے خیالوں، احساسات بلکہ عقیدوں میں رچ بس گیا ہے۔"

پربھاکر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس پر مایوسیوں اور محرومیوں نے یلغار کر رکھی تھی۔ راج بھون میں وہ کسی قیدی کی طرح تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا اہلیا بائی، مالی ماؤ اور ان کے خدمت گار اس کے نگران تھے۔ وہ رجنی کانت کو راج بھون کی حدود میں رہ کر نہیں اپنا سکتا تھا۔ اور راج بھون کی حدود کیا معنی، اندور بلکہ مالوے کی حدود میں ایسا ناممکن تھا۔ اس کے اندر ہلچل مچی ہوئی تھی طوفان آیا ہوا تھا۔ بھونچال سے پورا وجود لرز رہا تھا۔

رجنی کانت بھی بے حد غمزدہ تھی۔ اس شکی اور وہمی نوجوان نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

* * *

پربھاکر نے راج بھون چھوڑ دیا۔ اور اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں نے سرد

مہری سے اس کو قبول کر لیا۔ انہوں نے پربھاکر کی کہانیاں دوسروں سے سنی تھیں۔ انہیں پربھاکر سے سخت شکایتیں تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پربھاکر کے راج دربار میں پہنچنے اور راج بھون میں رہنے سے آسودگی حاصل ہوگی مگر پربھاکر تو کچھ اور ہی نکلا اور دوسرے ہی چکروں میں پڑ گیا۔

پربھاکر اپنی کوٹھری میں پڑا رہا۔ اس کوٹھری میں اپنائیت تھی! مانوسیت تھی، بے تکلفی تھی، اختیار تھے اور قدیم شناسائی تھی۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا گویا وہ اس قیدخانے سے نکل کر آزاد فضا میں آگیا ہے۔ اس نے زور زور سے سانسیں لیں۔ مختصر اور تنگ کوٹھری میں آزادی سے ٹہلنے لگا۔ اس نے کئی بار کھڑے ہو کر ہوا میں ہاتھ لہرائے، ٹانگوں کو جھٹکے دیئے۔ اس کی یہ حرکتیں اس کے بھائی بہن اور والدین بھی دیکھ رہے تھے۔ ان سب کو یہ شبہ گزرا کہ پربھاکر کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ پربھاکر نے آہٹ محسوس کی تو کوٹھری کے باہر اپنے خونی رشتوں کو کھڑے دیکھا۔ وہ ہنستا ہوا باہر نکلا اور سب کو کوٹھری میں لے گیا۔ پوچھا "تم سب باہر کیوں کھڑے تھے۔ اندر کیوں نہیں آگئے؟"

ماں نے پوچھا "پربھاکر! ابھی ابھی تو یہاں کیا کر رہا تھا؟"

پربھاکر نے ٹالنے کے لئے کہہ دیا "ماں! میں کھلی اور آزاد فضا میں سانسیں لے رہا تھا۔ خوشی منا رہا تھا۔"

باپ نے پوچھا "کیا تو راج بھون واپس جائے گا؟"

راج بھون کے ذکر نے پربھاکر کے دل میں تیر پیوست کر دیا۔ ایک دم اداس ہو گیا، بولا "شاید نہیں، پتاجی! وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔"

باپ نے کہا "اگر راج بھون اچھی جگہ نہیں ہے تو پھر اچھی جگہ اور کون سی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے تو لوگ سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں اور جوڑ توڑ اور سازشوں میں اپنی ساری دماغی صلاحیتیں خرچ کر دیتے ہیں۔ اب تو کہتا ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا "پتاجی ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے وہ بڑی اچھی جگہ ہو مگر میں خود کو اس ماحول میں نہیں ڈھال سکا۔ مجھ کو تو اہلیا بائی نے روکنے کی بڑی کوشش کی۔"

بھائی نے کہا "بھیا! آپ کو وہاں سے دولت پیدا کرنا چاہیئے تھی۔ ہم

لوگوں کی غریبی سے کیا آپ واقف نہیں تھے؟"

بہن منہ بسورے کھڑے تھی۔"میں نے اپنی سہیلیوں سے بڑی شیخیاں بکھیری تھیں اور ان سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب وہ دن زیادہ دور نہیں ہیں جب ہم لوگ اس چھوٹے اور گندے مکان کو چھوڑ کر کسی شاندار اور صاف ستھرے مکان میں چلے جائیں گے۔"

پربھاکر نے دونوں کو جواب دیا "میں اپنی غریبی سے بھی واقف تھا اور اس سے بھی کہ میری چھوٹی بہن اپنی سہیلیوں میں کیسی شیخیاں بگھار رہی ہوگی۔ لیکن تم لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ راج دربار اور راج بھون میں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں نفسا نفسی کا عالم ہے۔ وہاں خود غرضیاں ہیں۔ نفرتیں ہیں۔ عناد ہے، ایک دوسرے کے خلاف کینہ ہے۔ وہاں رشتوں کا احترام نہیں ہے وہاں آدمی بگڑ تو سکتا ہے سدھر نہیں سکتا۔ اگر بڑوں کا یہ قول سچا ہے کہ برا ماحول اچھوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے تو ہر شریف اور سمجھدار آدمی کو اس سے بچنا چاہیئے۔"

باپ نے غصے میں کہا۔"تو باتوں کا ساہوکار ہے، عقلمند آدمی اپنے ماحول سے اپنے کام کی باتیں لے کر باقی کو مسترد کر دیتا ہے۔"

ماں نے پوچھا۔"پربھاکر بیٹے، میں تیرے باپ یا تیری طرح عقل مند تو نہیں ہوں۔ مجھے تو تو یہ بتا کہ اب کیا ہوگا اور اس گھر سے مفلسی کبھی جائے گی بھی یا یوں ہی رو پیٹ کر زندگی گزرے گی۔"

پربھاکر نے بے زاری سے جواب دیا۔"ماں! میں راج بھون میں کچھ دن رہ کر ہی اتنا تھک گیا ہوں کہ ابھی واپسی کی ہمت نہیں ہے، مجھ کو ذرا سستا لینے دو، اس کے بعد کچھ بتاؤں گا۔"

باپ نے غصے میں سب کو دھکے دے دے کر باہر نکالنا شروع کر دیا "سب باہر نکلو چلو، مہاراج کو سستانے دو۔"

ماں نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ شوہر کا ہاتھ جھٹک کر وہیں کھڑی رہی بولی۔"تو یہ ہے بات تو کرنے دو۔"

لیکن پربھاکر کے بھائی بہن باہر نکال دیئے گئے۔

ماں نے پربھاکر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔"پربھاکر! میں یہ نہیں

کہتی کہ تو آرام نہ کر، نہ سستا لیکن بس میرا اتنا کہنا مان لے کہ تو ایک بار پھر راج بھون چلا جا اور کسی بھی طرح وہاں سے اتنا کما لا کہ ہم سب سکھ چین کی زندگی گزار سکیں۔ اگر پیاسا کنوئیں کے پاس پہنچ کر پیاسا ہی واپس آجاتے تو دنیا والے اس کو احمق کہیں گے۔"

پربھاکر کا باپ اپنی بیوی کی شاندار مثال سے خوش ہو گیا، بولا۔ "پربھاکر! ذرا سوچ تو سہی تیری ماں نے کتنی شاندار اور کام کی مثال دی ہے شاید میں خود اتنی اچھی مثال نہیں دے سکتا تھا۔"

پربھاکر نے پیچھا چھڑانے کے لئے جواب دیا۔ "اچھا بھائی چلا جاؤں گا مگر چند دن آرام کر کے۔"

ماں باپ دونوں نہال ہو گئے۔ باپ نے بیوی کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے جاتا ہوا بولا۔ "چلو چلیں، اب اس کو پریشان مت کرو۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ پربھاکر ہماری بات ٹالے گا نہیں۔"

دونوں باہر نکل گئے۔ پربھاکر نے دماغی کھنچاؤ کی اذیت سے آنکھیں بند کر لیں اور ماضی قریب میں گم ہو گیا۔

شام کو مہیسر کے سب سے بڑے مندر سے ایک پجاری آیا۔ سر گھٹا ہوا، جسم دھوتی میں چھپا ہوا۔ پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں۔ اس نے مارد بھاٹ لوگوں کی بستی میں پربھاکر کا پتہ پوچھا۔ ایک لڑکے نے پربھاکر کے دروازے پر اس کو پہنچا دیا۔ پربھاکر باہر نکلا اور پجاری کو پہچان لیا۔ پروہت کا چیلا مہیشوری تھا۔ پربھاکر اس کو احترام سے اپنی کوٹھری میں لے جانے لگا لیکن مہیشوری نے کہا۔ "پربھاکر جی! اس وقت میں جلدی میں ہوں اور بہت اداس ہوں۔"

یہ کہتے کہتے وہ رو دیا۔ پربھاکر نے پوچھا۔ "بات کیا ہے مہیشوری جی؟"

مہیشوری نے جواب دیا۔ "اپنے پروہت جی سورگباش ہو گئے۔"

پربھاکر بھی سناٹے میں آ گیا۔ حالانکہ وہ اس خبر کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ آہستہ سے کہا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔"

مہیشوری نے کہا۔ "اچھا ہوا یا برا ہوا لیکن جو ہونا تھا ہو گیا۔ رات کو ارتھی اٹھے گی اور کریا کرم ہو جاتے گا۔ جبکہ کانت کی خواہش تھی کہ ان آخری رسوم

میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔"

پربھاکر نے پوچھا۔"رجنی کانت کہاں ہے؟"

جواب ملا۔"مندر کے آشرم میں۔"

پربھاکر نے پوچھا۔"کیا کریا کرم میں راج دربار کے لوگ بھی آئیں گے؟ راج بھون سے کون کون آئے گا؟"

مہیشوری نے جواب دیا۔"دیوی اہلیا بائی جی آئیں گی۔"

"اور مہاراج مالی راؤ جی؟"

مہیشوری نے جواب دیا۔"شاید وہ نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ خود کو چلا چلا کر شیو جی کا اوتار کہہ رہے ہیں۔ اور شیو جی کا اوتار معمولی پروہت کے کریا کرم میں کیوں شریک ہو؟"

پربھاکر نے کہا۔"اچھا تم چلو اور رجنی کانت سے کہہ دینا کہ میں آرہا ہوں۔ میں ضرور آؤں گا۔"

مہیشوری فوراً ہی چلا گیا۔ پربھاکر مندر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

★ ★ ★

مندر کی حدود میں بڑی بھیڑ تھی مہیسر کی آبادی کا بیشتر حصہ پروہت جی کی آخری رسوم میں شریک ہونے کے لئے آگیا تھا۔ پربھاکر بھی پہنچ گیا۔ یہاں پجاریوں اور دیوداسیوں نے پربھاکر کا شکستہ دلی اور افسوس سے استقبال کیا سانہیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پربھاکر نے راج بھون خالی کر دیا ہے جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عقلمند پربھاکر نے دیوانے مالی راؤ کے ظلم کو پسند نہیں کیا اور احتجاجاً علیحدگی اختیار کرلی ہے۔

وہ دیوداسیوں کے آشرم میں رجنی کانت کے پاس چلا گیا۔ اس وقت رجنی کانت کے پاس کنتی اور پجاری بھی موجود تھے۔ سبھی پربھاکر کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

رجنی کانت بیماروں کی طرح اٹھی اور آہستہ سے کہا۔"میرا خیال تھا تم نہیں آؤ گے۔"

پربھاکر نے بھی آہستہ سے کہا۔"رجنی کانت! تم بلاؤ اور میں نہ آؤں

ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

رجنی کانت نے پجاریوں کی طرف دیکھا۔" پربھاکر جی! پروہت جی کی افسوسناک موت نے پورے مہیسر میں کہرام برپا کردیا ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے جو ایک حکمران کے ہاتھوں ہو گیا۔"

پربھاکر دوسروں کے سامنے مالی راؤ کے خلاف زبان نہیں کھولنا چاہتا تھا اس لئے چپ سادھ لی۔

ایک پجاری نے کہا۔" ابھی کچھ دیر پہلے مالی راؤ جی کی طرف سے یہ خبر بھیجی گئی ہے کہ وہ پروہت جی کی موت سے بہت ملول ہیں اور انہوں نے پروہت جی کے نام سے دان پُن کا منصوبہ بنایا ہے۔ وہ عنقریب مندر میں سونے چاندی کے تھال بھیجنے والے ہیں۔"

پربھاکر نے پوچھا۔" آخری رسوم کے ادا ہونے میں ابھی کتنی دیر باقی ہے؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔" شاید دیوی اہلیا بائی کا انتظار ہے۔"

پربھاکر نے کہا۔" مہیشوری پرشاد کہاں ہیں؟

رجنی کانت نے پجاریوں سے کہا۔" تم لوگ باہر جاؤ اور دیکھو کہ مہیشوری پرشاد جی ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ اہلیا بائی جی جیسے ہی آئیں ہمیں بتا دیا جائے۔"

پجاری چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد رجنی کانت نے پربھاکر کو مطلع کیا۔" پربھاکر جی! تم دیوی اہلیا بائی سے اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ مہاراج مالی راؤ اس سے ناخوش ہیں۔ بس اپنی ماں کی وجہ سے ذرا خاموش ہیں

پربھاکر دہل گیا، بولا۔" رجنی کانت! میں بہت جلدی مالوہ چھوڑ دوں گا۔"

رجنی کانت چونک پڑی۔" مالوے کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" رجنی کانت! جس علاقے کا راجہ ذہنی توازن کھو چکا ہو وہاں کوئی شخص محفوظ نہیں ہوگا۔ پروہت جی کی موت اور پجاریوں کی بیمار جمعیت اس کا ثبوت ہے۔ اس لئے میں کسی بھی دن یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "میرا خیال ہے تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "رجنی کانت! جان ہے تو جہان ہے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔"

ایک پجاری نے مطلع کیا۔ "دیوی اہلیا بائی جی آ چکی ہیں۔"

رجنی کانت کھڑی ہو گئی۔ پربھاکر سے کہا۔ "چلو اب پروہت جی کی آخری رسوم میں شریک ہو لیں۔"

پربھاکر کھڑا تو ہو گیا۔ مگر اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ بولا۔ "رجنی کانت اگر میں یہیں بیٹھا رہوں تو کوئی ہرج تو نہیں۔ میں واجب الاحترام خاتون کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "نہیں، تم ڈرو نہیں، دیوی اہلیا بائی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور مالی راؤ جی یہاں آئیں گے نہیں، جب تم یہاں تک آئے ہو تو آخری رسوم میں بھی شرکت کر لو۔"

پربھاکر ہمت کر کے رجنی کانت کے ساتھ ہو لیا لیکن اس کے دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ پاؤں رکھتا کہیں تھا جو پڑتا کہیں تھا۔ آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی تھی۔

* * *

پروہت جی کی ارتھی اٹھی تو مندر کی حدود میں قیامت برپا ہو گئی۔ اہلیا بائی نے ارتھی پر پھول چڑھائے اور کچھ دیر اس کے سامنے کھڑی رہی وہ چپکے چپکے روتی رہی۔ اس نے کچھ دیر بعد لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

"پروہت جی! میں نے یہ پاپ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں۔ مالی راؤ ہم سب کے لئے مصیبت بن گیا ہے، میں کیا کروں؟ بتاؤ میں کیا کروں؟"

وہ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئی۔ اچانک اس کی نظر پربھاکر پر پڑی۔ اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ پربھاکر کے ساتھ رجنی کانت بھی ہو لی۔ کیونکہ وہ دونوں کی باتیں سننا چاہتی تھی۔

پربھاکر اہلیا بائی کے سامنے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ اہلیا بائی نے کہا۔ "تم یہاں آ گئے، بڑی خوشی ہوئی۔ مگر میری ایک بات یاد رکھو۔ مالی راؤ کے دوسرے

شکار شاید تم ہو گے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ تم محفوظ رہو لیکن تمہیں بھی محتاط رہنا ہے۔"

پربھاکر اور زیادہ سہم گیا۔

پروہت جی کی ارتھی شمسان لے جانے لگے تو اس کے ساتھ ساتھ کچھ دُور تک اہلیا بائی بھی گئی۔

پربھاکر کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ راستے ہی سے واپس چلا جائے لیکن ہمّت کر کے شمسان تک ساتھ گیا۔ وہاں پروہت جی کو جب آگ دی جانے لگی تو مالی راؤ بھی اپنے دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس کا رتھ پربھاکر کے قریب ہی رکا پربھاکر کی جان نکل گئی۔ مالی راؤ نیچے اترا اور پربھاکر کو پُکارا۔

"پربھاکر جی! اچھے ملے، ادھر میرے پاس تو آنا۔"

پربھاکر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "جی مہاراج!"

مالی راؤ نے کہا۔ "میں نے سوچا، پروہت جی کے نام پر دان پُن کرنے کا یہی بہترین موقع ہے میں روپے لے کر یہیں آ گیا۔"

کچھ دیر بعد ارتھی جلنے لگی۔ مالی راؤ برہمنوں میں روپے تقسیم کرنے لگا۔ آخر میں جب لوگ واپس ہونے لگے تو مالی راؤ نے پربھاکر کو اپنے رتھ میں بٹھا لیا بولا۔ "پربھاکر جی! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ مجھ کو بتائے بغیر ہی راج بھون سے فرار ہو گئے۔"

پربھاکر کا پورا وجود کپکپا رہا تھا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔ "مہاراج میں نے دیوی ماں سے اجازت حاصل کر لی تھی۔"

مالی راؤ نے حقارت سے منہ بنا کر کہا۔ "دیوی ماں کون ہوتی ہیں تمہیں اجازت دینے والی، تمہیں مجھ سے پوچھنا تھا، تمہیں مجھ سے اجازت لینی تھی۔"

پربھاکر نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "مہاراج! وہ تو واجب الاحترام مقدس خاتون ہیں۔ ان کی سبھی عزّت کرتے ہیں اور وہ آپ کی ماں ہیں۔"

مالی راؤ نے برہمی سے کہا۔ "میں جانتا ہوں وہ میری ماں ہیں۔ لیکن میں اپنے راج پاٹ میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔"

پربھاکر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "آئندہ میں خیال رکھوں گا۔"

مالی راؤ ہنس دیا۔ بولا "ہاں تمہارا یہ جواب درست ہے۔ زیادہ ہیر پھیر سے

بات بگڑ جاتی ہے بنتی نہیں ہے۔"

پربھاکر کی جان میں جان آئی۔ طبیعت ٹھہر گئی۔ پسینے سے اس کے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ خوف کا پسینہ اس کی پیشانی پر بھی موجود تھا۔ مالی راؤ خاموش ہو چکا تھا۔ پربھاکر بھیگی بلی بنا بیٹھا رہا۔

مالی راؤ کا رتھ راج بھون میں داخل ہو گیا۔ مالی راؤ اترا تو پربھاکر بھی اتر پڑا۔

مالی راؤ نے بے تکلفی سے پربھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کمرے کی طرف لے چلا۔ وہ ہاتھ کو کبھی دبا دیتا کبھی ڈھیلا چھوڑ دیتا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر بولا۔" میں نے تمہارے کمرے کو جوں کا توں رکھا ہے اس لئے کہ میں تم جیسے لائق فائق نوجوان کو راج پاٹ سے نہیں نکال سکتا۔ راج بھون تمہارا مسکن رہے گا۔"

پربھاکر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ کمرہ کھلوایا گیا۔ مالی راؤ اس کو اپنے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا بولا۔" خبردار جو تم نے پھر بھاگنے کی کوشش کی میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں وہ ہر کہیں پہنچ جائیں گے۔"

پربھاکر نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔" مہاراج! اگر میں کچھ عرض کروں تو اس کا برا تو نہیں مانیں گے؟"

مالی راؤ نے ہنس کر کہا۔" کمال ہے پہلے تو تم نے ایسی کوئی اجازت نہیں مانگی تھی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

پربھاکر نے عرض کیا۔" میں مہاراج کے عتاب اور عذاب سے خوفزدہ ہو گیا ہوں۔"

مالی راؤ قہقہہ مار کے ہنس دیا۔" تم پروہت اور پجاریوں کی بابت سوچ رہے ہو گے لیکن تم یہ بھول گئے کہ میں مہاراج کے علاوہ شیوجی کا اوتار بھی ہوں۔ اور تم شیوجی کی مالا سے تو ضرور ہی واقف ہو گے۔ شیوجی کی مالا سانپ ہے۔ میں شیوجی کا اوتار اگر اپنی مالا اور بچھوؤں سے لوگوں کی سواگت کروں تو اس میں حیرت یا افسوس کی کیا بات ہے۔"

مالی راؤ کے جواب نے پربھاکر کو ایک بار پھر سہما دیا مگر مالی راؤ نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی کہ" پربھاکر، میں تم پر مہربان ہوں اور یہ مہربانیاں اس وقت تک قائم اور برقرار رہیں گی جب تک تم کسی بہت بڑی شکایت کا موقع نہ دو گے

نے رجنی کانت تمہارے حوالے کردی۔ کیا اس سے بڑی نوازش کا تصور کر سکتے ہو؟"
پربھاکر نے عرض کیا۔ "بس بس مہاراج، میرے لئے اتنی بہت ساری یقین دہانیاں کافی ہیں۔"
مالی راؤ فوراً چلا گیا۔ جاتے جاتے کہتا گیا۔ "تم آزادی سے رہو، لیکن میری ماں کے تابع بن کر نہیں، میرے تابع فرمان بن کر۔"
مالی راؤ چلا گیا اور اس کے جاتے ہی ایک بار پھر پربھاکر کی طبیعت اکھڑ گئی۔ خوف جو دل کے اندر کہیں دبک، سمٹ گیا تھا، ایک بار پھر پوری شدت اور جوش سے عود کر آیا۔

★ ★ ★

پربھاکر راج بھون میں دوبارہ پہنچ گیا۔ یہ خبر عام ہو گئی۔ اور پربھاکر کے گھر والے بہت خوش ہو گئے۔ لیکن شیو جی کے پجاریوں اور دیو داسیوں نے یہ خبر دکھ اور تشویش سے سنی۔ رجنی کانت ضرورت سے زیادہ پریشان ہو گئی۔ راج بھون میں اہلیا بائی فکرمند تھی۔
پربھاکر کو راج بھون میں آتے پندرہ دن گزر گئے مگر اس سے کوئی کام نہیں لیا گیا۔ یہاں تک کہ مالی راؤ نہ تو اس سے خود ملا اور نہ ملنے کے لئے بلوایا۔ وہ پریشان ہو چکا تھا۔ اس تنہائی اور بے کاری میں رجنی کانت بڑی شدت سے یاد آتی رہی۔
ایک رات کو جب کہ وہ بستر پر جا چکا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا مالی راؤ نے دوار کا کو اس کے پاس بھیج دیا۔ دوارکا نے پربھاکر کو مطلع کیا کہ مہاراج یاد فرما رہے ہیں۔
پربھاکر فوراً ہی مالی راؤ کے پاس چلا گیا۔
مالی راؤ نے اسے بڑے تپاک سے لیا اور کہا۔ "پربھاکر جی! عقل کی باتیں سنے عرصہ گزر گیا۔ آج جی گھبرایا تو تمہیں بلوا لیا۔"
مالی راؤ کے ارد گرد خوشامدی بیٹھے تھے۔ پربھاکر نے ان سب پر اچٹتی نظر ڈالی اور پوچھا۔ "تو مہاراج خود ہی بتا دیں کہ کس قسم کی باتیں کروں؟"
مالی راؤ نے خوشامدیوں کی طرف اشارہ کیا بولا۔ "کچھ ان لوگوں کی بابت

ہی کہہ ڈالو۔"

پربھاکر مسکرا دیا، بولا "ان لوگوں کی بابت کچھ کہنا بہت آسان ہے لیکن کہنے سے پہلے جان کی امان دی جاتے۔"

مالی راؤ بے ساختہ ہنس دیا۔ "پربھاکر جی! تم ڈرتے کیوں ہو اس قدر؟"

پربھاکر نے جواب دیا "شبد (لفظ) جو زبان سے نکل جاتے ہیں، ان کی مثال تیر سے دی جاتی ہے۔ زبان سے نکلے لفظ اور کمان سے نکلے تیر واپس نہیں آتے۔ اجازت اور جان کی امان یوں چاہتا ہوں کہ میں تو آزادی سے کچھ کہہ گزروں اور آپ ناراض ہو جائیں۔"

مالی راؤ نے بے نیازی سے کہہ دیا "اجازت ہے، امان دی۔"

پربھاکر کو اسی لمحے اپنے گھر والوں کا خیال آ گیا جو اس سے مال و زر کی توقع لگائے بیٹھے تھے۔ اس نے اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ بولا "تو مہاراج! اجازت ہے؟"

مالی راؤ نے جواب دیا "اجازت۔"

پربھاکر نے کہنا شروع کر دیا۔ "مہاراج! خوشامدی مکھیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ مٹھاس کی ہوس انہیں اڑاتے رکھتی ہے جس طرح مکھیاں اپنے گندے وجود سے مٹھائی یا کھانے کی دوسری چیزوں کو مسموم کر دیا کرتی ہیں۔ اسی طرح خوشامدی اپنے ممدوح کو مسموم کر دیتے ہیں۔"

مالی راؤ جوشِ مسرت سے بول اٹھا۔ "خوب خوب، واہ وا۔"

خوشامدیوں نے منہ بنایا مگر بظاہر ہنستے رہے۔

پربھاکر نے مزید کہا۔ "اور مہاراج! پیڑ کا پھل جب درخت میں نہیں رہتا تو چڑیا درخت کو چھوڑ دیتی ہیں، سوکھے تالاب سے بگلے اڑ جاتے ہیں۔ آتش زدہ جنگل کے کنارے سے ہرن چمپت ہو جاتے ہیں۔ کنچنیاں مفلس سے کوسوں دور بھاگتی ہیں۔ خوشامدی تباہ حال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہر شخص اپنے فائدے کی تلاش مقدم سمجھتا ہے۔"

مالی راؤ نے رشک سے کہا۔ "شاباش، تمہیں کیا عقل ملی ہے۔"

پربھاکر نے عرض کیا۔ "مہاراج کی عنایت ہے۔ کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔"

مالی راؤ نے خوشامدی درباریوں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ "میرے خوشامدی درباریو! پرکھاکر کی باتوں کے بارے میں تم سب کیا کہتے ہو؟"

انہوں نے متفقہ طور پر جواب دیا۔ "مہاراج! اس کی ساری باتیں درست ہو سکتی ہیں لیکن اس کی یہ بات غلط ہے کہ خوشامدی تباہ حال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اوّل تو بھگوان نہ کرے مہاراج پر کوئی وقت پڑے، آزمائش شرط ہے ہم ہمیشہ وفادار نکلیں گے۔"

مالی راؤ نے پرکھاکر کی طرف دیکھا۔ "بول، اب تو ان کے جواب میں کیا کہتا ہے؟"

پرکھاکر نے جواب دیا۔ "آزمائش شرط ہے۔ آپ ان سے وہ سلوک شروع کر دیں جو کوئی تباہ حال راجہ کر سکتا ہے، پھر ان کی وفاداریاں اور ان کا اخلاص آپ کے سامنے آجائے گا۔"

مالی راؤ بہت خوش تھا، بولا۔ "اچھا میں انہیں آزماؤں گا۔ ضرور آزماؤں گا۔"

خوشامدی بہت برہم تھے اگر مالی راؤ کا خوف نہ ہوتا تو وہ پرکھاکر کی مرمت کر دیتے۔ انہوں نے موضوع بدل دینے کی کوشش کی۔ انہیں پرکھاکر کی غربت اور افلاس کا خوب علم تھا۔ ایک نے کہا۔ "مہاراج! پرکھاکر جی سے ذرا یہ پوچھئے کہ اس کا افلاس اور غربت کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

مالی راؤ نے کہا۔ "ہاں ہاں، پوچھو پوچھو، پرکھاکر جی سے پوچھو۔"

ایک خوشامدی نے پرکھاکر سے سوال کیا۔ "پرکھاکر جی! اگر تم ایماندار ہو تو دولت اور افلاس کی بابت اپنے سچے خیالات کا اظہار کرو گے ورنہ جھوٹ بول جاؤ گے۔"

پرکھاکر نے مالی راؤ کی طرف دیکھا۔ "مہاراج! میں ایک صاف گو انسان ہوں میں غریب خاندان کا ایک فرد ہوں، لیکن میں غربت اور افلاس سے نفرت کرتا ہوں میں افلاس پر موت کو ترجیح دوں گا۔ کیونکہ موت سے وقتی اور معمولی تکلیف ہوتی ہے مگر افلاس زندگی بھر اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔"

مالی راؤ نے ہنس کر پوچھا۔ "اگر یہ بات ہے تو تو زندہ کیوں ہے؟ مر کیوں نہیں جاتا؟"

خوشامدیوں کے چہروں پر رونق آگئی۔ ان کے خیال میں عقلمند پربھاکر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا تھا۔ ان کے خیال میں مالی راؤ کے سوال کا پربھاکر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان کی نظریں پربھاکر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ذرا سی دیر کے لئے پربھاکر واقعی چکرا گیا مگر اپنے ہوش و حواس مجتمع کر کے بولا ـــــ "مہاراج! اگر میں راج بھون میں نہ آگیا ہوتا اور یہ امید نہ بندھ جاتی کہ اب میں افلاس سے نجات پا جاؤں گا تو میں واقعی مر چکا ہوتا۔"

مالی راؤ پھر ہنس دیا۔ "خوب۔ یہ تو ہوئی افلاس کی تعریف۔ اب کچھ دولت کی تعریف بھی ہو جائے۔"

پربھاکر نے عرض کیا۔ "مہاراج! سچی باتوں میں کڑوا پن ہوتا ہے۔ دولت میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی، میرے لئے یہ دشوار ہے کہ دولت کا کوئی ایک ہی پہلو بیان کر دوں۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "تو دونوں ہی پہلو بیان کر دے۔"

پربھاکر ہمت ہارنے لگا۔ "مہاراج ناراض ہو جائیں گے۔"

خوشامدی منہ کھولے کان لگائے اور ہوش و حواس مجتمع کئے ہوتے پربھاکر کی باتوں پر گرفت کرنے کی فکر میں تھے۔

مالی راؤ نے کہا۔ "پربھاکر جی! آج میں بہت خوش ہوں جو چاہو کہہ لو، میں ناراض نہیں ہوں گا۔"

پربھاکر نے عرض کیا۔ "مہاراج! میں نے اپنے گھر کی حالت اور اپنے گھر والوں کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دولت کا حصول مقدم ہے اور ہوش مند کو لازم ہے کہ دولت حاصل کرنے کے سوا کسی کام میں اپنی کوششیں نہ صرف کرے۔ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ دولت مند کے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور مفلس کے عزیز بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے کے پاس دولت ہو تو وہ جوان ہے لیکن نادار جوانی میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مکان کیسا ہی خوش نما کیوں نہ ہو افلاس سے بے رونق ہو جاتا ہے۔ اس آسمان کی طرح جو تاروں سے محروم ہو، اس تالاب کی طرح جو خشک ہو۔ اس شہر کی طرح جو گورستان ہو۔"

مالی راؤ کو اس کی باتوں میں بڑا مزہ آ رہا تھا بولا۔ "اور، اور پربھاکر جی

کچھ اور، رک کیوں گئے؟"

پربھاکر نے کہنا شروع کیا "مہاراج! جہاں افلاس آتا ہے وہاں سبک ساری ضرور آتی ہے اور سبک ساری کے بعد ایمانداری کا رخصت ہو جانا یقینی ہے اور جب ایمانداری گئی تو آدمی حقیر ہو گیا۔ جب حقیر ہوا تو حوصلہ پست ہوا۔ حوصلے کے پست ہوتے ہی مایوسی غلبہ کرتی ہے اور جب مایوسی غالب آئی تو عقل گئی اور عقل کے جاتے ہی تباہی نازل ہو جاتی ہے۔ غرض یہ کہ افلاس ساری برائیوں کی جڑ ہے۔"

اس تقریر نے پربھاکر کے مخالفوں کو بھی متاثر کیا اور وہ رشک سے دیکھنے لگے۔

مالی راؤ نے کہا۔ "پربھاکر جی! تم نے افلاس کی مذمت کر کے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں تمہارے افلاس کا علاج کر دوں لیکن تم نے دولت کی تعریف نہیں کی۔ میں تمہاری زبان سے دولت کی تعریف سننا چاہتا ہوں۔"

پربھاکر نے کہا۔ "مہاراج! دولت کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ یہ اس کی عزت کرا دیتی ہے جو عزت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کا طلب گار بنا دیتی ہے جس سے کوسوں دور بھاگنا چاہیئے۔ اس کا ڈنکا بجوا دیتی ہے جو ذرا سی بھی تعریف کا مستحق نہ ہو۔"

پربھاکر نے میدان مار لیا تھا اس کی باتوں نے مالی راؤ کو اتنا متاثر کیا تھا کہ اس نے اسی وقت رقص و سرود کا حکم دیا اور علم و دانش کی محفل گھڑی بھر میں ناچ گانے کی بزم بن گئی۔ یہ سب کچھ پربھاکر کے اعزاز میں ہو رہا تھا اس کے حاسد اور دربار کے خوشامدی رشک و حسد سے دانت پیس رہے تھے۔ مالی راؤ نے اپنے ہاتھ سے پربھاکر کو شراب کے پیالے پیش کئے۔ گھنگھروؤں کی جھنکار، لطیف نسائی آواز کے لوچ اور ترنم۔ لہراتے، بل کھاتے رقص اور سازوں کے دل آویز سحر نے سبھی کو از خود رفتہ کر دیا۔ مالی راؤ نے رقاصہ سے چہلیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

رات کے پچھلے پہر بزم اُجڑی تو مالی راؤ نے نشے میں دھت ہو کر اپنے

خزانچی کو اس کے گھر سے بلوالیا۔ اس وقت خزانچی سویا ہوا تھا۔ وہ آیا اور مالی راؤ کے حکم پر اسی وقت سونے چاندی اور روپوں سے پربھاکر کو نواز دیا گیا۔
جب پربھاکر اپنے کمرے میں جانے لگا تو اسے راستے میں حاسدوں نے روک لیا۔ اور کہا۔ "پربھاکر جی! آج تم نے ہم پر بڑے سخت حملے کئے ہیں۔ یاد رکھنا، ہم اس کا بدلہ لیں گے۔"
پربھاکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کمرے میں پڑ رہا۔

★ ★ ★

صبح ہوتے ہی اس نے مال و زر اپنے گھر بھجوادیا اور ماں باپ اور بھائی بہن کو پیغام بھیجا کہ اپنے خوابوں کی تعبیر پوری کر لو اور خوب کھاؤ پیو اور مزے کرو۔
اہلیا بائی ہر معاملے سے پوری طرح باخبر تھی۔ پربھاکر بھی بک گیا۔ اس احساس نے اہلیا بائی کو بڑا دکھ پہنچایا۔ اب پربھاکر چونکہ مالی راؤ سے مل گیا تھا اس لئے اہلیا بائی کے لئے غیر معتبر ہو گیا تھا۔ پھر بھی پربھاکر کے لئے اس کے دل میں بڑی عزت تھی۔ بڑی وقعت تھی۔ وہ پربھاکر کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔
کئی دن بعد رجنی کانت بھی راج بھون پہنچ گئی۔ اس کو پربھاکر کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ ضبط و برداشت سے کام لیتی رہی کیونکہ اس کے سوا وہ اور کر ہی کیا سکتی تھی۔
مالی راؤ رجنی کانت کو اپنی خواب گاہ میں لے گیا اور اس سے شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مالی راؤ نے کہا۔ "رجنی کانت! اگر میں راج پاٹ میں الجھا ہوا نہ ہوتا تو اب تک معلوم نہیں کتنی ملاقاتیں ہو چکی ہوتیں۔ لیکن افسوس کہ میں نہ تو خود پہنچ سکا اور نہ ہی تمہیں بلوا سکا۔"
رجنی کانت نے جواب دیا۔ "مہاراج! کیا میں آپ کی مصروفیات سے واقف نہیں ہوں جو آپ اس کا اظہار کر رہے ہیں۔"
مالی راؤ نے کہا۔ "رجنی کانت! وہ جس کو میں نے اپنے دل و دماغ کے نہاں خانے میں دبا دیا تھا اور جس کا مذاق اڑایا کرتا تھا، اس نے مجھ کو حیرت میں ڈال دیا۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "مہاراج کا اشارہ کس طرف ہے؟ میں سمجھی نہیں۔"
مالی راؤ نے جواب دیا۔ "پربھاکر کی طرف۔ وہ تو بہت ہی عقلمند انسان ہے، اس نے میرا جی خوش کر دیا۔"
رجنی کانت، پربھاکر کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن پوچھتے ہوئے خوف کھا رہی تھی، اس نے کہا۔ "مہاراج! سنتی ہوں پربھاکر کا آپ کے دربار سے پھر کوئی تعلق ہو گیا ہے۔۔۔۔"
مالی راؤ نے بات کاٹ دی۔ "تعلق ہو گیا کیا معنی، اس کا تعلق میرے دربار سے ٹوٹا ہی کب تھا اس ودھوان کو اپنے راج دربار سے کسی حال میں بھی نہیں جانے دوں گا۔"
رجنی کانت نے بڑی خوبصورتی سے اپنے مطلب کی بات شروع کر دی۔ "مہاراج! پربھاکر جی کی باتوں میں سوم رس ہے۔ ان کے شبدوں میں جادو ہے۔ میں نے مہاراج کے حکم پر اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ اس کا مزہ زندگی بھر یاد رہے گا۔"
مالی راؤ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ لمحہ بھر رجنی کانت کی صورت تکتا رہا "رجنی کانت! کیا یہ درست ہے کہ اس دن تم کو میں نے خود پربھاکر کے حوالے کر دیا تھا۔"
رجنی کانت نے مالی راؤ کی آنکھوں میں وحشت اور بربریت کی چمک محسوس کی، جواب دیا۔ "حوالے کرنا کیا معنی۔ مہاراج نے ہم دونوں کو گھسیٹ کر کمرے میں دھکیل دیا تھا۔"
مالی راؤ نے افسوس سے کہا۔ "ہاں مجھے یہی بتایا گیا ہے۔ ایک بات اور بتاؤ۔"
رجنی کانت نے کہا۔ "جی مہاراج! پوچھیے۔"
مالی راؤ نے پوچھا۔ "میرے چلے آنے کے بعد کمرے میں کیا ہوا تھا؟ تم دونوں تنہائی میں کیا کرتے رہے؟"
رجنی کانت نے بے دھڑک جواب دیا۔ "باتیں۔ کیونکہ آپ کے چلے آنے کے بعد آپ کی والدہ آ گئی تھیں۔ وہ بھی بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھیں۔"
مالی راؤ مضطربانہ اٹھا اور کہنے لگا ——— "بھگوان کی

سو گندر! اس دن میں نے جو کچھ کیا تھا، ہوش میں نہیں کیا تھا۔ بعد میں جب مجھ کو کسی طرح وہ بات معلوم ہوئی تو میں غیرت سے کٹ گیا۔ لیکن پربھاکر جا چکا تھا۔ اس کے اچانک چلے جانے کا میں نے یہ مطلب لیا تھا کہ وہ تخلیے میں پاپ کر چکا ہے اور پاپی شرم سے منہ چھپا کر فرار ہو گیا ہے۔ ماتا جی اس کی پشت پناہ بن گئی تھیں اس لئے میں پربھاکر کو نظر انداز کرتا رہا۔ اندر ہی اندر غیرت اور شرم کی آگ سلگ رہی تھی۔ آخر کار میں نے یہ منصوبہ بنایا کہ میں کسی بھی طرح پربھاکر کو راج بھون میں واپس لاؤں گا، پیار سے، محبت سے پیاری پیاری باتوں سے اور پھر اس کو ہلاک کر دوں گا۔"

رجنی کانت لرز گئی بولی۔ "لیکن مہاراج! وہ تو بے گناہ ہے بالکل بے گناہ۔"

مالی راؤ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سن تو سہی، خواہ مخواہ بولے جا رہی ہے۔ میں اس کو شمسان سے پکڑ لایا۔ اب میں اس پر مہربان ہو گیا تھا۔ لیکن رجنی کانت! تم یقین کرو۔ اس رات پربھاکر جی نے جو ساحرانہ باتیں کیں اور جس علم و فضل کا مظاہرہ کیا، اس نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ میں نے انعام و اکرام دے کر اس کو مالا مال کر دیا۔ وہ اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اس پر نوازشیں کی جائیں۔"

رجنی کانت کی جان میں جان آئی۔ مالی راؤ نے اس کی پیشانی کو چھو کر زلفیں اپنے چہرے پر بکھیر لیں اور ہنس کر بولا۔ "لو میں زلفوں کی چھاؤں میں آ گیا۔"

رجنی کانت نے ٹھنک کر کہا۔ "مہاراج! آپ کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں کیونکہ آپ ایسی باتیں کر کے بھلا بھی بہت جلد دیتے ہیں۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "میں اپنی داسی کو کس طرح بھلا دوں گا۔ تو تو میرے من مندر میں دیوی کی طرح براجمان ہے۔ شیو جی کا اوتار داسی کا پرستار ہے۔ یہ کتنی عجیب سی بات ہے۔"

مالی راؤ کو معلوم نہیں کیا سوجھی نہ تالی بجائی۔ ایک داسی اندر داخل ہوئی اور دونوں کو جس حال میں دیکھا تھا اس کی تاب نہ لا کر منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

مالی راؤ نے حکم دیا "جا اور فوراً پربھاکر جی کو بلا لا۔"
رجنی کانت نے ناگواری سے کہا۔ "مہاراج! کوئی ایسا کام نہ کیجئے کہ آپ اس پر زندگی بھر پشیمان رہیں۔"
"ایسا کام کیا ہو سکتا ہے، یا اس وقت میں کون سا کام کروں گا، جس سے زندگی بھر شرمساری رہے گی۔"
رجنی کانت نے عرض کیا۔ "مثلاً یہی کہ ہم دونوں یہاں جس حال میں ہیں وہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں کسی تیسرے کو آنے دیا جاتے۔"
مالی راؤ زور سے ہنس دیا۔ "اس میں شرم کی کوئی بات ہی نہیں۔"
رجنی کانت مالی راؤ کے بالوں کو سونگھ کر ان میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ "اگر یہ بات ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لوں گی۔"
داسی پربھاکر کو بلانے جا چکی تھی۔ مالی راؤ نے رجنی کانت پر مشقِ ستم شروع کر دی۔
چالاک رجنی کانت نے عین اس وقت جب مالی راؤ اپنے آپے میں نہیں تھا اور آنکھوں میں سرخی کا ڈورا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کہا۔ "مہاراج! میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آؤں گی۔"
مالی راؤ نے جواب دیا۔ "جب تو میرے پاس آ ہی چکی ہے تو درخواست لے کر دوبارہ کیوں آتے گی جو کچھ کہنا چاہتی ہے صاف صاف اسی وقت کہہ دے۔"
رجنی کانت نے عرض کیا۔ "مہاراج! میں پربھاکر جی کی طرف سے ہر وقت شرمندہ اور خوفزدہ رہتی ہوں۔ آپ کو اسے امان دینا پڑے گی اس کو معاف کرنا ہوگا۔"
مالی راؤ زور سے ہنسا۔ "احمق اور آدھی عقل والی نادان لڑکی! میں نے اس کو معاف کر دیا میں نے اس کو امان بھی دے دی۔ لیکن اب اگر اس نے ایسی ویسی بات کی تو میں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔"
ذرا سی آہٹ پر دونوں نے سامنے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحہ ان دونوں کے سامنے پربھاکر اس طرح کھڑا تھا کہ اس کی نظریں پختہ فرش پر تھیں اور دل و دماغ مالی راؤ کے خلاف سوچنے میں مشغول تھے۔

مالی راؤ نے پربھاکر کو جلانے کے لئے اس کو آواز دی۔

"پربھاکر جی!"

پربھاکر مالی راؤ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "جی مہاراج!"

مالی راؤ نے رجنی کانت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کون ہے؟"

پربھاکر نے خشک آواز میں جواب دیا۔ "رجنی کانت!"

"میں کون ہوں؟"

"مہاراج مالی راؤ۔"

مالی راؤ ایک دم برہم ہو گیا۔ "جھوٹے کہیں کے، میں شیوجی کا اوتار ہوں اور یہ میری داسی، اس کے علاوہ ہر بات غلط، ہر بات جھوٹ۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "مہاراج اور رجنی کانت کے ان رشتوں سے بھی واقف ہوں بے شک آپ شیوجی کے اوتار اور رجنی کانت آپ کی داسی ہے۔"

مالی راؤ، پربھاکر کے سامنے ہی رجنی کانت سے بے تکلف ہو گیا.... پربھاکر کے دل پر آرے چل رہے تھے اور رجنی کانت شرمندہ ہو رہی تھی دونوں ہی مجبور اور بے بس تھے۔ پربھاکر اپنا دل برداشتہ ہوا کہ سر جھکا کر رونے لگا بولا۔ "مہاراج! مجھ پر رحم کرو۔ میرا امتحان نہ لو۔"

لیکن مالی راؤ ذرا نہ پسیجا۔ اس وقت وہ ایک دوسرا ہی مالی راؤ تھا۔ رحم، مروّت اور ہمدردی سے محروم۔

* * *

پربھاکر کے حاسدوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مالی راؤ نے اس کو رجنی کانت کے سامنے خوار کیا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ خود پربھاکر ایک بار پھر راج بھون سے بیزار ہو گیا۔ اہلیا بائی بھی اس سے کسی حد تک ناراض ہو چکی تھی۔ پربھاکر کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کس کا سہارا پکڑے۔

پربھاکر نے ایک بار پھر فرار کا منصوبہ بنانا شروع کیا لیکن اندر سے رجنی کانت اسے روک رہی تھی اور یہ چشم نم اس سے کہہ رہی تھی کہ اگر فرار ہی

ہوتا ہے تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

رجنی کانت دو دن مالی راؤ کے پاس رہی اور چلی گئی۔

اہلیا بائی بہت اداس رہنے لگی تھی وہ اپنے، مالی راؤ کے اور اندور کے مستقبل کی طرف سے بہت فکرمند بلکہ ناامید تھی۔ درباری، بڑے لوگ مالی راؤ کی خوشامد میں لگے ہوتے تھے۔ اس کے خیال میں ایک پرکھا کر ہی ایسا تھا جو بے غرض، بے لوث اور پرجوش مخلص تھا مگر اب شاید وہ بھی کسی حد تک حرص و طمع اور خوشامد میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب وہ پرکھا کر سے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھی اور اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اس کے اشاروں پر نہایت ہوشیاری سے چلے اور مالی راؤ کو قابو میں لے لے۔

اہلیا بائی نے مندر کے نئے پروہت مہیشوری پرشاد سے ملاقات کی اور اس سے مشورۃً پوچھا۔ "میرے بیٹے مالی راؤ کی بابت عام پجاریوں کے کیا خیالات ہیں؟"

مہیشوری نے جواب دیا۔ "دیوی جی! مہاراج آپ کے بیٹے ہیں لیکن ان کے طور طریقے وہ نہیں ہیں جو ہونا چاہئیں۔"

اہلیا بائی نے بڑے کرب سے کہا۔ "پروہت جی! میں اس کی ماں ہوں مگر عاجز آ گئی ہوں۔ مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟"

مہیشوری نے پوچھا۔ "دیوی! آپ کیسا مشورہ چاہتی ہیں؟"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "میں اپنے اور ملہار ہولکر کے خاندان اور حکومت کی بربادی نہیں چاہتی۔ یہاں تک کہ اگر میں انہیں مالی راؤ کو ضائع کر کے بھی بچا لوں گی تو غنیمت سمجھوں گی۔"

مہیشوری نے اہلیا بائی کا مقصد پا لیا تھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ کانوں نے جو کچھ سنا تھا ان کے مفہوم پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بولا۔ "دیوی جی! آپ کیا کہہ رہی ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔ "ہولکر خاندان کی بقا، عزت اور اندور پر اس کی حکمرانی برقرار رکھنے کی خواہش میں میں سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوں۔"

مہیشوری نے کہا۔" اور آپ کی یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک مہاراج مالی راؤ حکومت کریں گے ۔"

اہلیا بائی نے جواب دیا۔" میں اپنے بیٹے پر رو سکتی ہوں۔ اس کی کمی برداشت کر سکتی ہوں ۔"

مہیشوری نے کہا۔" تب پھر دیوی جی! آپ کو پیر بھاکر جی کو ملانا پڑے گا۔ رجنی کانت سے بات کرنا ہو گی۔ اگر یہ دونوں تیار ہو جائیں گے تو کسی تیسرے کو ملانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی ۔"

اہلیا بائی سوچتی رہی، سوچتی رہی، غور کرتی رہی۔ اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچی کہ پیر بھاکر اور رجنی کانت کو اپنے اعتماد میں لینا ہی پڑے گا۔ اس اس نے مہیشوری پرشاد سے کہا۔" پردھت جی! آپ وہ تیسرے آدمی ہیں جو اس سے واقف ہو گئے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کیا کرنے والی ہوں، اس کو آپ اپنے سینے میں دفن کر دیجئے، بھلا دیجئے ۔"

مہیشوری نے کہا۔" دیوی جی! جو آپ چاہتی ہیں۔ آپ پردھنیہ ہیں۔ آپ کو مبارک باد دی جا سکتی ہے۔ آپ حوصلہ مند اور سچی عورت ہیں لیکن جو کچھ آپ چاہتی ہیں وہی ہم چاہتے ہیں، سارے پجاری چاہتے ہیں۔ پورا مہیسر چاہتا ہے، پورا اندور چاہتا ہے ۔"

اہلیا بائی مہیشوری سے بات کر کے سیدھی شیو جی کے چرنوں میں پہنچی لوبان سے مندر کی فضا مہکا دی۔ دھوئیں کے بادل چھوٹی بڑی لکیروں کی شکل میں اٹھنے اور پھیلنے لگے۔ اہلیا بائی نے شیو جی کے چرنوں میں اپنی سیس ٹکا دی اور دل بھر آنے کی وجہ سے رونے لگی۔" شیو جی! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کتنا بڑا اور حیرت انگیز فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ اس پر عمل کر سکوں گی یا نہیں۔ تم چاہو گے تو میرا منصوبہ پورا ہو جائے گا، نہیں چاہو گے تو ناکام رہوں گی۔ لیکن میں تم سے ہمت مانگ رہی ہوں۔ عقل اور استقلال مانگ رہی ہوں۔ صبر اور برداشت کا حوصلہ مانگ رہی ہوں۔ میں ہولکر خاندان کی عزت اور حکومت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں۔ شیو جی! تم میری مدد کرو

وہ شیو جی کے چرنوں سے اٹھ کر راج بھون چلی گئی اور پیر بھاکر اور رجنی کانت سے بات کرنے کی تدبیریں سوچنے لگی۔

مالی راؤ اس فکر میں تھا کہ وہ اپنی ماں کو ہر معاملے سے بالکل بیدخل ہی کر دے لیکن اس دیوانے میں بھی اتنی عقل موجود تھی کہ اہلیا بائی کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ درباری با اثر لوگ اہلیا بائی کی بڑی عزت کرتے تھے اپنی ماں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ اپنے ارد گرد موجود با اثر لوگوں کو دشمن بنا لیا جائے۔

پربھاکر نے اہلیا بائی کی نظروں میں کچھ کہنے کی خواہش محسوس کر لی۔ وہ پربھاکر کو دیکھتی تو ہنس دیتی۔ اس ہنسی میں اہلیا بائی کا بڑاپن بہر حال موجود رہتا۔ کبھی کبھی وہ پربھاکر سے خیریت بھی پوچھنے لگی تھی۔ اور مالی راؤ کبھی اپنی ماں کے اس تغیر کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

پربھاکر نے مالی راؤ سے تھوڑی سی دیر کے لئے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ کیونکہ اس کے بھیجے ہوتے مال و زر سے گھر کی حالت بدلی جا رہی تھی مالی راؤ نے خلاف توقع نہ صرف گھر جانے کی اجازت دے دی۔ بلکہ انعام و اکرام بھی دیا۔ پربھاکر گھر چلا گیا۔ ماں باپ بھائی بہن پربھاکر سے جھک کر ملے اور اس کی بلائیں لیں۔ مگر پربھاکر کا دل خوش نہیں تھا۔ گھر کی بوسیدہ دیواریں گرا کر نئی دیواریں اٹھائی جا رہی تھیں۔ دروازے بھی بدل دیئے گئے تھے۔ بستر، لباس اور روزمرہ میں کام آنے والی چیزیں نئی ہو گئی تھیں۔ فکر مند اور مایوس چہروں پر مسکراہٹ تھیں۔ تازگی تھی، شگفتگی تھی اور ولولہ تھا۔ لیکن یہ چیزیں پربھاکر کے چہرے پر نہیں تھیں۔

ماں نے یہ بات محسوس کر لی اور پوچھا۔ "پربھاکر! کیا بات ہے تو اداس کیوں ہے؟ تو گھر میں آکر خوش نہیں ہوا؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "ماں جی! آپ لوگ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔ آپ میری خوشی یا ناخوشی کی فکر نہ کیجئے۔"

لیکن باپ اور بھائی بہن نے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کیا۔ باپ نے اس کو پورے گھر میں گھما پھرا کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس گھر کو نیا بنانے میں کتنے مال و زر کی اور ضرورت پیش آئے گی۔

پربھاکر نے کہا۔ "بہر حال آپ لوگ بخل سے کام نہ لیں میں مزید مال و زر پہنچنے پر بھجوا دوں گا۔"

ماں کے سوا اس گھر میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو پربھاکر کے دکھوں کا اندازہ کر سکتا۔

رات کو کھانے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں میں چلے گئے۔ لیکن پربھاکر کی حالت کچھ اور رہی تھی وہ جسمانی طور پر تو اپنے گھر میں تھا مگر ذہنی طور پر وہ راج بھون یا مندر میں تھا۔ ماں اس کی فکر مندی اور سوچ سے کڑھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ اس دکھ کو اگلوالے، لیکن ناکام رہی۔ اس رات وہ پربھاکر کے پاس چلی آئی۔ اس کے پاس بیٹھ کر گزرے دنوں کی باتیں کرنے لگی۔ پربھاکر نے ماں کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی، ماں کی جملہ باتوں کے جواب میں اس نے بس ایک ہی بات کہی "ماں جی! پتہ نہیں کیوں، میں نوجوانی ہی میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں"۔

ماں نے ہنس کر جواب دیا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تُو شادی کرنا چاہتا ہے"۔

پربھاکر نے تردید کی۔ "نہیں ماں جی یہ بات نہیں ہے۔ میں دنیا اور زندگی میں کوئی کشش یا دلچسپی نہیں محسوس کر رہا۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ مر جایئے، اپنی جان دے دیجئے۔ دنیا پھیکی پھیکی لگتی ہے زندگی بے مزہ ہو کر رہ گئی ہے"۔

ماں نے پوچھا۔ "اس کا کوئی سبب ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کوئی خاص سبب ہو"۔

ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "پربھاکر! ایسی باتیں نہیں سوچتے، میں جلدی ہی تیری شادی کر دوں گی"۔

پربھاکر نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں ماں جی! میں نے راج بھون سے شادی کر لی ہے، میں وہاں سے زیادہ سے زیادہ کما کر گھر والوں کو دولت مند بنا دوں گا اور پھر ایک دن مالی راؤ کے ہاتھوں قتل ہو کر نرکھ میں چلا جاؤں گا"۔

ماں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ کانپ گئی، بولی "راج بھون میں تُو خوش نہیں ہے شاید؟ کیوں ہے نا یہی بات۔؟ اگر میں صحیح کہہ رہی ہوں تو تُو راج بھون سے ناتہ توڑ لے"۔

پربھاکر نے جواب دیا۔ "ماں جی! راج بھون سے ناتہ جوڑنا جتنا مشکل کام ہے اس سے زیادہ مشکل کام اس سے ناتہ توڑنا ہے۔"

دونوں دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور آخر کار پربھاکر کی ماں اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اس کا بیٹا راج بھون سے ناگ کی طرح خوفزدہ ہے اور معلوم نہیں کیوں اس کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا ہے کہ کسی نہ کسی دن کسی نہ کسی بات پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ بڑی دیر تک اسی بات پر زور دیتی رہی کہ وہ راج بھون سے نکل آئے، جس طرح بھی ممکن ہو، یہ کام کر ڈالے۔

گھر ہی میں مالی راؤ کا پیغام ملا کہ پربھاکر جلد از جلد راج بھون پہنچ جائے۔ بعض اہم امور پر بحث کرنا ہے۔

پربھاکر واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔

★ ★ ★

مالی راؤ سے رجنی کانت کسی بات پر ناراض ہو گئی تھی۔ مالی راؤ نے اس کو کئی بار بلوایا مگر وہ نہیں آئی۔ وہ اگر چاہتا تو رجنی کانت کو زبردستی پکڑ بلواتا مگر تعلقِ خاطر کی وجہ سے مالی راؤ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے پربھاکر کو منتخب کیا اور گھر سے بلوا لیا۔

پربھاکر ڈرا سہما راج بھون پہنچا تو اسے براہ راست مالی راؤ کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مالی راؤ رجنی کانت کا غم غلط کرنے کے لئے چند نئی لڑکیوں سے دل بہلا رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے مالی راؤ جی کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، گھنی گھنی سیاہ زلفیں چہروں اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں، ان کے سُرخی مائل سفید رخسار یوں لگتے تھے جیسے میدے میں قندھاری انار کا رس ملا دیا گیا ہو۔ مالی راؤ جی راجا اِندر کی طرح ان کے جھرمٹ میں بیٹھے تھے۔ پربھاکر کو دیکھتے ہی آواز دی۔

"پربھاکر جی! شبدوں کے جادوگر، باتوں کے گرو اور عقل و علم کے مہاراج میں تم کو سچ مچ بہت بڑا گیانی اور ودھوان سمجھتا ہوں!"

لڑکیوں نے مہاراج کے ممدوح کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا۔
مالی راؤ نے لڑکیوں کو شوخی سے متنبہ کیا "روپ اور جوبن کی پتلیو! اس نوجوان پرکھیں تم نہ کچھ جانا۔ کیونکہ اس میں اس چیز کی کمی ہے جو تمہیں درکار ہوا کرتی ہے یعنی سرشی جنون، دیوانگی، پاگل پن!" مالی راؤ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس عمر میں تو خواہشات اور عزائم وغیرہ منہ زور گھوڑے کی طرح انسان کو آتش زیر پا رکھتے ہیں، جہاں لوگ کر گزرتے ہیں وہاں یہ عقلمند اور مآل اندیش سوچتا رہ جاتا ہے۔ اس کی باتیں نوجوانوں کو پریشان اور بوڑھوں کو حیران کر دیتی ہیں!"
پربھاکر نے نادم ہو کر گردن جھکا لی۔ "مہاراج! مجھے زیادہ شرمندہ نہ کیجئے، سیوک کو سیوا سے مطلع کریں!"
ایک لڑکی نے شوخی سے کہا "مہاراج! یہ وہی نوجوان پربھاکر ہے نا جس کے بول گیان اور ودھیا سے لبریز ہوتے ہیں۔ کچھ بول ہمیں بھی سنوا دیں!"
مالی راؤ نے پربھاکر کو حکم دیا "پربھاکر جی! کوئی انمول بول سناؤ تاکہ یہ لڑکیاں بھی خوش ہو جائیں!"
پربھاکر نے عرض کیا "مہاراج! اس محفل میں عقل و دانش کی باتیں یوں ضائع ہو جائیں گی جس طرح ریگزار میں اناج کے دانے۔ یہ موم کی خوش رنگ پتلیاں میرے بول کیا سمجھیں گی!"
مالی راؤ نے تیوریاں چڑھائیں "پربھاکر جی! میرے حکم کی تعمیل ہونا چاہیئے اور کچھ نہیں!"
پربھاکر نے کہا "مہاراج! ان سے کہیئے، یہ مجھ سے پوچھیں میں اس کا جواب دوں گا!"
مالی راؤ نے لڑکیوں سے کہا "لڑکیو! پربھاکر جی سے کچھ پوچھو!"
اب ساری لڑکیاں پربھاکر سے رجوع تھیں۔ کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا پوچھیں۔ آخر ایک نے پوچھا "پربھاکر جی! انسان میں محبت اور نفرت کی اصل بنیاد کیا ہوتی ہے؟"
پربھاکر نے جواب دیا "دو انسانوں میں کسی بھی قسم کا باہمی تضاد یا اتفاق۔ عالم جاہل کو کراہت سے دیکھتا ہے۔ امیر غریب کو، پرہیزگار بے دین کو، پارسا فاسق کو، عالم، عالم سے جلے گا۔ امیر امیر سے خار کھائے گا، پرہیزگار، پرہیزگار

سے حسد کرے گا۔ پارسا، پارسا کو بُرا کہے گا۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک کے دل میں بھی حسد نے گھر کر لیا ہو۔"

لڑکیاں پربھاکر کی صورت یوں دیکھتی رہیں گویا کچھ پلے نہ پڑا ہو۔

پربھاکر نے یہاں اپنی ناقدری محسوس کی، بولا "مہاراج! مجھے کیوں یاد فرمایا تھا؟"

مالی راؤ لڑکیوں کے بیچ سے نکل کر پربھاکر کو ایک طرف لے گیا۔ بولا۔ "پربھاکر جی! یہ اس وقت جو سماں تم دیکھ رہے ہو، وہ اس کے ردِعمل سے پیدا ہوا ہے کہ رجنی کانت مجھ سے ناراض ہو گئی ہے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں رجنی کانت سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اس کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ راج بھون سنسان، دنیا ویران ہے۔ اس کی کمی یہ اتنی ساری لڑکیاں بھی دُور نہیں کر سکتیں۔"

پربھاکر حسد اور رقابت کی آگ میں جل رہا تھا۔ بمشکل پوچھا۔ "پھر مہاراج! اس سلسلے میں مجھ کو کیا کرنا ہو گا؟"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "میں چاہوں تو رجنی کانت کو جبراً بلوا لوں۔ زبردستی اٹھوا لوں۔ لیکن عشق و محبت میں جبر اور طاقت سے کام نہیں چلتا۔ اگر محبوبہ روٹھ گئی ہو تو اس کے منانے اور راضی کرنے میں جو مزہ آئے گا، وہ جبر اور زور کے استعمال سے نہیں مل سکتا۔ تم رجنی کانت کے پاس جاؤ اور اس کو میری طرف سے راضی کرنے کی کوشش کرو۔ تم اپنی پیاری پیاری باتوں کے زور سے اس کو مجھ پر مائل کر سکتے ہو، اس کی خفگی دور کر سکتے ہو۔"

پربھاکر کے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے سوچا، ہائے ری دولت جو مفلس عاشق اور اپنے رقیب کو نامہ بری پر مجبور کر دیتی ہے جو اپنے جھوٹے عشق کو سچے عشق پر حاکم بنا دیتی ہے۔

مالی راؤ بڑی بے چینی سے پربھاکر کی شکل دیکھ رہا تھا وہ پربھاکر کے دل میں اس کے چہرے کے تاثرات سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مالی راؤ اس طوفان اور اس قیامت کا اندازہ نہیں لگا سکا جو پربھاکر کے پورے وجود کو ہلائے ہوتے تھا جو آتش فشاں کے لاوے کی طرح دل کی تہہ سے اُبل کر دماغ کی طرف چڑھ رہا تھا۔

مالی راؤ نے پوچھا۔ "کیا سوچنے لگے پربھاکر جی؟"
پربھاکر نے بے بسی سے جواب دیا۔ "میں آپ کا یہ کام کردوں گا مہاراج! ضرور کردوں گا۔"
مالی راؤ نے پوچھا۔ "کب کروگے؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "آج ہی، اسی وقت، ابھی!"
لڑکیاں ان دونوں کی سرگوشیاں وحشی ہرنیوں کی طرح کان کھڑے کئے دیکھ اور سن رہی تھیں۔
مالی راؤ نے کہا۔ "تمہاری پوری کوشش یہ ہوگی کہ رجنی کانت میرے پاس ہنسی خوشی آجائے۔ تم لفظوں کے جادوگر اور باتوں کے کلاکار ہو۔ انہونی کو ہونی میں بدل سکتے ہو۔"
پربھاکر نے پوچھا۔ "بس یا اور کچھ؟"
مالی راؤ کے چہرے کی نرمی ایک دم سختی میں بدل گئی۔ اس نے پلٹ کر لڑکیوں پر سرسری نظر ڈالی اور پربھاکر کی طرف دوبارہ رجوع ہوا۔ "اور ایک ضروری بات۔ میں جانتا ہوں کہ تو بھی رجنی کانت کو پسند کرتا ہے لیکن جب تجھ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایک ہی چیز کے دو طلب گار ہیں۔ ایک راجہ اور دوسرا راجہ کا داس، تو راجہ کے داس کا فرض ہے کہ وہ اپنے راجہ کے حق میں اپنی پسندیدہ شے کی طلب گاری سے ہٹ جائے۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "مہاراج کا حکم سر آنکھوں پر، بھگوان نے مجھے اتنی عقل تو ضرور دے رکھی ہے کہ میں اس نازک موقع پر صحیح فیصلہ کروں۔ بھوکے شیر اور بھوکے گیدڑ کے سامنے شکار پڑا ہو تو گیدڑ کی عافیت ہی اس میں ہے کہ وہ بھوک پر صبر کرے اور شیر کے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔"
مالی راؤ ایک دم مشتعل ہوگیا۔ "حق؟ کیسا حق؟ کس کا حق؟ تو رجنی کانت پر کس قسم کا حق رکھتا ہے؟ اور یہ کہ تو ازراہِ ترحم میرے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہوگا۔ یہ کیسی لچر اور فضول بات کی تو نے؟"
پربھاکر مالی راؤ کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ "مہاراج! باتوں کے اسلوب پر قابو نہیں رہا۔ رحم کرو، معاف کردو، غلطی ہوگئی۔"
مالی راؤ ذرا پیچھے ہٹ گیا، بولا۔ "رجنی کانت پر تیرا کوئی حق نہیں۔ اور نہ

ہی تجھے یہ سمجھنا چاہیئے کہ بھوکے شیر اور بھوکے گیدڑ کی تمثیل کی رو سے تو میرا حریف یا رقیب ہے۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو یہ خیال ہی اذیت ناک ہے کہ میری محبوبہ کو تو محبت کی نظر سے دیکھے، میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی۔"

پربھاکر کو اپنی آنکھوں کے سامنے یم دیوتا چتا دکھائی دے رہا تھا، یم دیو موت کا فرشتہ۔ بولا۔ "مہاراج! میں معافی چاہتا ہوں۔"

مالی راؤ نے جواب دیا۔ "جا پہلے میرا کام کر اور رجنی کانت کو بہلا پھسلا کر میرے پاس اس حال میں لا کہ جب وہ میرے سامنے آئے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو، اس کے انگ انگ سے شوق ظاہر ہو رہا ہو، اس کی چال میں محبت کی بے چینی ہو۔

اگر یہ ساری باتیں پوری ہو جائیں گی تو میں تجھے معاف کر دوں گا ورنہ سزا دوں گا۔"

پربھاکر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بولا۔ "مہاراج! میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ چاہیں تو یہیں، اسی وقت، اسی جگہ ہلاک کر دیں۔ میں تیار ہوں لیکن رہی یہ بات کہ میں رجنی کانت کو نہ صرف یہاں تک لے آؤں بلکہ اس حالت اور اس کیفیت میں لاؤں جو آپ نے بیان فرمائی تو شاید ایسا کرنا ناممکن ہو۔ میں اپنی باتوں سے انسان کو بدل تو سکتا ہوں، لیکن یہ ناممکن ہے میں کسی کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دوں، کسی کے دل اور انگ انگ میں خون کی طرح گردش کرنے لگوں، ایسا ناممکن ہے۔"

مالی راؤ نے سختی سے کہا۔ "زیادہ باتیں نہ بنا، جا اپنا کام کر۔"

پربھاکر نے ذرا رک کر ایک نظر مالی راؤ پر ڈالی اور پورے اعتماد سے بات کی۔ "مہاراج! اب جو آپ سے بات کر رہا ہوں تو یہ سوچ کر اور اپنے تئیں یہ فرض کر کے کہ میں مر چکا، میں قتل ہو چکا، میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر رجنی کانت کے پاس جاؤں گا۔ مہاراج! میری آتما غیر معمولی ہے، میری روح میں بڑی شکتی ہے، میں پروہت کی طرح کمزور نہیں ہوں۔"

مالی راؤ نے ہنس کر جواب دیا۔ "پربھاکر جی! تم بھی عجیب آدمی ہو کبھی تو تم پاؤں پر گر کر معافیاں مانگتے ہو، خوشامدیں کرتے ہو اور کبھی اکڑ دکھاتے ہو

اور آتما شکتی کا دعویٰ کرنے لگتے ہو۔ جاؤ اور رجنی کانت کو منا کر لے آؤ۔ بقیہ باتیں بعد میں ہو جائیں گی، تم بھی موجود ہو میں بھی موجود ہوں تم اپنی آتما کی شکتی دکھانا، میں اپنی طاقت دکھاؤں گا پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا دعویٰ سچا تھا۔"

پربھاکر کے چہرے سے وحشت اور مایوسی جھلک رہی تھی۔ بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔"مہاراج! آپ میری پوری بات سن لیں۔ تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ مہاراج! اگر میں آپ کے ہاتھوں بے گناہ قتل کر دیا جاؤں گا تو میری وہ آتما جو جسم کی قید میں رہ کر کمزور پڑ رہی ہے آزاد ہو کر اپنی بے پناہ طاقت کا مظاہرہ شروع کر دے گی۔ میں مرنے کے بعد بدلہ لوں گا اور پوری زندگی اجیرن کر کے رکھ دوں گا۔"

مالی راؤ پربھاکر کی تلخ کلامی برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے حالتِ دیوانگی میں مکوں، جھانپڑوں اور لاتوں کی بارش شروع کر دی۔ پربھاکر اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کی کوشش کرتا رہا۔ اس کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ، انگلیاں، کلائیاں، ہتھیلیاں اور دونوں بازو زخمی ہو گئے۔ لڑکیاں مسکرا مسکرا کر دلچسپ تماشے کی طرح دیکھتی رہیں۔ مالی راؤ مار بھی رہا تھا اور گالیاں بھی دے رہا تھا۔

پربھاکر بھرائے لہجے میں چیخ کر بولا۔"مہاراج! آپ کو یہ مار بہت گراں پڑے گی، اس کی بڑی قیمت دینا پڑے گی آپ کو۔ مارو بھاٹ نوجوان کی بے عزتی کرنا یا اس پر ہاتھ اٹھانا مہادیو کو ناراض کرنے کے برابر ہوتا ہے۔"

مالی راؤ ہانپنے لگا تھا۔"میں تجھے بھی جان سے مار دوں گا اور اگر بیچ میں مہادیو آئے تو انہیں بھی مار دوں گا۔ آخر میں بھی تو شیو جی کا اوتار ہوں اس دور میں، میں کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔"

ایک حسین لڑکی کو پربھاکر پر رحم آ گیا، مالی راؤ کے پاس جا کھڑی ہوئی بولی۔"مہاراج! اس ودھوان گیانی کو معاف کر دیجئے۔"

لیکن مالی راؤ نے لڑکی کو ڈانٹ دیا۔"تو چلی جا میرے پاس سے ورنہ تجھے بھی پیٹ دوں گا۔"

لڑکی چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور مالی راؤ دیوانہ وار پٹائی کرتا رہا۔ پربھاکر بے حال ہو کر گر گیا۔ اور کراہنے لگا۔ اس کے گرتے ہی مالی راؤ کے ہاتھ رک گئے۔

اور پربھاکر کے پاس بیٹھ گیا۔ مسکرا کر پوچھا۔ "کیا حال ہے پربھاکر جی! دونوں کی طاقت کا اندازہ ہو گیا؟ کون طاقتور ہے؟ میں یا تم؟"

پربھاکر نے شدتِ کرب سے آنکھیں بند کر لیں اور کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "مہاراج! بلوان تو آپ ہی ہیں اور اس بلوانی کا میں ہمیشہ سے اعتراف کرتا رہا ہوں۔ اس وقت آپ نے مجھ کو خواہ مخواہ مارا ہے۔ میں اپنی آتما شکتی کا مظاہرہ مرنے کے بعد کروں گا۔"

مالی راؤ نے سختی سے کہا۔ "پربھاکر! اب تو جا اور رجنی کانت کو لے آ۔"

پربھاکر کے منہ سے خون جاری تھا۔ کیونکہ مالی راؤ کے کئی مکے اس کے منہ پر لگے تھے۔

جب وہ جانے لگا تو مالی راؤ نے لمحہ بھر کے لئے روکا اور کہا۔ "پربھاکر! باہر رتھ تیار ملے گا۔ راج بھون میں کسی سے بات کرنے کی کوشش نہ کرنا اور رجنی کانت کو بھی اس تلخی کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔"

پربھاکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مالی راؤ نے لپک کر اس کو دونوں شانوں سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تم نے سنا نہیں؟ میری بات کا جواب دو پربھاکر۔"

پربھاکر نے چیخ کر جواب دیا۔ "نہیں بتاؤں گا ظالم۔"

مالی راؤ نے اس کے منہ پر ایک ہاتھ اور رسید کر دیا۔ "میں ظالم ہوں، زبان سنبھال لے ورنہ گدی سے کھنچوا لوں گا۔ آخر تو خود کو کیا سمجھتا ہے؟"

پربھاکر کے کئی دانت ہل گئے۔ مالی راؤ نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور دروازے پر موجود داس کو حکم دیا۔ "اس کو رتھ پر بٹھا دیا جائے۔"

داس نے پربھاکر کے منہ سے خون بہتے دیکھا تو منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ مارے خوف کے اس بارے میں کوئی سوال بھی نہیں کر سکتا تھا ذرا فاصلے پر رتھ تیار کھڑا تھا۔ مالی راؤ کے داس نے پربھاکر کو رتھ بان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں کہیں پہنچا دیا جائے۔"

داس کے ناقص جملے نے پربھاکر کے دل و دماغ میں بجلی کی طرح کوند

کر ایک راہ دکھائی۔ "مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں کہیں پہنچا دیا جائے!"
وہ خاموشی سے رتھ پر بیٹھ گیا اور حکم دیا "شیو جی کے مندر چلو۔"
رتھ بان نے رتھ پر بیٹھ کر گھوڑے کی راس پکڑی اور ذرا سی جنبش پر گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

* * *

راستے بھر وہ مہیسر سے فرار ہو جانے کے منصوبے بناتا رہا۔ وہ رجنی کانت کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ پتہ نہ تھا۔ کہ وہ اس کا ساتھ دے گی یا نہیں؟
مندر کا کلس سورج کی شعاعوں سے چمک رہا تھا اور مندر کے احاطے میں کھڑے ہوئے لمبے لمبے شیشم اور برگد کے درخت دیواروں کے اوپر سے جھانکتے دکھائی دے رہے تھے۔ رتھ مندر کی حدود میں داخل ہوا۔ پربھاکر نے اسے مندر کے ہان (منڈپ) کے صدر دروازے پر روک دیا۔ دروازے پر دیوی دیوتاؤں کی مورتیں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں نارائن، پاربتی، برہما جی، شیو جی سبھی موجود تھے۔ پربھاکر نے ان مورتیوں کی طرف دیکھا تو اس فریادی اور ستم رسیدہ کی طرح اس کا دل بھر آیا جو دادرسی کے لئے حاکم کے سامنے پہنچ کر رو دیا کرتا ہے۔
وہ چند لمحوں کے لئے صدر دروازے کی مورتیوں کے سامنے رکا اور کہا۔
"دیوتاؤ! مجھ پر ظلم ہوا ہے، تم انصاف کرو اور میرا ساتھ دو کیونکہ مادو بھاٹ جاتی نے کبھی تمہارا ساتھ دیا تھا۔"
وہ مندر میں داخل ہوا، رتھ بان نے اچانک سوال کیا۔ "پربھاکر جی! مجھے رکنا ہے یا واپس جانا ہے؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "کچھ دیر رکو، میں تھوڑی دیر میں واپس آرہا ہوں۔"
وہ مندر کے بڑے دروازے سے داخل ہو کر چھوٹے دروازے سے نکل گیا۔ وہ رجنی کانت کے پاس جا رہا تھا۔ پجاری اور دیوداسیاں پربھاکر کو اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک کوٹھری سے مہیشوری پرشاد نکلے اور پربھاکر کو

مسکرا کر پرنام کیا، بولے۔" پربھاکر جی! یہ پرنام تمہیں نہیں کیا گیا بلکہ اس ودیا، گیان اور بدھی کو کیا گیا ہے۔"

پربھاکر نے پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔" پروہت جی! آپ کی مہربانی کہ آپ مجھے اتنا کچھ سمجھتے ہیں ورنہ آپ کا مقام سب سے بلند ہے۔"

پروہت جی نے پربھاکر کے سوجے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔" پربھاکر جی، تمہیں یہ کیا ہوا؟ کسی سے مار پیٹ تو نہیں ہو گئی؟ یہ چہرہ سوجا ہوا کیوں ہے؟ شاید خون بھی بہا ہے۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔" پروہت جی! آتے ہیں ایک جگہ منہ کے بل گر گیا تھا مگر کوئی خاص بات نہیں۔"

پروہت نے اس کی باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ کہا۔ " اچھا جی! تو تم رجنی کانت کے پاس آئے ہو گے۔ مہاراج مالی راؤ جی کیسے ہیں؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" ہاں میں آیا تو رجنی کانت ہی کے پاس ہوں۔ ویسے مہاراج اچھے ہیں۔ مزاج میں گرمی کچھ زیادہ ہی سمائی ہوئی ہے، رجنی کانت کو اسی وقت طلب کیا ہے۔"

لیکن اس کو اپنی غلطی کا فوراً ہی احساس ہو گیا۔ اس کو یہ نہیں بتانا چاہیئے تھا۔ لیکن بات کہہ چکا تھا، غلطی ہو چکی تھی۔

مہیشوری پرشاد جی نے بڑے افسوس سے کہا۔" پربھاکر جی! ویسے یہ بات ہے بڑے افسوس کی کہ مہاراج شیو جی کی داسی کو اپنی داسی بنانے کے چکر میں ہیں۔"

پروہت جی منہ بنا کر چلے گئے اور پربھاکر نے رجنی کانت کے در پر دستک دی۔ رجنی کانت نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے پربھاکر کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ حیرت سے بولی۔" پربھاکر جی! تم۔ خیریت تو ہے کدھر بھول پڑے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔" رجنی کانت اندر تو آنے دو۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

رجنی کانت نے پورا دروازہ کھول دیا، بولی۔" آجاؤ اندر۔"

پربھاکر نے اندر داخل ہوتے ہوئے رجنی کانت کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ رجنی کانت نے اس کا سوجا ہوا منہ دیکھ لیا تھا۔ اندر دونوں ایک ہی چارپائی

پر بیٹھ گئے۔ رجنی کانت نے پوچھا "یہ تمہارے چہرے پر ورم کیوں ہے؟"
پُرش نے زخموں پر نمک پاشی کی، دل بھر آیا۔ بھرّائی آواز میں سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ بولا "رجنی کانت! اِن حالات میں مَیں راج بھون میں کس طرح رہ سکتا ہوں۔ میں اپنے شبدوں کا جادو محض اس لئے جگاؤں کہ تم ان کے زیرِ اثر میرے ساتھ مالی راؤ کے پاس چلی چلو، میں جو تمہارا سچّا عاشق ہوں۔ ایک بوالہوس کی خاطر دلّالی کروں۔ رجنی کانت! میں یہ نہیں کر سکتا۔"
رجنی کانت نے مسکرا کر پوچھا "نہیں، اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر مالی راؤ جی کے پاس اسی انداز میں چل سکتی ہوں جس طرح کا وہ خواہش مند ہے۔"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔"
"تب پھر تم کیا کرو گے؟ مالی راؤ جی کو کیا جواب دو گے؟"
پربھاکر نے بڑی بے بسی اور مایوسی سے رجنی کانت کو دیکھا۔ اور دبے دبے لہجے میں پوچھا "رجنی کانت! مَیں ایک گزارش کروں؟ کچھ عرض کروں؟"
"کرو عرض۔"
"پہلے وعدہ کرو کہ مایوس نہیں کرو گی؟"
رجنی کانت نے غیر جذباتی انداز میں کہا "جب تک مجھے پوری بات نہ معلوم ہو جائے، میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی، بات صاف صاف کرو۔"
پربھاکر نے التجا آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "رجنی کانت! میں کب تک اس آزمائش میں مبتلا رہوں گا۔ کبھی میری بابت کبھی سوچا تم نے، میرا مسئلہ کبھی زیرِ غور آیا کبھی؟"
رجنی کانت نے جواب دیا "پربھاکر جی! تم ایک شکی انسان ہو، سچی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ تم نکتہ چیں ہو، عورت ذات پر اعتبار نہیں کرتے پھر میں تمہارے مسئلے پر کس طرح غور کروں؟"
پربھاکر نے خوشامد کی۔ "رجنی کانت! یہ میری آخری ملاقات ہو گی۔ کیونکہ میرا میسور یا اِندور میں رہنا یا چلا جانا تمہارے جواب کا تابع ہے۔"
رجنی کانت نے کہا۔ "اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی؟"
"تب پھر میں صبر کر لوں گا، میسور سے کہیں بہت دور چلا جاؤں گا۔"
رجنی کانت نے پوچھا "اگر میں تمہارا ساتھ نہ دوں تو تم میسور کیوں چھوڑ دو گے؟"

"اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے بغیر مہیسر میں رہ ہی کیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ تم سے بھی محروم رہوں اور مالی راؤ کے ظلم و ستم بھی سہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

رجنی کانت نے طنزاً پوچھا "اور وہ تمہاری واجب الاحترام مقدس خاتون تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "میں اپنے معاملے میں ماں بیٹے میں لڑائی نہیں ہونے دوں گا۔"

رجنی کانت نے تلخی سے کہا "جہاں معاملہ جھوٹ اور سچ کا ہو وہاں سچ کو جھوٹ سے ضرور لڑنا چاہیئے۔ کیونکہ جھوٹ اور سچ میں خطرناک سترہ روزہ یدھ (جنگ) مہا بھارت کے نام سے ہو چکا ہے جس میں ایک طرف پانڈو تھے اور دوسری طرف کورو۔ سچ پانڈو کے ساتھ تھا۔ پانچوں بھائیوں کی طرف۔ سچ کی وجہ سے کرشن بھگوان نے بھی پانڈو کا ساتھ دیا تھا۔ کورو ایک سو ایک بھائی تھے، دریودھن ان کا بڑا تھا اور انہی کی طرف جھوٹ تھا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کے رشتے دار تھے، جب ارجن نے اپنے سامنے بھانجوں، بھتیجوں اور دوسرے خونی رشتوں کو صف آرا دیکھا تو وہ ڈر کر مقابلے سے بھاگنے لگا مگر کرشن بھگوان نے اپنے شاندار اپدیش سے ارجن پر یہ بات کھول دی تھی کہ سچ اور جھوٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اہلیا بائی بھی ایک ایسی ہی دیوی ہے جو جھوٹ اور سچ سے واقف ہے۔ مالی راؤ بظاہر اہلیا بائی کا بیٹا ہے لیکن اہلیا بائی کو یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ سچ اور جھوٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ تمہیں اہلیا بائی کی سرپرستی میں مہیسر ہی رہنا چاہیئے۔"

پربھاکر حزن و یاس کے زیر اثر یوں مسکرایا گویا شمسان میں چاندنی ہو گئی ہو۔ بولا "رجنی کانت! آج بھون میں سچ کمزور ہے کیونکہ یہ سچ ایک کمزور عورت کے پاس ہے۔ جھوٹ غالب ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر مالی راؤ پر پاگل پن کا خطرناک دورہ پڑ گیا تو وہ مجھے اذیتیں دے کر ہلاک کر دے گا۔"

رجنی کانت سوچ میں پڑ گئی، سر جھکائے سوچتی رہی۔ آخر بولی "پربھاکر جی! میں تمہاری عزت کرتی ہوں لیکن خوف بھی کھاتی ہوں۔ شک جو تمہاری روح، تمہارے دل و دماغ میں گھسا ہوا ہے اس سے بے حد ڈر لگتا ہے۔ اگر میں تمہارا

ساتھ دو اور تم پیار و محبت سے رہ کر بھی شک و شبہے میں مبتلا رہو تو میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں گی۔ اس لئے ہم دونوں کا الگ الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ اس جوئے میں میری ہار یقینی ہے۔"

پربھاکر واپسی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "بہتر ہے رجنی کانت! اب میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا اور اپنی منحوس شکل نہیں دکھاؤں گا۔"

وہ کوٹھری سے باہر نکل گیا۔ رجنی کانت تڑپ کر اس کے پیچھے دوڑی، بولی۔ "لیکن ایک بات تو سنتے جاؤ پربھاکر جی! لمحہ بھر کے لئے رکو تو سہی۔"

پربھاکر رکا اور مڑ کر دیکھا۔ رجنی کانت اس کی طرف دوڑی چلی آ رہی تھی۔ پربھاکر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

رجنی کانت نے پوچھا۔ "اگر میں تمہارے ساتھ چلوں تو تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟"

پربھاکر کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا، پوچھا۔ "کیا تم نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے؟"

رجنی کانت نے کہا۔ "پہلے میری بات کا جواب دو، یہاں سے نکال کر تم مجھے کہاں لے جاؤ گے، کہاں رکھو گے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "رجنی کانت! بھگوان کی زمین بڑی لمبی چوڑی ہے، میں تمہیں نربدا کے اس پار نیلگری کی پہاڑیوں میں لے جاؤں گا۔ نیلگری کی دشوار گزار وادی میں، جہاں تک مالی راؤ کے آدمی ہمارا پیچھا کر سکتے ہیں ہم اس سے بہت دور نکل جائیں گے۔"

رجنی کانت نے پوچھا۔ "پھر وہاں ہم دونوں میاں بیوی بن کر رہ سکیں گے؟"

"بالکل بالکل۔ اس میں شک و شبہے کی کیا بات ہے؟"

رجنی نے کسی قدر رک رک کر کہا۔ "پربھاکر جی! اگر تم شیو جی کی سوگند کھاؤ کہ میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے اور مجھ پر شک کر کے بے وفائی نہیں کرو گے تو میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔"

پربھاکر کے دل میں امید کی بجلی پوری آب و تاب سے کوند گئی، بولا۔ "میں سوگند کھانے کو تیار ہوں۔"

رجنی کانت اس کو دوبارہ اپنی کوٹھری میں لے گئی اور آہستہ سے پوچھا۔"پھر کب تک نکل چلنے کا ارادہ ہے؟"

"رجنی کانت! کب تک کا وقت نہیں ہے، میں تو اسی وقت مہیسر چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔"

رجنی کانت نے پوچھا۔"اپنے ماں باپ بھائی بہن سے نہیں ملو گے کیا؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔"ان سب سے ملنے میں میں پھنس جاؤں گا۔ باہر رتھ تیار کھڑا ہے، ہم دونوں کو نربدا ندی کے کنارے اتار دے گا ہم آناً فاناً کشتی کے ذریعے پار اتر جائیں گے۔"

رجنی کانت نے حیرت سے پوچھا۔"رتھ تو مہاراج مالی لاؤ کا ہوگا وہ ہمیں نربدا ندی کے کنارے کیوں پہنچانے لگا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔"رتھ اور رتھ بان سر دست میرے حکم کے تابع ہیں۔ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ کیونکہ مہاراج نے رتھ بان کو یہی حکم دے رکھا ہے۔"

رجنی کانت نے جلدی جلدی اپنا ضروری سامان سمیٹا۔ زیورات کی پوٹلی باندھی اور کوٹھری پر الوداعی نظریں ڈالتی ہوئی باہر نکلی۔ مانوس اور پرانا رفیق ماحول اور اس کی ہر شے اس کے پاؤں پکڑ رہی تھی کہ رجنی کانت نہ جا، فیصلہ بدل دے۔

لیکن رجنی کانت بڑی سفاکی سے باہر نکلی اور پربھاکر کو اپنا سامان تھما کر بولی۔"میں ذرا مہیشوری پرشاد سے بات کر لوں اور انہیں بتا دوں کہ مہاراج مالی راؤ کے پاس جا رہی ہوں۔"

پربھاکر کو ڈر لگا کہ کہیں پروہت جی تفصیلی سوال و جواب میں نہ چلے جائیں، بولا۔"اس وقت اگر تم ان کے پاس نہ جاؤ تو کیا حرج ہے؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔"اس وقت ان سے ملے بغیر چلے جانا خطرناک ثابت ہوگا۔"

پربھاکر اس کا سامان لے کر رتھ کی طرف چلا گیا اور رجنی کانت، پروہت جی سے مل لی پھر پربھاکر سے جا ملی۔ دونوں رتھ پر بیٹھ گئے۔ پربھاکر نے رتھ بان سے کہا۔"نربدا کے کنارے، گھاٹ کے مندر پہنچا دے۔"

رتھ بان نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم لوگ راج بھون نہیں جا رہے ہو؟"
پربھاکر نے جواب دیا۔ "راج بھون بھی جائیں گے، لیکن گھاٹ کے مندر سے پرساد لے کر۔"

رتھ کا منہ نربدا ندی کی طرف ہو گیا اور گھاٹ کے مندر تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دونوں رتھ سے اتر کر مندر میں داخل ہو گئے۔ گھنٹیوں کے شور میں سنکھ کی آواز بھی شامل تھی۔ مندر کی باہری سیڑھیاں نربدا کے اندر تک اتری چلی گئی تھیں۔ گھاٹ سے ذرا فاصلے پر ایک خالی کشتی موجود تھی۔ پربھاکر کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ وہ اس کشتی کے ذریعے ندی کو عبور کر سکتا تھا۔ اب پربھاکر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح رتھ بان کو دھوکہ دے کر واپس کر دے کچھ دیر مندر میں رہ کر پربھاکر باہر نکلا اور رتھ بان سے کہا۔ "ہمیں مندر میں کچھ دیر لگے گی تم اگر کہیں جانا چاہو تو ہو آؤ پھر واپس چلیں گے۔"

رتھ بان نے کچھ سوچ کر پربھاکر کو سرسری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "یہاں کتنی دیر لگے گی؟"

"آدھا پونا گھنٹہ، بس۔"

رتھ بان نے کہا۔ "تب پھر میں کچھ دیر بعد واپس آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ پربھاکر کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کچھ دیر بعد رتھ بان کی طرف سے مطمئن ہو کر پربھاکر نے مندر سے نکل کر کشتی والے سے پار اترنے کی بات کی، معاملہ جلد ہی طے پا گیا۔ پربھاکر اور رجنی کانت کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی کا بادبان ہوا میں لہرا رہا تھا۔ پربھاکر اور رجنی کانت دعائیں مانگ رہے تھے کہ کسی طرح کشتی جلد از جلد روانہ ہو جاتے لیکن کشتی کا ملاح مزید سواریوں کا منتظر تھا۔ پربھاکر نے کہا۔ "مانجھی! میں تمہیں زیادہ سے زیادہ روپے دوں گا تم ہمیں سواریوں کا انتظار کئے بغیر پار کرا دو۔"

مانجھی نے جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔" پھر رجنی کانت کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ "تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ شاید دھرم پتنی۔ پر یہ تو بتاؤ تمہیں جلدی کیوں ہو رہی ہے؟"

پربھاکر کے پاس ان سوالوں کے واضح جواب نہیں تھے، آئیں بائیں شائیں بکنے لگا۔ پون گھنٹہ انہی باتوں میں ضائع ہو گیا۔

اچانک پربھاکر کی نظریں اس کچی سڑک پر گئیں جو راج بھون سے گھاٹ کی طرف آتی تھی۔ راستہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ وہ اس گرد و غبار کے اندر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد اس میں سے رتھوں اور گھڑ سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوا یہ سوار تیز بلندی کے گھاٹ کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ پربھاکر کا دل زور زور سے دھڑکا اور پھر آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ خوف کی لہر پورے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ اس نے رجنی کانت سے کہا۔ "رجنی کانت! ادھر اس طرف دیکھو، میرا خیال ہے یم راج نے میرے ارادے بھانپ لئے ہیں اور اب وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔"

رجنی کانت کو بھی اپنی رگوں میں خون کا انجماد محسوس ہوتے لگا سہم کر بولی۔

"پربھاکر جی! یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہوگا؟"

پربھاکر کو اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہوئی۔

رتھوں اور سواروں کے دستے نے مندر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور سوار گھوڑوں سے اتر کر مندر کے اندر داخل ہو گئے رتھ سوار بھی اپنے رتھوں سے اتر کر کشتی کی طرف بڑھے۔ پربھاکر نے مالی راؤ کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ ترکش کو بائیں طرف شانے پر ڈالے ہاتھ میں کمان میں جڑا تیر سنبھالے، کشتی کو نشانہ بناتے آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ندی کے کنارے آ کر مالی راؤ چیخا۔ "پربھاکر جی! تم ہار گئے رجنی کانت سمیت کشتی سے اتر آؤ۔"

پربھاکر نے ذرا حوصلے سے کام لیا۔ مانجھی سے کہا۔ "مانجھی! کیا تم کشتی کو بھگا کر دوسرے کنارے نہیں پہنچا سکتے؟"

مانجھی نے جواب دیا۔ "مسافر! میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر تم یہ بتاؤ کہ یہ معاملہ کیا ہے اور مہاراج مالی راؤ جی تمہیں کشتی سے اترنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟"

رجنی کانت نے نیم مردہ آواز میں کہا۔ "پربھاکر جی! ہم دونوں ہار گئے۔ ہماری بدقسمتی جیت گئی۔"

پربھاکر نے اپنا ہاتھ رجنی کانت کی طرف بڑھایا، بولا۔ "آؤ، مجھ سے عہد کرو رجنی کانت کہ ہم دونوں ایک ساتھ جئیں گے اور ایک ساتھ مریں گے۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "پربھاکر جی! میں یہ عہد نہیں کر سکتی کیونکہ میں

مالی راؤ کے سامنے اپنے اس عہد کو نباہ نہیں سکوں گی۔"

پربھاکر نے عالمِ مایوسی میں کہا۔"افسوس کہ تم نے مجھے اس بُرے اور نازک وقت میں تنہا چھوڑ دیا۔"

مالی راؤ اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں چڑھ گیا۔ رجنی کانت اتنی ڈری ہوئی تھی کہ مالی راؤ کو دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگی، وہ کہہ رہی تھی۔"مہاراج بھگوان کے لئے ہمیں معاف کردو، ہم سے غلطی ہوگئی۔"

مالی راؤ نے پربھاکر پر نظر پڑتے ہی گھونسوں، مکّوں اور لاتوں سے مارنا شروع کردیا۔"دغاباز، دھوکے باز، فریبی، بددیانت، خائن اب میں دیکھوں گا کہ تجھ کو مجھ سے کون بچاتا ہے۔"

مالی راؤ نے پربھاکر کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اسے کشتی سے نیچے پانی میں پھینک دیا۔ اُتھلے پانی میں پربھاکر ڈبکیاں کھانے لگا۔ مالی راؤ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔"اس کو ڈوبنے مت دینا، اس کو اس کے کئے کی سزا دینا ہے۔"

مالی راؤ کے جوانوں نے پربھاکر کو پانی سے نکال کر ساحل پر ڈال دیا۔

مندر میں گھسنے والے نوجوان باہر نکل آئے۔ مالی راؤ کشتی سے چھلانگ لگا کر ندی کے کنارے اتر پڑا اور رجنی کانت کو آواز دی۔"رجنی کانت! نیچے آجا، تو بے گناہ ہے، تو معصوم ہے۔ تجھے پربھاکر نے ورغلایا ہوگا۔"

رجنی کانت کشتی سے نکلی اور مالی راؤ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ مالی راؤ نے کہا۔"رجنی کانت! یہ تجھے کیا ہوگیا تھا جو پربھاکر کے بہکاوے میں آگئی۔"

رجنی کانت جواب دینے کی بجائے سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

مالی راؤ نے پربھاکر کو بندھوا دیا اور سب کے سامنے اس کو پٹواتا رہا۔

رجنی کانت نے منہ پر ساڑی کا پلّو ڈال لیا کیونکہ وہ یہ روح فرسا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

پربھاکر اتنا زخمی ہوچکا تھا کہ پورے جسم سے خون رس رہا تھا۔ آنکھوں سے ٹھیک سے سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پربھاکر اور رجنی کانت کو لے کر راج بھون واپس چلا گیا۔

* * *

پربھاکر کو ایک کوٹھری میں قید کر دیا گیا، جب وہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا تو اس نے خواہش کی کہ اس کو اس کے ماں باپ اور بھائی بہن سے ملا دیا جائے، مگر مالی راؤ نے یہ رعایت دینے سے انکار کر دیا۔

دس دن بھوکا پیاسا رکھ کر مالی راؤ پربھاکر سے ملا اور سختی سے پوچھا۔ "پربھاکر جی! تم نے جو کچھ کیا۔ بہت بُرا کیا۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "وہی جو تمہارا دل کہتا ہے۔"

مالی راؤ، پربھاکر کی اس جسارت پر اور زیادہ کھول گیا۔ "رسی جل گئی پر بَل اب بھی باقی ہیں، خوب۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "بل اس لئے باقی ہیں کہ یہ اصیل ہیں۔ اب میں بھگوان کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔"

مالی راؤ نے اس کے داہنے جبڑے پر ایک مُکا رسید کر دیا اور ہنس کر پوچھا۔ "کہو کیسا رہا یہ مُکا؟ مزہ تو ضرور آیا ہو گا۔"

پربھاکر نے روتے ہوتے جواب دیا۔ "مالی راؤ مار لے بلکہ مجھے جان سے مار دے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میرا تعلق مارو بھاٹ جاتی سے ہے میں مر جاؤں گا لیکن میری آتما جو مہا شکتی رکھتی ہے۔ تجھے نہیں معاف کرے گی۔"

مالی راؤ نے مُکوں اور ٹھوکروں کی بوچھاڑ کر دی۔ "میں تجھے جان سے مار دوں گا۔ تو اگر مارو بھاٹ جاتی کا ہے تو میں بھی اس زمانے میں شیو جی کا اوتار ہوں۔"

مارتے مارتے مالی راؤ پربھاکر کو اپنے دیوان کی طرف گھسیٹ لے گیا۔ وہاں مالی راؤ کے خوشامدی درباری بھی موجود تھے، وہ مالی راؤ کو دیکھتے ہی احتراماً کھڑے ہو گئے۔ مالی راؤ نے پربھاکر کو بے جان بوری کی طرح فرش پر دے مارا اور اپنے درباری خوشامدیوں سے پوچھا۔ "لوگو! تم ہی کچھ انصاف کرو، یہ پربھاکر شیو جی کی داسی رجنی کانت کو بھگانے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اسے رجنی کانت سمیت نربدا ندی کی ایک کشتی سے برآمد کیا ہے۔ اگر میں بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو یہ رجنی کانت کو پار لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ تم لوگ بتاؤ۔ اب میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ کیا سزا دوں؟"

ایک درباری بولا۔ "رام رام رام پربھاکر جی اور ایسی پُرپیچ حرکت، بڑے سے

بڑے گیانی بانوتی جب ایسی گھٹیا حرکت کرنے لگیں گے تو ہم جیسے اگیانی تو معافی کے مستحق قرار پائیں گے۔"

دوسرے درباری نے عرض کیا۔"مہاراج! ہم ان ودھوان برہمن کے بارے میں کیا رائے دیں۔ انہی سے معلوم کر لو کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

پربھاکر نے سوجی ہوئی آنکھوں سے مالی راؤ اور درباریوں کو دیکھا اور پُرجوش لہجے میں کہا۔"مالی راؤ! میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اپنی موت کا اس دن سے انتظار کر رہا ہوں جب میں راج بھون میں داخل ہوا تھا اور مجھے تیرے دیوانے پن کا حال معلوم ہوا تھا۔"

چند داسیاں بھاگی بھاگی آئیں اور مالی راؤ کو مطلع کیا۔"مہاراج، دیوی اہلیا بائی تشریف لا رہی ہیں۔ وہ پربھاکر جی کی سفارش کریں گی۔"

مالی راؤ جز بز ہو کر بولا۔"کیا مصیبت ہے، اس عورت کو کس طرح منع کروں کہ حکومت کے معاملات میں مت دخل دے۔ آج میں اس کو صاف صاف منع کر دوں گا کہ وہ خاموش رہے۔ راج بھون کو اپنے لئے شمشان سمجھے۔"

ایک درباری نے مشورہ دیا۔"مہاراج! ایسا نہ کریں۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ دیوی جی کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام کر گزریں اور بانس ہی کو کاٹ کر پھینک دیں، تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔"

مالی راؤ کی آنکھوں میں وحشت چمکنے لگی۔ اس نے دیوار سے لٹکی ہوئی تلوار کو کھینچ لیا اور درباریوں سے کہا۔"اندر آنے کے سارے در بند کر دیئے جائیں تاکہ میری ماں اندر داخل نہ ہو سکے۔"

پربھاکر نے تلوار کی چمک جو دیکھی تو خوف سے چہرہ ست گیا اور خون کی سرخی کی جگہ سفیدی نے لے لی، خوشامد سے گھگھیانے لگا۔"مہاراج! مجھے قتل نہ کرو، کیونکہ میرا قتل تم کو راس نہیں آئے گا۔"

لیکن مہاراج نے ایک ہی وار میں پربھاکر کا سر الگ کر دیا۔ تازہ تازہ خون فوارے کی طرح اُبلا اور اچھل اچھل کر فرش کو تر کرنے لگا۔ بے سر کا لاشہ کچھ دیر تھرتھرایا اور ساکت ہو گیا۔ خوشامدیوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

ایک دروازے پر اہلیا بائی بے چینی سے ہاتھ مار مار کر چیخ رہی تھی۔"مالی راؤ دروازہ کھولو، پربھاکر جی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ بھگوان کے لئے کوئی ایسا دلیا

قدم نہ اٹھا بیٹھنا ورنہ یہ خاندان برباد ہو جائے گا، یہ کنبہ تباہ ہو جائے گا۔ اس گھر سے راج پاٹ چلا جائے گا۔ کیونکہ مارو بھاٹ جاتی کو ستانا کسی کو کبھی بھی راس نہیں آیا۔"

جب پربھاکر کا لاشہ سرد پڑ گیا تو مالی راؤ دم بخود، ششدر پربھاکر کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ اس نے کیا اور کیوں کر دیا۔

اہلیا بائی برابر چیخ رہی تھی۔ مالی راؤ نے اشارے سے حکم دیا۔"دروازہ کھول دیا جائے۔"

دروازہ کھلا اور اہلیا بائی چیختی چلاتی اندر داخل ہو گئی۔ اس کے سامنے ہی پربھاکر کا بے سر کا لاشہ پڑا تھا اور مالی راؤ کے قدموں میں اس کا سر تھا۔

اہلیا بائی کو سکتہ ہو گیا، دم بخود لاشے اور سر کو دیکھتی رہی۔ اس کے بعد مالی راؤ کو گھورا اور بے اختیار دونوں ہاتھوں سے مالی راؤ کو پیٹنے لگی۔ وہ رو رہی تھی اور چلا رہی تھی۔"او ذلیل کمینے! یہ تو نے کیا کر دیا، تو نے اس مارو بھاٹ جاتی پربھاکر کو نہیں قتل کیا بلکہ ہولکر خاندان کو قتل کر دیا۔ اب تو برباد ہو جائے گا، اب تیرا بنس باقی نہ رہے گا۔ تو نے خودکشی کر لی ہے گویا۔ ہائے اب کیا ہو گا؟"

اہلیا بائی کسی ننھی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

مالی راؤ پتھر کی مورتی کی طرح بے حس کھڑا وہاں موجود ہر شخص اور ہر چیز کو دیکھتا رہا۔ پھر بے اختیار اپنی ماں سے چمٹ گیا اور رونے لگا۔"ماں جی! یہ میں نے کیا کر دیا؟ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ اہلیا بائی کی پشت، بازو اور شانوں کو سہلا سہلا کر اور مسل مسل کر رو رہا تھا۔ پھر وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر اپنے مصاحبین پر برس پڑا۔"یہ سب کچھ تم نے کرایا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار تم ہو۔"

مالی راؤ تلوار لے کر ان پر جھپٹا لیکن ہوش مندوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مالی راؤ نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور باہر نکل کر راج بھون کی آخری چوکھٹ پر ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ اہلیا بائی اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس جگہ پہنچی جہاں مالی راؤ گرا

تھا، تو بے ہوش بیٹے پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔

پربھاکر کے قتل اور مالی راؤ کے پاگل ہو جانے کی خبر سے راج بھون میں بھونچال آ گیا۔ ہر شخص اس منظر کو دیکھنے کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ ان میں رجنی کانت بھی شامل تھی۔ پہلے وہ پربھاکر کی لاش پر گر گئی اور سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی، بولی۔ "پربھاکر جی! کس نے بے وفائی کی؟ تم نے یا میں نے، بولو، چپ کیوں ہو؟"

لیکن راج بھون کی عورتیں رجنی کانت ہی کو اس سانحے کا ذمہ دار قرار دے رہی تھیں۔ انہوں نے غم و غصّے سے اپنے منہ پھیر لئے۔ اہلیا بائی نے رجنی کانت کو حکم دیا۔ "رجنی کانت! یہ سب کچھ تیری وجہ سے ہوا ہے۔ اس لئے تو اسی وقت راج بھون خالی کر دے اور مندر کے آشرم میں چلی جا۔"

رجنی کانت جواب میں کچھ کہے بغیر راج بھون خالی کر گئی۔

* * *

مالی راؤ پر دیوانگی کے دورے پڑنے لگے وہ بار بار بے ہوش ہو جاتا اور جب ہوش میں آتا تو چیخنے لگتا۔ "پربھاکر جی! مجھے معاف کر دو، میں شرمندہ ہوں۔"

کچھ دن تو وہ پربھاکر سے معافی مانگتا رہا۔ اس کے بعد خود پربھاکر بن گیا۔ اور چیخ کر کہنے لگا۔ "میں تجھے نہیں معاف کروں گا۔ میں تجھے ہلاک کر دوں گا۔ کیا میں نے تجھ کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میں کمزور سہی لیکن میری آتما میں مہان شکتی ہے۔ اب میری آتما کی شکتی کا تماشا دیکھ۔"

اہلیا بائی نے جو یہ باتیں سنیں تو سادہ لوحی اور معصومیت سے یہ سمجھ بیٹھی کہ پربھاکر کی روح نے مالی راؤ کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور اب شاید جان لے کر ہی ٹلے گی۔ اس نے کہا۔ "پربھاکر جی! رحم کرو، میرے بیٹے کو معاف کر دو۔ میں تمہاری یادگار میں ایک شاندار مندر بنوا رہی ہوں، رجنی کانت کو اس مندر میں پہنچا دوں گی۔"

لیکن مالی راؤ لال لال آنکھیں دکھا کر بولا۔ "واجب الاحترام مقدس خاتون! تو خاموش رہ، تو میری یاد میں مندر بنوا یا نہ بنوا، میں اس کو نہیں معاف

کرے گا۔ رجنی کانت کی بات یوں نہ کرکہ مجھے عورت پر کبھی بھی اعتبار نہیں رہا۔ کیونکہ اسے دلچسپی تو کسی سے ہوتی ہے، دیکھتی کسی دوسرے کی طرف ہے اور دل میں بسا کوئی تیسرا شخص ہوتا ہے۔"

اہلیا بائی بلک بلک کر رونے لگی۔

رجنی کانت، مالی راؤ کے آخری لمحوں میں اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اس نے پربھاکر بن کر رجنی کانت کو ڈانٹ دیا جب رجنی کانت رونے لگی تو مالی راؤ بے چین ہو کر اٹھا اور رجنی کانت کو گلے لگا کر خود رونے لگا۔ اہلیا بائی نے انہیں چند لمحے ہم آغوش رہنے دیا۔ اس کے بعد دونوں کو الگ کر کے خود رونے لگی۔

سخت آزار اور دکھ میں مبتلا رہ کر نویں مہینے مالی راؤ بھی چل بسا۔ عجیب و غریب لوگوں نے عجیب و غریب باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ غیرت مند اور ایماندار ماں نے اپنے بیٹے کا خود ہی کام تمام کر دیا۔ جبکہ کچھ یہ کہتے تھے کہ مالی راؤ کو پروہت اور پربھاکر کی روحوں نے ہلاک کر ڈالا، جبکہ اہلیا بائی کا اپنا خیال یہ تھا کہ مالی راؤ کو پربھاکر کی طاقتور روح نے ہلاک کر دیا۔

★

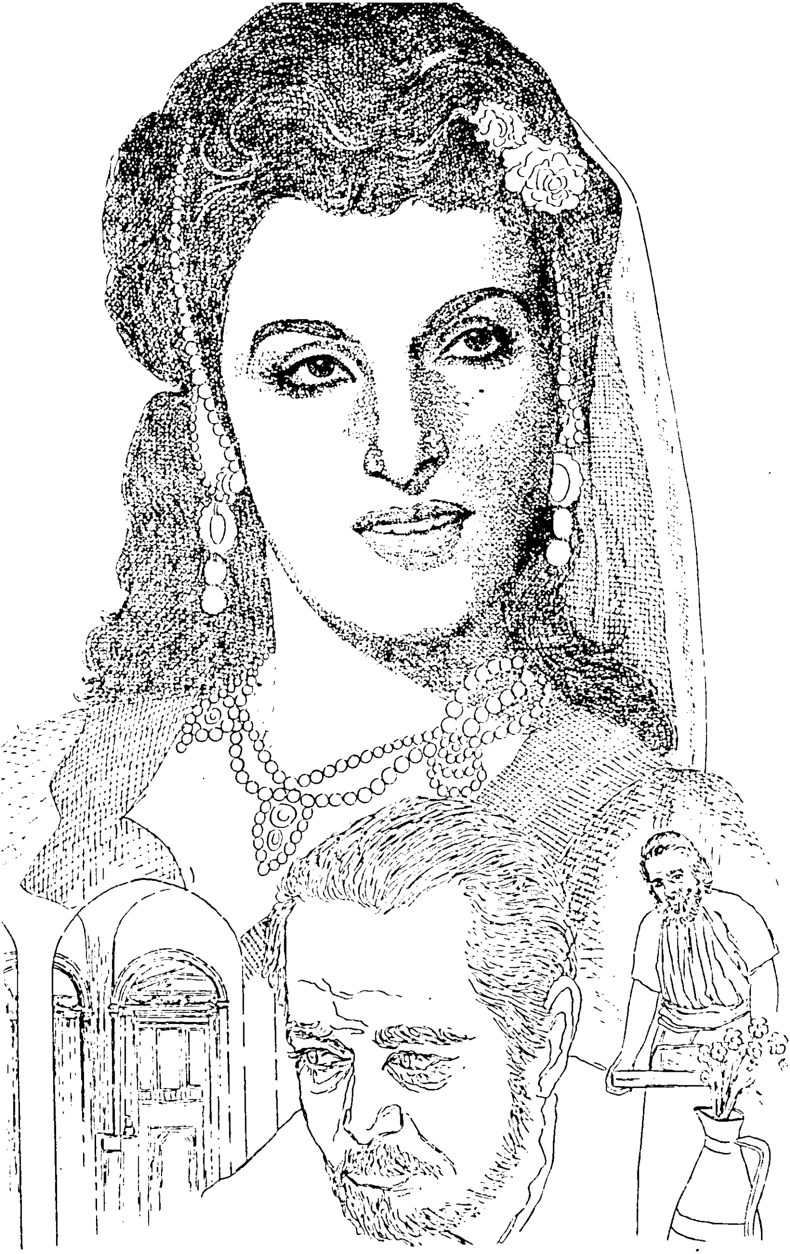

رُسوائے محبت

اورنگ زیب اور اس کے بھائی شاہ شجاع میں ایک خوفناک مقابلہ ہوا اور شاہ شجاع شکست اٹھا کر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) فرار ہو گیا۔ اورنگ زیب کو ابھی اپنے دوسرے طاقتور بھائی دارا شکوہ سے نپٹنا تھا اس لئے اس نے شاہ شجاع کا تعاقب نہیں کیا اور اپنے ایک امیر معظم خان کو بنگالے کی مہم کے کلی اختیارات دے دیئے اور حکم دیا کہ وہ شاہ شجاع کا زمین کے آخری سرے تک پیچھا کرے۔ معظم خان شاہ شجاع کا پیچھا کرتا ہوا جہانگیر نگر پہنچا، اور دونوں میں خوفناک معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ معظم خان نے اپنے حریف شہزادے کو ہر مقابلے میں شکست دی، شاہ شجاع کی مسلسل ناکامیوں نے اس کی ہمت ساکھ اور ارادوں میں ضعف پیدا کر دیا اور ساتھیوں میں بے دلی، مایوسی اور بے وفائی گھر کرنے لگی۔

شاہ شجاع نے ہر طرف سے مایوس ہو کر چٹا گانگ کا رخ کیا اور وہاں سے کوہستان اراکان میں پناہ لی اور پھر ہمیشہ کے لئے بے نام ونشان ہو گیا۔ معظم خان واپسی کی سوچ رہا تھا کہ اورنگ زیب کی طرف سے حکم ملا کہ معظم خان واپس آنے کے بجائے کوچ بہار اور آسام کا رخ کرے کیونکہ یہاں کے حکمران سلطنت مغلیہ کو بیس سال سے تنگ کر رہے تھے۔ یہ حکمران جب تب مغل سلطنت کی حدود میں داخل ہو کر قتل و غارت گری اور لوٹ مار کر کے اپنے کوہستانی مسکنوں میں روپوش ہو جاتے۔ شاہجہاں نے ان کی گوشمالی کرنا چاہی مگر ناکام رہا، لیکن اورنگ زیب اپنے باپ سے مختلف تھا، اس نے معظم خان کو لکھ دیا کہ "میں کوچ بہار اور آسام کی سرکشی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتا ہوں اس لئے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تک ان مہمات کو سر نہ کر لو، واپسی کا خیال تک دل میں نہ لانا۔"

معظم خان، جو بعد میں میر جملہ خانخاناں بن گیا، زبردست تیاری کر کے

کوچ بہار کی طرف روانہ ہوگیا، کوچ بہار کا دوسرا نام کامروپ ہے اور یہ وہی سرزمین ہے جہاں کا سحر مشہور ہے۔ میر جملہ معظم خان کو اس کے آدمیوں نے یہ کہہ کر ڈرانے کی کوشش کی کہ وہ کامروپ کی تسخیر کے ارادے سے باز آجاتے کیونکہ وہاں کے لوگ جادو کے ذریعے اپنے دشمن کا کلیجہ غائب کر دیتے ہیں لیکن میر جملہ فولادی اعصاب کا فوجی تھا اور خوف نام کی کسی بھی شے کے لئے اس کے دل میں ذرا سی بھی گنجائش نہ تھی۔ میر جملہ نے اپنے لشکر کا رُخ کامروپ کی طرف کر دیا۔ کامروپ کا راجہ بھیم نراین گوہاٹی میں رہتا تھا اور گوہاٹی کے اردگرد گھنے جنگلات اس کی پاسبانی کا فرض ادا کر رہے تھے۔ قدم قدم پر دریا، ندیاں، چشمے اور پہاڑیاں باہر سے آنے والوں کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ راجانے چوبیس کوس کے دور میں ٹیلوں کے بند کھڑے کر رکھے تھے۔ ان ٹیلوں کو وہاں کی زبان میں آل کہا جاتا تھا۔ اور آل سے ملحقہ سرزمین کا نام بینگ تھا، ان دنوں بینگ کا مستقر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) تھا، پھر جب، بعد میں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر سرزمین بینگ اور آل کا الحاق عمل میں آیا تو اس کا نام بنگال رکھ دیا گیا۔

کامروپ کے چاروں طرف گنجان جنگلات کے بیرونی حصوں میں چند دروازے تھے، ان دروازوں کی حفاظت کے لئے راجا کی فوج آلات حرب و ضرب سے آراستہ مستعد اور چوکس موجود رہتی تھی، یہ فوج بڑی بڑی توپوں، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ کا بہت اچھا ذخیرہ رکھتی تھی، ان دروازوں میں سب سے بڑے دروازے کو مکھ دوار کہتے تھے۔ ان دروازوں کے آگے خندقیں تھیں، جن میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ دروازوں کی پشت پر بانس، بید اور دوسری چیزوں کے اتنے گھنے جنگلات کھڑے تھے کہ آدمی تو آدمی جانور تک بمشکل گزر سکتے تھے۔

میر جملہ کامروپ کی سرحد پر پہنچا اور اس کے آس پاس گھوم پھر کر نسبتاً کم بلند آل حصوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کر کے آگے بڑھو اور جو بھی سامنے آئے تند و تیز، سرکش موجوں کی طرح بہا لے جاؤ!

میر جملہ کے حکم پر ہزاروں تبر بردار اور کلہاڑے والے آگے بڑھے اور درختوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ ان جفاکشوں اور مصائب سے نبرد آزما ہونے والوں میں میر جملہ خود بھی شامل تھا۔ میر جملہ کے آس پاس مرتضیٰ خان، دلیر خان اور آغر خان نامی

جیالے موجود تھے اور ان کا جنوبی اندازِ جنگ اس بات کی گواہی دیتا رہا کہ انہیں تسخیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیئے یہاں تک کہ اپنی زندگیاں تک انہیں حقیر محسوس ہوتی تھیں۔

شاہی فوج میں کامروپ اور آسام کے سپاہی بھی شامل تھے اور انہوں نے مسلمانوں کی صحبت میں اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا تھا اور مسلمان ہو گئے تھے انہیں مغل فوج میں ملازمتیں کرتے کرتے پندرہ پندرہ بیس بیس سال گزر چکے تھے۔ رہنمائی کے لیے میر جملہ کی نظریں انہی سپاہیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ میر جملہ نے اپنے ماتحت فوجی کمانداروں کو خفیہ حکم دیا تھا وہ سب اپنے ماتحت کامروپ اور آسام کے مسلم سپاہیوں کی فہرست پیش کریں تاکہ ان میں سے چند معتمد سپاہیوں کا رہنما کی حیثیت سے انتخاب کر لیا جائے۔

دو دن کے اندر مرتضیٰ خان، دلیر خان اور آغر خان نے اپنی اپنی فہرستیں پیش کر دیں۔ یہ کل ستائیس نو مسلم تھے۔ میر جملہ نے ان سب کو اپنے رو برو طلب کیا اور ان سے بڑی اچھی طرح پیش آیا۔ دریا کے کنارے دور تک بانسوں کا جنگل کاٹا جا چکا تھا اور صاف کیے ہوئے قطعہ زمین پر شاہی فوج نے اپنے خیمے نصب کر دیے تھے ان کے ایک طرف دریا بہہ رہا تھا اور دوسری طرف بانسوں اور بیدوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ دریا میں بے شمار کشتیاں کھڑی تھیں اور ان پر موجود عملہ میر جملہ کے اشارے کا منتظر، مستعد کھڑا تھا، کشتیوں کو ساحلی درختوں سے باندھ دیا گیا تھا اور کشتیاں کھانے پینے کے سامان اور آلاتِ حرب سے لدی ہوئی تھیں۔ میر جملہ کا وسیع و عریض خیمہ دریا کے قریب ہی نصب تھا اور وہ کچھ اس وضع کا تھا کہ میر جملہ خیمے کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی چاروں طرف کا جائزہ لے سکتا تھا۔

میر جملہ ستائیس نو مسلموں کے ساتھ اپنے خیمے میں بیٹھا احکامات جاری کر رہا تھا، اس نے پچیس سپاہیوں کو حکم دیا کہ جنگل کے کنارے کنارے آگ لگا دی جائے تاکہ خونخوار درندے ان سے دور دور رہیں اور چند کارندوں کو حکم ملا کہ وہ اور کشتیوں کا انتظام کریں۔ ملاحوں کو حکم دیا گیا کہ وہ چوکس اور تیار رہیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کب کوچ اور یلغار کا حکم دے دیا جائے۔

میر جملہ کے انداز اور اطوار سے ایک بات اچھی طرح سمجھ میں آ رہی تھی وہ یہ کہ میر جملہ اب کامروپ اور آسام کا قضیہ چکا کر ہی رہے گا اور ان کوہستانی حکمرانوں

کو تباہ و برباد کیے بغیر یہ شخص واپس نہیں آئے گا۔ ستائیس نو مسلم حیرت و استعجاب سے میر جملہ کے احکامات اور ان میں موجود دہشت اور ندرت کو دل کی گہرائیوں سے دیکھ اور محسوس کر رہے تھے۔

میر جملہ نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا "مرتضیٰ خان، دلیر خان اور آغر خان کو میرے خیمے میں لے آیا جائے۔"

تھوڑی دیر میں یہ تینوں میر جملہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ان کے زیر کمان نو مسلم انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ میر جملہ نے تینوں کمانداروں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھوں کو کمر کی پشت پر رکھ کر ٹہلنے لگا۔

پھر اچانک رکا اور خیمے میں موجود دو خدمت گاروں کو حکم دیا کہ خیمے کے اس رخ کا پردہ اٹھا دیا جائے جدھر سے دریا صاف نظر آتا ہے۔

پردہ اٹھا دیا گیا اور یہاں سے کشتیوں کے بانس، رسیاں اور بادبان اور ان پر موجود ملاح صاف نظر آنے لگے۔ خیمے میں موجود ہر شخص نے دریا اور کشتیوں کا پرشکوہ منظر بڑے غور سے دیکھا۔

میر جملہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور خیمے میں موجود حضرات کو مخاطب کیا "میرے دوستو! اس وقت میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس چند باتیں کروں گا اور چند مشورے طلب کروں گا۔"

میر جملہ نے کچھ توقف کے بعد انہیں مخاطب کیا "میرے دوستو! میرے مخلص اور دیانت دار بلکہ ایماندار ساتھیو! بظاہر میں تم سب کا سردار ہوں لیکن اگر ایمانداری سے پوچھا جائے تو میں تم سب کا خادم ہوں۔"

آغر خان، دلیر خان اور مرتضیٰ خان نے بیک آواز عرض کیا "جناب والا! اگر آپ نے خود کو آئندہ کبھی خادم کہا تو ہم لوگ اس کی مخالفت کریں گے، دشمنوں کے سامنے عجز و انکسار سے پیش آنے کا صریح مطلب یہ ہو گا کہ آپ خود کو کمزور ظاہر کر رہے ہیں اور سپہ سالاری آپ کو زیب نہیں دیتی۔"

میر جملہ نے اچانک ستائیس نو مسلموں کو مخاطب کیا "دوستو! ذرا یہ منظر تو دیکھنا!"

اور ساتھ ہی میر جملہ نے اس آگ کی طرف اشارہ کیا جو جنگلوں کے کنارے کنارے لگا دی گئی تھی۔

میر جملہ نے سبھی کو مخاطب کیا "کئی صدیاں گزریں، غزنی کا بادشاہ محمود غزنوی سومنات پر حملہ آور ہوا تھا، محمود کے سپاہی اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور اجنبی دشمنوں میں مایوس کھڑے تھے، شاید انہیں اپنی فتح کا یقین نہیں تھا، محمود نے ان کی مایوسی اور احساسات کو پڑھ لیا اور جب وہ اپنے حریف سے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے تو محمود نے ان میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے نہایت مختصر مگر ولولہ انگیز تقریر کی تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا۔ بہادرو! اگر تم یہاں سے اپنے وطن جانا چاہو گے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ بہت دور ہے اسینکڑوں میل دور، ریگستانی اور دلدلی علاقوں کے اُس پار، کوہستانوں سے ورے ہے لیکن، یہاں سے جنّت کا فاصلہ بہت قریب ہے، چند قدم دور، جامِ شہادت نوش کرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

میر جملہ ذرا رُکا پھر بولا "اس مختصر، بامعنی اور ولولہ انگیز تقریر نے حوصلہ ہارے ہوتے مایوس سپاہیوں میں نیا جوش اور شوقِ شہادت پیدا کر دیا اور سومنات فتح کر لیا گیا" اس کے بعد ذرا رُکا اور سبھی کو غیرت دلائی "دوستو! آج پھر وہی معرکہ درپیش ہے، یہاں بھی ہمارے اور دشمن کے درمیان دلدل اور جنگلات، دریا اور پہاڑ حائل ہیں، ہمیں ایک ایسی زمین پر یلغار کرنا ہے جو دلدلوں، جنگلوں، دریاؤں اور پہاڑی سلسلوں کی سرزمین کہلاتی ہے، ان جنگلوں میں ہاتھیوں اور دوسرے درندوں کی کثرت ہے ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ ہی جنگلی جانوروں سے بھی لڑنا ہے، قدم قدم پر گھنے جنگلات ہمارا راستہ روکیں گے لیکن ہمیں ان کا بھی مقابلہ کرنا ہے، ہمیں اپنے دشمن کے مکمل خاتمے کے لئے کہاں کہاں جانا پڑے گا اور کن کن قلعوں کو سر کرنا پڑے گا۔ ہمیں نہیں معلوم، ہمیں اپنے دشمنوں کی زبان بھی نہیں آتی گویا اس ایک مہم میں ہمیں کئی محاذوں پر جنگ کرنا ہو گی" پھر اچانک ستائیس نومسلموں کو مخاطب کیا "میں اس وقت بطورِ خاص اپنے نومسلم بھائیوں سے مخاطب ہوں۔"

کئی نومسلموں نے یکے بعد دیگرے پوچھا "ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کو تیار ہیں۔ ہمیں ہماری ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے۔"

میر جملہ نے کہا "تم میں جو بھی کامروپ اور آسام میں ہماری رہنمائی کر سکے۔ میں اس کا پیشگی شکریہ ادا کر دوں گا۔"

ایک نومسلم نے پوچھا "اگر میرے سوال کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ اگر کامروپ اور آسام پر لشکر کشی نہ کی جائے تو کیا ہرج ہو گا؟"

میر جملہ نے بلبک کر سوال کیا۔ "اے شخص تیرا نام؟ خدا تجھے دین اسلام پر ابد تک قائم رکھے! تو نے یہ کیسا سوال کر دیا؟"

نومسلم نے جواب دیا۔ "میرا اسلامی نام غوث الاسلام ہے اور میں نے یہ سوال اس لئے کیا کہ میرے خیال میں کامروپ اور آسام مغل سلطنت کے ایک کنارے واقع ہیں اور اگر ان پر مغل سلطنت کا پرچم لہرا دیا گیا تو یہ محض عارضی اور اتفاقی حادثہ ہوگا اور مغل فوجوں کے ہٹتے ہی یا مرکز کے کمزور ہوتے ہی یہاں دوبارہ علاقائی حکومت قائم ہو جاتے گی۔"

میر جملہ نے تحکمانہ کہا۔ "یہ مہم اورنگ زیب کے حکم پر شروع کی گئی ہے اور ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ شاہی حکم کے نتائج اور نفع نقصان کی بحث شروع کر دیں اور مجھے حیرت ہے کہ تیرا نام تو غوث الاسلام رکھ دیا گیا لیکن تیرے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی محبت نہیں۔"

ایک دوسرے نومسلم نے سوال کیا۔ "میری ناقص رائے میں غوث الاسلام نے جو سوال کیا ہے اس کا ایک ہی مطلب ہوگا یعنی ہم سب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کامروپ اور آسام کی تسخیر سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میر جملہ نے جواب دیا۔ "تسخیر کے بعد یہاں اسلام پھیلایا جائے گا، مسجدیں تعمیر ہوں گی اور ان مسجدوں سے پانچوں وقت اذانیں دی جائیں گی جس سے کفرستان کی فضا اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ناموں سے گونجنے لگے گی۔"

آغر خان اس گفتگو کو بڑی ناگواری سے برداشت کر رہا تھا، اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور میر جملہ سے کہا۔ "خانخاناں! آپ ان سے فضول باتیں نہ کیجئے اور انہیں صاف صاف بتا دیجئے کہ اس مہم میں ان سے کیا کام لیا جائے گا۔"

میر جملہ نے جواب دیا۔ "میں رہنمائی چاہتا ہوں، صرف رہبری۔ تم میں سے جو جو یہ فرض انجام دینے کا اہل ہے میرے پاس آ جائے تاکہ میں انہیں لڑائی کی خدمات سے باز رکھوں اور رہنمائی کا کام لیتا رہوں۔"

آغر خان نے غوث الاسلام سے کہا۔ "غوث الاسلام! میری نظر میں ان ذمہ داریوں کو تجھ سے بہتر کوئی اور نہیں پورا کر سکتا۔"

غوث الاسلام نے جواب دیا۔ "میں حاضر ہوں، مجھ کو چند ساتھیوں کی ضرورت پیش آئے گی جنہیں میں اپنی مرضی سے الگ کر دوں گا۔"

میر جملہ نے بقیہ چھبیس کی طرف اشارہ کیا۔ "غوث الاسلام بڑے شوق سے۔ تو اپنی مرضی سے جس جس کو اپنے ساتھ رکھنا چاہے، الگ کر لے اور رہنمائی رہبری کرتا رہ۔"

غوث الاسلام نے اس وقت چار نومسلموں کو الگ کر لیا اور وعدہ کیا کہ اللہ نے چاہا تو وہ اس مہم کو اختتام تک پہنچائے گا۔

میر جملہ نے آغر خان سے کہا "اور تو ان سب کا حاکم ہے تو میرے سامنے جواب دہ ہے اور یہ تیرے سامنے۔" اس کے بعد بقیہ بائیس نومسلموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور میں حکم دیتا ہوں کہ ان بائیس نومسلموں کو بھی فوج سے الگ ہی رکھا جائے وقتِ ضرورت ان سے بھی اسی نوع کے کام لیے جائیں گے۔"

دلیر خان نے کہا "خانخاناں! جب پانچ نو مسلم رہنمائی اور رہبری کرنے پر آمادہ ہی ہو گئے ہیں تو پھر ان بائیس نومسلموں کو فوج سے الگ تھلگ کیوں رکھا جائے؟"

میر جملہ نے سختی سے کہا "میں جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کیا جائے، میں بحث مباحثہ پسند نہیں کرتا۔"

میر مرتضیٰ نے عرض کیا "خانخاناں کا حکم سر آنکھوں پر، کیونکہ اس وقت خانخاناں کا ہر حکم اورنگ زیب کا حکم ہے اور بادشاہ ہمیشہ اپنے احکام کے بارے میں، تعمیل یا موت، کا طلب گار رہا ہے۔"

میر جملہ نے بھاری آواز میں کہا "آغر خان! پیش قدمی کی شاندار منصوبہ بندی اور غوث الاسلام اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھانے کی تدبیر کرنا اور دلیر خان اور میر مرتضیٰ تم دونوں یلغار اور یورش کی منصوبہ بندی کرو۔ میں دریائی اور خشکی محاذ آرائی کا نقشہ بناتا ہوں۔"

آغر خان، دلیر خان اور میر مرتضیٰ خیمے سے نکل گئے۔ لیکن غوث الاسلام اور اس کے ساتھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ میر جملہ نے غوث الاسلام کو حکم دیا "غوث! تو پندرہ سال سے بادشاہ کا نمک کھا رہا ہے اس کے علاوہ تو مسلمان بھی ہو چکا ہے اس ح تجھ پر ہمارے دو حق واجب الادا ہیں حقِ مذہب اور حقِ نمک۔ اس لیے تو اور ے ساتھی ان دونوں حقوق کی ادائیگی میں اگر سر دھڑ کی بازی بھی لگا دیں گے تو یہ ئی بڑی بات نہیں ہو گی۔"

غوث الاسلام نے جواب دیا "جناب والا! اگر آپ مجھے یہ حکم نہ دیتے، تب بھی ہم لوگ ان دونوں حقوق کی ادائیگی کی پیش کش کر دیتے "۔

میر جملہ نے غوث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "کیا واقعی؟"

غوث نے سرشاری سے کہا "خانخاناں! میں تو ایک بات جانتا ہوں، ہم سب جس جگہ کھڑے ہیں یہاں سے جنت بہت قریب ہے میں اپنے لشکر اور اسلام کے لئے جو کچھ کروں گا گویا اس کے عوض میں جنت حاصل کر لوں گا!"

میر جملہ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا "خدا تجھے جزائے خیر دے اور ہم سب کا خاتمہ اسلام اور ایمان پر کرے!"

غوث الاسلام نے آمین کہی اور اس میں اس کے دوسرے نومسلم بھائیوں نے بھی ساتھ دیا۔

اس کے بعد غوث الاسلام میر جملہ کے ساتھ خیمے سے باہر نکلا یہاں آغر خان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آغر خان نے غوث الاسلام سے کہا "تو اپنے ساتھیوں کو بھی بلالے تاکہ جلد از جلد کام شروع کر دیا جائے!"

غوث الاسلام نے رائے دی "میں اپنے نومسلم بھائیوں کے سلسلے میں یہ رائے ضرور دوں گا کہ ان سب سے کام نہ لیا جائے، چار پانچ کے علاوہ سب کو نگرانی میں رکھا جائے اور ان چار پانچ سے بھی نہایت ہوشیاری سے کام لیا جائے!"

آغر خان نے جواب دیا "ان سے کام لینا میری ذمہ داری اور میرا کام ہے، تو اپنے کام کا کس طرح آغاز کرے گا؟"

غوث نے کہا "میں اپنے وطن آسام چلا جاؤں گا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر جلد از جلد واپس آجاؤں گا اور بوقتِ لشکر کشی میں اپنے بہادروں کی رہبری کر دوں گا "۔

میر جملہ نے ایک بار پھر "جزاک اللہ" کا نعرہ لگایا اور آغر خان بھی بہت خوش ہوا۔

غوث الاسلام نے شام کو قرآنِ پاک کی تلاوت کی اور آنکھیں بند کر کے خشوع خضوع سے اپنے مقصد کی کامیابی کی دعا مانگی۔

میر جملہ نے دوسرے ہی دن سے کوچ بہار پر لشکر کشی شروع کر دی، نومسلم آسامی ان کی رہنمائی کر رہے تھے اور مغل فوج آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی مغلو

خشکی اور تری کا سفر ایک ساتھ جاری رکھا۔ انہوں نے دریا کے ساحل سے دوری کسی حال میں بھی پسند نہ کی۔

غوث الاسلام آغر خان سے اجازت لے کر آسام چلا گیا۔ آسام کا شہر بھیم گڑھ غوث کا وطن تھا، چند نو مسلم کوچ بہار چلے گئے۔

غوث الاسلام اونچے نیچے راستوں، گھنے جنگلوں، ندی نالوں اور دریاؤں کو عبور کرتا گیا۔ بھیم گڑھ کے گھر کا نقشہ دھندلا دھندلا یاد آرہا تھا، اس کے مکان کے پچھواڑے بیموں کے درختوں کی جھاڑیاں تھیں اور دروازے کے بالکل سامنے آم، کیلے، اناناس، اور آملے کے درختوں کی بہتات تھی، دائیں بائیں ناریل اور چھالیہ کے درختوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ غوث الاسلام کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس کا مکان پتھر، لکڑی اور بانس کا تھا۔ اب جبکہ وہ اپنے وطن جا رہا تھا تو اس کو پندرہ سال پہلے کی ساری باتیں یاد آرہی تھیں، پندرہ سال پہلے جب وہ جمدھر تھا اور بھیم گڑھ کی بیرونی دنیا کا اسے کوئی علم نہ تھا تو اس کو اپنے وطن سے بڑی محبت تھی، وہ اپنے راجا کو دنیا کا طاقت ور ترین حکمران سمجھتا تھا اور اپنی قوم کو دنیا کی سب سے بہادر قوم سمجھتا تھا۔ اس نے راجا کی فوج میں ملازمت کر لی تھی اور جب اس کا گزر راجا کے اس کارخانے میں ہوا، جہاں کشتیاں، نواڑے اور بھکلے بنائے جاتے تھے۔ تو اس کے دل میں راجا اور اپنی قوم کی برتری کا کچھ زیادہ ہی احساس ہو گیا۔ یہیں اس نے راجا کے سامان جنگ اور آلات حرب کا مشاہدہ کیا۔ توپیں، بندوقیں، تلواریں، تیر، نیزے اور خنجر، ان ہتھیاروں کی موجودگی میں کسی دوسری قوم کا اس کی قوم کو شکست دینا، اس کے اپنے خیال میں ناممکن سی بات تھی۔ اس نے اپنی قوم میں گدھے بہت کم دیکھے تھے، اور اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ بھیم گڑھ کے جس شخص کو بھی گدھا میسر آجاتا تھا وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا تھا اور دوسرے گدھے سے محروم لوگ خود کو کمتر سمجھنے لگتے تھے۔

اس دوران بھیم گڑھ پر مغل فوج حملہ آور ہوئی تو وہ گھوڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گدھے سے کہیں زیادہ شاندار اور کارآمد جانور۔ اپنی قوم کے ساتھ وہ خود بھی گھوڑوں سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مغلوں نے اپنے شاندار ہتھیاروں سے اس کی قوم کو شرمناک شکستیں دی تھیں، مغلوں کی بندوقیں، توپیں، تلواریں، تیر کمان، نیزے، بھالے، خنجر اور معلوم نہیں کون کون سے شاندار ہتھیار دیکھ کر وہ حیرت زدہ

رہ گیا تھا۔ پھر اس نے مغلوں کے جسم پر شاندار لباس بھی دیکھے تھے اور زندگی میں پہلی بار اس کو اپنی قوم کی کم مائیگی کا احساس ہوا تھا۔ مغلوں کی کشتیاں اور لڑنے بھڑنے بھی بہت شاندار اور زیادہ کارآمد تھے۔ اس معرکے میں مغلوں نے اس کے راجا کو شکست دے دی تھی اور اس کی قوم کے کئی ہزار افراد کو جنگی قیدی بنا کر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) روانہ کر دیا تھا۔ ان قیدیوں میں وہ خود بھی شامل تھا، پھر طاقت ور تمدن نے کمزور تمدن کو مغلوب کر لیا، کمزور مذہب کو مضبوط مذہب نے شکست دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو بڑی عزت ملی اور وہ مستقلاً جہانگیر نگر ہی میں رہنے لگا۔ پانچ چھ سال قبل اس نے شادی بھی کر لی تھی اور اس کا ایک تین سالہ لڑکا منصور تھا۔

دوران سفر اس کو ماضی کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی، اس کی ایک ماں، ایک بہن اور چچاؤں کی اولاد بھی تھی۔ باپ کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا تھا، اب اس کو اپنی ماں بھی یاد آ رہی تھی اور اپنی بہن سنیہ دتی بھی۔ وہ سوچ رہا تھا، ان پندرہ سالوں میں ان کا معلوم نہیں کیا حشر ہوا ہو۔ اس نے اپنی رانوں تلے دبے ہوئے گہرے سیاہی مائل بھورے گھوڑے کو بڑی خوشی اور فخر سے دیکھا اور جھوم گیا، اس کو یقین تھا کہ یوں تو اس کے ہم وطن اس کو بھول چکے ہوں گے لیکن جب وہ ان سے اپنا تعارف کرائے گا اور وہ اپنے جمدھر کو ایک شاندار گھوڑے پر سوار اپنے درمیان دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔

ایک جگہ اس کو اپنے گھوڑے سمیت دریائے برہمپترا عبور کرنا پڑا۔ اس نے ایک بات ہر جگہ محسوس کی وہ یہ کہ پورے آسام میں مغلوں کے حملے کا بڑا چرچا تھا اور ان کے دلوں میں مغلوں کا رعب بیٹھ چکا تھا۔ اگر اس کا ناک نقشہ چھوٹا نہیں یا گورکھوں جیسا نہ ہوتا تو اس کو کوئی پہچان بھی نہ سکتا۔ وہ اپنی زبان ابھی تک نہیں بھولا تھا، سفر کے دوران ہی اس کو اپنی بیوی اور بچہ بھی بہت یاد آتے۔

ایک ساتھ بہت سی باتیں یاد آتی اور ستاتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ یہ سوچ کر ذرا گھبرا گیا کہ راجا اس پر کہیں شک و شبہ نہ کرنے لگے وہ راجا اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

★ ★ ★

عزت نے اپنے ہم وطنوں کا لباس پہن لیا اور گھوڑے کو اونچی نیچی راہوں پر بھگانے لگا۔ وہ جدھر سے بھی گزرتا مقامی لوگ اس کو حیرت اور عزت کی نظروں سے دیکھنے لگتے۔ ان لوگوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو گھڑ سواری کرتے نہیں دیکھا تھا بلکہ یہ لوگ گھوڑوں سے ڈرتے تھے۔ عزت ان راستوں پر پندرہ سال پہلے چلتا پھرتا رہا تھا اس وقت وہ چودہ سال کا تھا، اس نے محسوس کیا کہ ان پندرہ سالوں میں وہاں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہی راستے، وہی مکانات، وہی ندی نالے وہی لوگوں کا رہن سہن، وہی چہرے مہرے اور وہی لباس۔

عزت ایک مسطح جگہ پر کھڑے ہو کر غور کرنے لگا کہ سامنے موجود تین راستوں میں سے کس پر اسے چلنا چاہیئے۔ دو راستوں کے درمیان تیسرا تنگ راستہ ذرا نشیب میں اترتا چلا گیا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف بے ترتیب مکانات بنے ہوئے تھے راستے کی ابتدا ایک پتھریلے مکان سے ہوتی تھی، اس پتھریلے مکان کی دیواروں پر بیلیں دوڑی ہوئی تھیں اور اس کا دروازہ ناتراشیدہ لکڑیوں کا تھا، اس کو یاد آیا کہ نکڑ کے مکان میں اس کا ماموں رہتا تھا۔ اور آگے نشیب میں، کوئی پچیس تیس مکانوں کے بعد اس کا اپنا مکان تھا۔ وہ اپنے ماموں کے مکان کے سامنے رکا اور گھوڑے سے اتر پڑا، بستی کے لوگ اس کو دور دور سے دیکھ رہے تھے، اس نے گھوڑے کی لگام پکڑی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پتھریلے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ بستی کے تماش بینوں نے دروازے پر دستک دیتے جو دیکھا تو چند اس کے پاس پہنچ گئے اور اپنی زبان میں پوچھا "یہاں کس سے ملنا ہے؟"

عزت نے انہی کی زبان میں جواب دیا "ماما راکھن پال جی سے۔"

وہ اپنی ہی زبان میں جواب پا کر حیران رہ گئے۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور اندر سے ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ سر کے بال صاف، رنگ گندمی، قد درمیانہ گٹھا ہوا، عمر تقریباً پچپن ساٹھ سال۔ اس نے باہر نکلتے ہی گھوڑے کو پہلے دیکھا اور کچھ ڈر گیا، پیچھے ہٹتے ہوئے پوچھا "تو کون ہے اور کس کے پاس آیا ہے؟"

عزت نے اپنا خاندانی نام بتایا۔ "ماما میں جدھر ہوں، تیرا بھانجا، جس کو پندرہ سال پہلے ملکشی پکڑ لے گئے تھے۔"

ماما راکھن پال نے چندھی آنکھوں سے اپنے بھانجے جدھر کو پہچاننے کی کوشش کی اور دماغ پر ذرا زور دینے سے پہچان لیا، بے اختیار گلے سے لگا کر فرطِ جوش

سے کہا۔" جمدھر بیٹا تو! یہ تو کہاں سے آ گیا؟ تو ابھی زندہ ہے!! ہم لوگ تو تجھ کو رو دھو کر بھلا بھی چکے تھے!"

جمدھر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"لیکن ماما راکھن پال جی میں زندہ ہوں تم لوگوں سے ملنا قسمت میں لکھا تھا، اس لئے زندہ سلامت واپس آ گیا۔"

بستی کے تماشائی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ اجنبی جمدھر اس بستی کا آدمی ہے، جس کو چودہ سال پہلے ملکش اغوا کر لے گئے تھے تو بہت خوش ہوئے۔ ان کی نظر میں جمدھر میں کوئی خاص بات نہیں تھی، بلکہ خاص چیز جمدھر کا گھوڑا تھا۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور آہستہ آہستہ گھوڑے کے پاس پہنچے، ان میں کے کئی تماشائی اپنے دل سے گھوڑے کا خوف نکال باہر کرنا چاہتے تھے انہوں نے پہلے تو آہستہ آہستہ گھوڑے کا پیٹ سہلایا اور جب اس حرکت کا گھوڑے پر کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے اس سے زیادہ جسارت دکھائی۔ ان میں کے ایک شخص نے گھوڑے کی دم پکڑی اور آہستہ سے جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے ایک لات رسید کی جس سے دم پکڑ کر گھسیٹنے والا مقامی ہندو قلابازی کھاتا ہوا دور جا گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی جمدھر، اس کے ماموں اور دوسرے چند آدمی اس زخمی کی طرف بڑھے اور اس کو اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

جمدھر نے پوچھا۔" تو اس گھوڑے کے پاس کیا کر رہا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔" میں اس عجیب و غریب جانور کو دیکھ رہا تھا کہ اس نے دولتی جھاڑ دی، پتہ چلا یہ سخت ناقابل اعتبار جانور ہے۔"

جمدھر نے کہا۔"ہاں اس کی پچھاڑی سے ہمیشہ بچا جاتا ہے۔"

ماما راکھن پال جی نے جمدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔" یہ کن باتوں میں پڑ گیا تو، اندر چل، کچھ دیر بیٹھ، اس کے بعد تیری آمد کی خبر عزیز رشتہ داروں کو پہنچاتا ہوں یہ تو بڑی خوشی کا دن ہے۔"

جمدھر نے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور اپنے ماما کے ساتھ اندر چلا گیا۔

ماما راکھن پال جی نے اپنی بیٹی کو آواز دی۔" بھاگ بھری! ذرا جلدی تو آ، بھاگ کر، دیکھ یہ کون آ گیا ہے تیرے گھر میں۔"

ذرا دیر بعد ایک سانولے رنگ کی اٹھارہ انیس سالہ لڑکی دونوں کے پاس

آ گئی۔ لڑکی تہمد باندھے ہوئے تھی اور جسم کے بالائی حصے کو ایک دوسرے مختصر کپڑے سے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وہ چوڑی پٹی کی شکل میں بائیں شانے سے گزر کر لپیٹ سے لپٹا ہوا تھا، دونوں کانوں میں پیتل کے بالے پڑے تھے اور یہ اتنے بڑے تھے کہ دونوں طرف رخساروں پر ٹکے ہوتے تھے۔

ماما راکھن پال جی نے لڑکی کا تعارف کرایا "جمدھر بیٹے! یہ میری بیٹی بھاگیرتی ہے جب تو مغلوں کی قید میں گیا تھا، اس وقت یہ ڈھائی تین سال کی تھی!" اس کے بعد بھاگیرتی سے کہا "بھاگیرتی! یہ تیری پھوپی کا بیٹا جمدھر ہے جسے پندرہ سال پہلے مغل قید کر لے گئے تھے!"

دونوں نے ایک دوسرے کو جانچنے آنکنے کی نظروں سے دیکھا اور دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

ماما راکھن پال جی اور جمدھر کچھ دیر مغلوں کی باتیں کرتے رہے، جمدھر نے مغلوں کی بڑی برائیاں کیں اور ان کی بہادری، چالاکی اور مستقل مزاجی کی ایسی تاثر خیز تصویر کشی کی کہ ماما راکھن پال جی خوفزدہ ہو گیا۔ ماما نے مغلوں کے مذہب اور تمدن کے بارے میں کئی سوال کیے، جمدھر کے جوابوں نے اس کو حیرت میں ڈال دیا۔ شاندار محلوں میں رہنے والے مغل، اعلیٰ لباسوں میں گھوڑوں پر اڑتے پھرتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے لیے اپنی جانیں نثار کرتے رہتے ہیں۔ اس بات نے ماما راکھن پال کو اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا کہ مغل بادشاہ کی فوج میں راجپوت بھی شامل ہیں اور بعض دوسرے غیر ملکی بھی، مثلاً پٹھان جو کابل سے آتے ہیں اور ایرانی اور تورانی بھی اور یہ سب ایک بادشاہ کے حکم پر اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں اور ان میں ملکی اور قبائلی عصبیت جھگڑے کا سبب نہیں بنتی۔

بھاگیرتی ان دونوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ اجنبی جو خود کو اس کی پھوپی کا بیٹا کہتا ہے اس کی اپنی زبان میں کتنی روانی سے باتیں کر رہا ہے۔

پوری بستی میں جمدھر کی واپسی کا شہرہ ہو چکا تھا، جمدھر کی ماں، بہن اور دوسرے رشتے دار ماما راکھن پال جی کے گھر پہنچ گئے۔ بستی کے دوسرے لوگ بھی ماما راکھن کے دروازے پر جمع ہو چکے تھے۔ جمدھر گھر سے باہر نکلا اور بستی کے لوگوں سے باری باری ملاقاتیں کیں اور ان کے گلے لگ لگ کر انہیں خوش کرتا رہا۔ ان لوگوں کو جمدھر سے زیادہ اس کے گھوڑے سے دلچسپی تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے گھوڑے کو گھیر رکھا

تھا اور اس کو حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
ماں کا لباس بھی بھاگیرتی جیسا تھا بس کانوں میں بالوں کی تعداد زیادہ تھی دونوں کانوں میں چار چار بالے لٹک رہے تھے جن کے بوجھ سے کانوں کا نچلا حصہ لٹک گیا تھا۔ بہن کے کانوں میں بھی چار چار بالے پڑے ہوتے تھے۔ کچھ دیر بعد ماں نے جمدھر سے کہا۔ "تو راکھن پال کے پاس کیوں رک گیا؟ سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا؟"
جمدھر نے جواب دیا۔ "اب میں تیرے ہی پاس آتا ماں۔ میں حیران ہوں کہ ان پندرہ سالوں میں بھی اس بستی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہاں کی ہر چیز پہلی ہی جیسی ہے۔ میں نے ماما راکھن پال جی کے مکان کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"
ماں نے جواب دیا۔ "جو لوگ اپنے باپ دادا اور قوم کے رسم و رواج چھوڑ کر دوسروں کی ریت اختیار کر لیتے ہیں وہ اچھے نہیں ہوتے۔ تبدیلی کوئی اچھی چیز تو نہیں ہوتی۔"
جمدھر نے مسکرا کر کہا۔ "تبدیلی بڑی اچھی چیز ہے، دنیا نے اسی سے ترقی کی ہے۔"
ماں نے غصے میں کہا۔ "تو بیکار باتیں مت کر۔ سورج، چاند، ستارے، آسمان یہ سب پرانے ہیں، ان میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ زمین، یہ پہاڑ، یہ دریا، اس زمین سے جو درخت پہلے نکلتے تھے وہی آج بھی نکل رہے ہیں۔ اگر تبدیلی کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان سب میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتیں۔"
جمدھر نے عاجزی سے جواب دیا۔ "ماں میں تجھ سے بحث نہیں کروں گا، لیکن جب یہاں کا راجا پردیسیوں کے ہتھیار بندوق اور توپیں استعمال کرنے لگا ہے تو اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ وہ تبدیلی اختیار کر چکا ہے مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی اچھی باتیں اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
ماں نے پھر اختلاف کیا۔ "جمدھر، شاید تو وہ جمدھر نہیں ہے جو پندرہ سال پہلے گم ہو گیا تھا، تو تو کوئی مغل معلوم ہوتا ہے!" پھر پوچھا۔ "تو یہاں کیوں آیا ہے؟"
جمدھر نے جواب دیا۔ "میں مغلوں کے چنگل سے نکل بھاگا ہوں، مغل میرے پیچھے آ رہے ہیں، وہ ہمارے ملک کو فتح کر لینا چاہتے ہیں، میں اپنی قوم کی طرف سے مغلوں کا مقابلہ کروں گا اور اپنے راجا کی مدد کروں گا۔"

ابھی تک راکھن پال خاموش تھا، دونوں کی باتیں سن کر اپنا فیصلہ سُنا دیا۔ "جمدھر! تیری ماں کے خیالات درست ہیں، تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ مغل بن جائیں۔ کیا مغل آسامی یا کلتانی و آسام کی دو قوموں میں بننا گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں، پھر ہم مغل کیوں بنیں۔ ہمارا راجا تیری مدد کے بغیر بھی لڑ سکتا ہے۔"

جمدھر نے حالات کو اپنے خلاف ہوتے دیکھا تو گھبرا گیا، بولا "اگر تم لوگ میری باتیں پسند نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں، مجھے اپنوں میں رہنا ہے تو اپنوں کی مرضی اور رسم و ریت کے مطابق رہوں گا۔"

بھاگیرتی زور زور سے ہنسنے لگی، بولی "باپ جی! مہمان کو تنگ نہ کر۔" پھر جمدھر کی ماں سے کہا "اور باپ جی کی بہن! تو بھی کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہے۔ تیرا کھویا ہوا بیٹا پندرہ سال بعد واپس آیا ہے اب اس سے ایسی باتیں تو نہ کر کہ یہ بُرا مان کر واپس چلا جائے۔ اس کو میرے پاس رہنے دے، بس اس کو راضی کر لوں گی، یہ اپنا ہے اپنوں کی طرح رہے گا۔"

جمدھر کی بہن نے جمدھر کا ہاتھ پکڑ لیا "بھائی میرا ہے اس لئے میرے ساتھ جائے گا تو اپنے پاس کیوں رکھے گی!"

بھاگیرتی پھر ہنسی اس کے دونوں بالے بھی ہلنے لگے، بولی "میں کب کہتی ہوں کہ یہ میرا بھائی ہے، تیرا بھائی ہے تو لے جا اپنے گھر، لیکن میں یہ بات ابھی سے بتائے دیتی ہوں کہ جمدھر کو ایک نہ ایک دن آنا اسی گھر میں ہے۔"

* * *

راجا کو جمدھر کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے قلعے میں بلوا لیا۔ یہ قلعہ دریائے برہمپترا کے کنارے واقع تھا، سر بفلک دیواروں کے اندر راجا کا شاندار محل تھا اور محل کی حفاظت کے لئے راجا کے سات ہزار سپاہی ہر وقت گشت میں رہتے تھے قلعے کی فصیلوں پر اس سے کئی گنا زیادہ فوج تعینات تھی۔ راجا کے محل کے لوگ شاندار لباسوں میں نظر آتے۔ راجا نے جمدھر کو بڑے اعتماد اور خوشی سے محل میں بلایا تھا اور جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ جمدھر حب الوطن میں راجا کی مدد کرنے آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے جمدھر کو پوری آزادی دی کہ وہ اس کے دیوان کو مشورے دے اور عملی مدد دے اور دیوان اور جمدھر مل جل کر مغلوں کا مقابلہ کریں اور انہیں ایسی

شکست دیں کہ مغل دوبارہ ادھر کا رُخ بھی نہ کریں۔

جمدھر کو اپنی قوم پر افسوس ہوا جو تبدیلیاں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتی تھی اور راجا پر غصہ آیا جو خود کو بدل چکا تھا اور اپنے محل میں بھی تبدیلیاں لا چکا تھا لیکن اپنی قوم کو بدلنے پر تیار نہ تھا اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم میں انقلاب لائے گا اور اس انقلاب کے لئے اگر اس کو مغلوں کو لے آنا پڑے تو اس میں کوئی ہرج نہیں محسوس کرے گا۔

بھیم گڑھ میں اس کو یہ خبر ملی کہ میر جملہ اور آغر خان اس کے ساتھیوں کی مدد سے کوچ بہار کو فتح کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا اب میر جملہ کو جمدھر کی مدد درکار تھی۔ میر جملہ کوچ بہار کی تسخیر کے بعد گھوڑا گھاٹ کی طرف بڑھا اور چند دنوں بعد رانگا ماٹی نامی جگہ پر اپنے خیمے نصب کر دیے۔ اس جگہ دریائے برہمپترا پہاڑوں سے نکل کر سامنے آجاتا ہے، سامنے دونوں طرف اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے ان کی خطرناک بلندی کے پیش نظر میر جملہ اور آغر خان نے غوث الاسلام (جمدھر) کی اطلاعات آنے تک اس جگہ قیام کا ارادہ کر لیا۔

راجا کو جب یہ اطلاع ملی کہ مغل فوجیں رانگا ماٹی میں پڑاؤ ڈالے پڑی ہیں تو اس نے اپنے ایک بھوکن (وزیر یا سپہ سالار) اور جمدھر کو جوگی گپھا کی طرف جانے کا حکم دیا، یہاں دو سرحدی قلعے تھے اور ان کی تسخیر کے بغیر مغل فوجیں آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ جمدھر اتنی جلدی واپسی پر شاید تیار نہ ہوتا کیونکہ وطن کی ہواؤں میں ایک نشہ سا تھا۔ جس نے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ لیکن مذہب اور حق نمک کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ مغلوں کے حق میں خدمات انجام دینے پر مجبور تھا، اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ پورا علاقہ مغلوں کے قبضے میں چلا جائے گا اور یہاں کا صوبے دار مغلوں ہی کی طرف سے حکومت کیا کرے گا، چنانچہ ان حالات میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ مغل اس کو یہاں کا صوبیدار نامزد کر دیں اور وہ اپنی بقیہ عمر اپنے وطن ہی میں گزارنے کے لائق ہو جائے۔

جب اس نے راجا کا جوگی گپھا جانے کا فیصلہ اپنی ماں، بہن، ماما لکھن پال جی اور بھاگیرتی کو سنایا تو ماں اور بہن کو بہت افسوس ہوا، ماں نے کہا "اگر اتنی جلدی بچھڑ جانے کے لیئے آیا تھا تو تجھے نہیں آنا چاہیئے تھا"۔

بہن نے کہا "کس نے میرے بھائی پر جادو کر دیا ہے ورنہ یہ اپنے گھر میں

سکھ چین سے ضرور رہتا۔"

بھاگیرتی نے کہا۔ "میں تو جمدھر کے ساتھ چلی جاؤں گی، کیونکہ یہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے!"

لیکن راکھن پال جی نے مخالفت کی۔ "بھاگیرتی! تو جمدھر کے ساتھ نہیں جائے گی، تو میرے پاس ہی رہے گی کیونکہ تجھ سے شادی کرنے کا امیدوار جگ دیو بھی تیرا جانا پسند نہیں کرے گا۔"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔ "باپ جی! جگ دیو سے میری طرف سے کہہ دے کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

راکھن پال جی نے کہا۔ "یہ بات میں کس طرح کہہ سکتا ہوں بھاگیرتی، پوری کلتانی قوم میری دشمن ہو جائے گی۔"

بھاگیرتی نے جمدھر کی طرف دیکھا اور کھسک کر اس کے کاندھے سے لگ گئی، اس کا ایک بالا جمدھر کے رخسار سے ٹکرانے لگا، بولی۔ "جمدھر! تو نے میرا فیصلہ سنا میں جگ دیو سے شادی نہیں کروں گی۔ میں تجھ سے شادی کروں گی، تو راضی ہے نا؟"

جمدھر اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، بولا۔ "بھاگیرتی! میں تجھ سے شادی تو کر سکتا ہوں لیکن ابھی نہیں، اگر مغلوں سے جنگ کرنے اور انہیں شکست دینے کے بعد میں زندہ بچ گیا تو تجھ سے ضرور شادی کر لوں گا، اس کے لئے تو میرا انتظار کرے گی!"

بھاگیرتی نے ایک دم فیصلہ سنا دیا۔ "میں شادی کے دن کا تو انتظار کر سکتی ہوں لیکن تیری واپسی کا انتظار نہیں کر سکتی۔ میں تیرے ساتھ سائے کی طرح لگی رہوں گی اور ایک پل کی جدائی گوارا نہیں کروں گی کیونکہ تو ایک بار گم ہوا تھا تو پندرہ سال بعد ملا، اب اگر گم ہوا تو معلوم نہیں کب ملاقات ہو۔"

راکھن پال نے پھر مخالفت کی۔ "ایسا نہ کر بھاگیرتی۔" پھر جمدھر سے کہا۔ "یہ جانا ٹھیک نہیں ہے۔ جمدھر تو ہی سمجھا بھاگیرتی کو!"

لیکن بھاگیرتی نے جو فیصلہ کر لیا تھا، اس پر قائم رہی، اس نے باپ سے کہا۔ "باپ جی! مجھے اس پر مجبور نہ کر کہ میں اپنے فیصلے سے پوری قوم کو مطلع کروں اور اسے یہ بتا دوں کہ تو مجھے جمدھر سے شادی نہیں کرنے دیتا تو پوری قوم تیری مرمت کر دے۔"

کئی ہم قوم کلتانی جوش میں آگے بڑھے اور راکھن پال کو پکڑ لیا۔ "راکھن پال جی! یہ کلتانی قوم کی ریت کے خلاف ہے کہ تو لڑکی کی پسند سے اختلاف کرے، ہم سب تجھ کو اپنی بیٹی کا مجرم قرار دے کر خوب مار پیٹ سکتے ہیں کیونکہ اس کا ہمیں حق ہے!"

جمدھر نے بھاگیرتی سے کہا "ماما راکھن پال جی کو بچا بھاگیرتی۔ میں اپنے وطن آکر کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا!"

بھاگیرتی نے اپنے باپ کو چھڑوا دیا اور بولی "جمدھر! ایک بار پھر سن لے کہ میں تیرے ساتھ ضرور چلوں گی، کیونکہ اس کا مجھے حق پہنچتا ہے اور یہاں کا کوئی شخص یا کوئی قانون مجھ کو تیرے ساتھ جانے سے نہیں روک سکتا!"

جمدھر مجبور ہو گیا، بولا "اچھا تو بھی چل میرے ساتھ بھاگیرتی!"

لیکن جمدھر اس بات سے ڈر رہا تھا کہ بھاگیرتی کے ساتھ رہنے سے وہ اپنا کام صحیح نہیں انجام دے سکے گا اور ہر وقت پکڑے جانے کا دھڑکا لگا رہے گا۔

کئی دن بعد بھوکن اور فوج کے ساتھ جوگی گپھا کی طرف روانہ ہو گیا بھاگیرتی اس کے ساتھ تھی۔ اس نے راستوں کا نقشہ بنا لیا تھا اور بھوکن نے جو بھی فوجی منصوبے بناتے تھے۔ انہیں نقشوں کے ساتھ ہی لکھ لیا تھا۔

راستے میں، جوگی گپھا سے پہلے ہی آسامیوں نے پڑاؤ کیا اور اپنے ساتھ لائی ہوئی فوج میں سے کچھ کو الگ کیا اور حکم دیا کہ وہ مقامی قبائل سے مل کر مسلمانوں پر شب خون اور چھاپے ماریں۔

جمدھر کو جو یہ خطرناک اطلاعات ملیں تو وہ انہیں آغر خان تک پہنچانے کے لئے بے چین ہو گیا۔ اس نے آغر خان کو راستے کا نقشہ ایک دوسرے آسامی کے ذریعے بھجوا دیا اور اپنے مختصر خط میں میر جملہ کو نصیحت کی کہ وہ دریا کے ساحل سے ہرگز نہ جدا ہو۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ دریا کے کنارے کنارے سفر جاری رکھا جائے اور اس کے لئے دور تک پھیلے ہوئے درختوں کو کاٹ کر دلدلوں اور چھوٹے چھوٹے نالوں کو پاٹ کر راستہ بنا لیا جاتے، اس نے یہ بھی لکھا کہ اپنے دائیں بائیں سے ہوشیار کیونکہ آسامی چھاپہ ماروں کے دستے ان کے تعاقب میں ہیں!

جب نقشہ اور خط آغر خان کو ملا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے یہ دو چیزیں میر جملہ کو دے دیں۔ اس نے اس وقت خاموشی سے دریا کے کنارے کنارے صفائی

شروع کر دی اور بڑے درختوں کو کاٹ کاٹ کر دلدلوں اور نالوں پر بچھا دیا اور اس پر سے لشکر کو گزارنا شروع کر دیا۔ راستے میں کئی جگہ ان پر چھاپے مارے گئے لیکن میر جملہ اور آغر خان نے انہیں منہ توڑ جواب دے کر ہر جگہ پسپا کیا۔

برہمپترا کے کنارے کنارے چل کر یہ ایک قلعے کے سامنے پہنچ گئے قلعے کی غربی دیوار پہاڑ کی چوٹی کی وجہ سے محفوظ تھی اس کی جنوبی سمت برہمپترا بہہ رہا تھا مشرق میں ایک دوسرا مناس نامی دریا مچل رہا تھا، جو آگے جا کر جنوب میں دریائے برہمپترا میں جا گرتا تھا۔ شمال میں قلعے کی دیوار کے سامنے ایک خندق کھدی تھی، خندق کے قریب ہی ایک پہاڑ اور گھنا جنگل تھا۔ خندق کے پاس جو ذرا سا مسطح حصہ تھا، اس میں بانسوں کو نیزوں کی طرح تراش کر زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اس کارروائی کو آسامی بھانچا کہتے ہیں، ان چھوٹے بڑے بھانچوں کو عبور کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

★ ★ ★

جدھر راجا کے بھوکن اور فوج کے ساتھ جب اس قلعے میں داخل ہوا اور اس نے قلعے کے نیچے ذرا فاصلے پر مغل فوجوں کو چیونٹیوں کی طرح حرکت کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ جدھر نے قلعے میں ہر طرف گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مغلوں کو کس طرف سے بلایا جاتے اور اگر وہ اپنا کوئی پیغام تیر کے ذریعے مغلوں کو بھیجے تو قلعے کے کس حصے سے بھیجے۔

اس قلعے کے مقابل ایک دوسرا قلعہ بھی تھا، قلعے کی پشت پر دریائے برہمپترا دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ان دونوں شاخوں کے درمیان ایک ٹاپو سا نمودار ہو گیا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر کوہ پنج رتن سر اٹھائے کھڑا تھا اور اس پہاڑ پر دوسرا قلعہ موجود تھا، پہلے قلعے میں پندرہ ہزار فوج اور تین سو بیس کشتیاں موجود تھیں جدھر کے ساتھ جو فوج آئی تھی، وہ اس کے علاوہ تھی۔

بھاگیرتی جدھر کے ساتھ سائے کی طرح لگی ہوئی تھی، اس نے جدھر کے ساتھ مغلوں کو چیونٹیوں کی طرح رینگتے جو دیکھا تو دم بخود رہ گئی مغل فوج کا بیشتر حصہ سفید لباس میں تھا، لیکن ان کی پگڑیوں کے رنگ مختلف تھے، اس نے جدھر سے کہا "جدھر! کیا یہ لوگ جو اس وقت چیونٹی کی طرح نظر آ رہے ہیں یہاں تک آ سکتے ہیں!"

جدھر نے جواب دیا "بھاگیرتی! یہ مغل بھی عجیب قوم ہے، اس قوم میں سب

سے بڑی یہ خرابی ہے کہ یہ بلا کی مستقل مزاج ہوتی ہے یہ اس وقت تک ہمت نہیں ہارتی جب تک کہ اپنا مقصد نہ حاصل کرلے۔ انہوں نے آسام کی تسخیر کا ارادہ کرلیا ہے تو یہ کسی طرح باز نہیں آئیں گے، یہ تو دیوتاؤں کے عذاب ہیں جو ہر حال میں نازل ہو کر رہتا ہے۔"

بھاگیرتی ڈر گئی "! اگر یہ لوگ جیت گئے اور ہمیں گرفتار کرلیا گیا تو یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

جمدھر نے جواب دیا "چونکہ تو بالکل جاہل اور بے مصرف ہے اس لئے تجھ کو اپنی بیگمات کی خدمت گزاری پر لگا دیں گے اور تجھے اس حق سے ہمیشہ محروم رکھیں گے جس کی تو مستحق ہے۔"

رات کو مغلوں نے ماہتابیاں روشن کر دیں۔ جمدھر نے آغر خان کے نام ایک خط لکھا:

"میرے سردار آغر خان! آسام میں دو قومیں آباد ہیں۔ ایک آسامی دوسری کلتانی۔ کلتانی لڑنے بھڑنے کے سوا سارے کام نہایت عقلمندی اور ہوشیاری سے انجام دیتے ہیں۔ یہاں راجا کے منصب داروں اور مشیروں میں کلتانیوں کی اکثریت ہے اور یہ عہدے دار پھوکن کہلاتے ہیں۔ راجا ان کی عقل اور تدبیر پر بہت اعتماد کرتا ہے۔ کلتانیوں کے برعکس آسامی بہادری اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور راجا کی فوج میں آسامیوں کی اکثریت ہے۔ میں خود کلتانی ہوں۔

سردار! آپ خانخاناں میر جملہ کو مشورہ دیجئے کہ وہ اپنی فوج کے ایک حصّہ کو برہمپترا کے کنارے پڑاؤ ڈال دیں اور پھر یہ فوج ان جنگلوں کا صفایا کرنا شروع کر دے جو راجا کی قلعہ بند فوج کو بوقت فرار پناہ گاہ کا کام دے سکتے ہیں۔ فوج کا کچھ حصّہ دریائے مناس کی طرف بڑھ جائے اور یہ سارا کام اس طرح انجام دیا جائے کہ راجا کی فوج یہ سوچنے لگے کہ مغل افواج ان کے فرار کی راہیں مسدود کر رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر دشمن کو یہ باور کرا دیا گیا تو وہ لڑائی کی ہمت نہیں کرے گا اور جان بچانے کی تدبیریں سوچنے لگے گا۔

یہ سب میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میں نے آسامیوں میں مغلوں کا خوف محسوس کرلیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آسامی راہ فرار اختیار کریں گے، آپ کی فوج اس کے تعاقب اور قتل عام کے لئے تیار رہے اور چونکہ ہمیں کشتیوں اور نواڑوں کی بہت سخت ضرورت ہے اس لئے کوشش کی جاتے کہ بھاگتے ہوئے آسامیوں سے کشتیاں اور نواڑے زبردستی

چھین لیے جائیں۔

سردار آغرخان! آپ پر اور اسلامی لشکر پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں، میں نے خدا کے فضل سے بھیم گڑھ تک کے راستے اچھی طرح سمجھ لئے ہیں اور خود کو اس لائق محسوس کر رہا ہوں کہ مغل افواج کی بہترین رہنمائی کر سکوں۔ اگر آپ لوگوں نے ان دونوں قلعوں کو فتح کر لیا تو میں کسی بھی بہانے آپ کے پاس چلا آؤں گا اور پھر اپنی رہنمائی میں مغل افواج کو بھیم گڑھ کی طرف لے کر بڑھوں گا۔

سردار! میری بدقسمتی کہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی میرے ساتھ سائے کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم کلتا ہیوں میں لڑکی کو اتنا حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے کسی بھی مرد سے شادی کرلے قوم لڑکی کی مخالفت نہیں کرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ جس مرد یا نوجوان سے کوئی لڑکی شادی کرنا چاہتی ہو وہ خود بھی اس پر آمادہ ہو۔ کسی ایسی شادی کی اگر لڑکی کا باپ مخالفت کرے تو قوم کے لوگ اس کے باپ کی پٹائی شروع کر دیتے ہیں اور اتنی زیادہ پٹائی کر دیتے ہیں کہ لڑکی کا باپ ادھ موا ہو کر شادی کی اجازت دے دیتا ہے۔ چنانچہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی نے مجھ سے شادی کرنے کا اعلان کیا تو میرے ماما نے اس کی مخالفت کی کیونکہ بھاگیرتی کی شادی کسی اور نوجوان سے طے پا چکی تھی، بھاگیرتی نے اس نوجوان کو اپنی امیدواری سے خارج کر دیا اور مجھ سے شادی کرنے کا اعلان کر دیا۔ حالات اور وقت کے پیش نظر میں نے بھی شادی کا اقرار کر لیا، چنانچہ ماما لکھن پال جی نے اس رشتے کی مخالفت کی تو میری قوم کے لوگوں نے پٹائی کی غرض سے ماما کو دبوچ لیا۔ میں نے بمشکل اس کو رہائی دلائی اور بھاگیرتی کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آ گیا ہوں۔ سردار! آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص ہوں بھاگیرتی سے کس طرح شادی کر سکتا ہوں۔ میں جب آپ کے پاس آؤں گا تو شاید بھاگیرتی میرے ساتھ ہی ہو گی۔ یہ میرے ماما کی بیٹی ہے اس لئے میں اس کو لشکر میں عزت و آبرو سے رکھنے کی خواہش کروں گا۔ اگر یہ کسی طرح کسی اور سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تو میں مجبوراً اس سے شادی کر لوں گا اور یہ میری دوسری بیوی ہو گی اور شادی کے بعد اس کو انسان بنانے کی کوشش کروں گا۔"

آخر میں اپنے دستخط کر دیے اور اس خط کو تیر کی نوک میں باندھ کر فصیل کا وہ حصہ تلاش کرنے لگا، جہاں سے مغلوں کا لشکر اتنا قریب نظر آتا ہو کہ اگر چلے کو پوری قوت سے کھینچ کر تیر چھوڑا جائے تو وہ مغلوں کے لشکر میں جا گرے۔ یہاں بھی بھاگیرتی

اس کے ساتھ تھی۔ اس نے جمدھر کو کچھ لکھتے دیکھا تھا، اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر اور دماغ پر زور دے دے کر ٹیڑھی میڑھی الٹی سیدھی، آڑی ترچھی شکلوں کو سمجھنے کی بڑی کوشش کی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی تھی۔ اب جو اس نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو کئی تہوں میں تیر کی نوک پر بندھا ہوا دیکھا تو جمدھر سے پوچھ ہی بیٹھی "جمدھر! یہ کیا چیز ہے جس کو تو نے تیر کی نوک میں باندھ رکھا ہے!"

جمدھر مسکرایا۔ "بھاگیرتی! یہ ایک خط ہے مغلوں کے سردار کے نام"۔

بھاگیرتی نے ذہن پر زور دیا۔ "خط مغلوں کے سردار کے نام، کیا مغل تیرے دوست ہیں کہ انہیں خط لکھ رہا ہے!"

جمدھر ٹھٹکا۔ "پگلی خط دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی لکھے جاتے ہیں، میں نے مغلوں کے سردار کو لکھ دیا ہے کہ تم لوگ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے"۔

بھاگیرتی کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "کیا یہ خط پڑھ کر مغل واپس چلے جائیں گے؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میرے خیال میں ان کو چلا جانا چاہیئے"۔

بھاگیرتی نے پوچھا۔ "یہ کس زبان میں خط لکھا ہے؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "فارسی میں!"

بھاگیرتی نے افسوس سے کہا۔ "تو مغلوں سے تو نے فارسی بھی سیکھ لی تجھے یہ خط اپنی زبان میں لکھنا چاہیئے تھا!"

جمدھر بھاگیرتی کی سادہ لوحی پر ایک بار پھر مسکرایا۔ "اگر میں آسامی زبان میں یہ خط لکھتا تو وہاں اس کو پڑھتا کون!"

بھاگیرتی نے کہا۔ "جب تو نے مغلوں کی زبان سیکھ لی تو مغلوں کو تیری زبان سیکھ لینا چاہیئے تھی"۔

جمدھر نے مغلوں کی ماہتابیاں کچھ قریب محسوس کیں اس نے فوراً چلّے کو پوری قوت سے کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آیا کہ تیر کہاں گیا لیکن جمدھر کا اندازہ یہی تھا کہ تیر مغلوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہے۔

بھاگیرتی جمدھر کو لے کر فصیل کی ایک سِل پر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں طرف

آسامی فوجی اندھیرے میں کالے کالے سایوں کی طرح متحرک تھے۔ بھاگیرتی نے جمدھر کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے کی وجہ سے صاف دیکھ نہیں سکی۔ جمدھر خوش تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے اُس کے ماما کی بیٹی اس کے حقیقی تاثرات کو چہرے پر نہیں دیکھ سکے گی۔

بھاگیرتی نے سادگی سے کہا۔" جمدھر! یہ مغل بھی کتنے برُے لوگ ہیں اگر یہ لڑنے نہ آتے تو ہم دونوں شادی کر چکے ہوتے اور اپنی بستی میں مزے کر رہے ہوتے۔ ان مغلوں نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔"

جمدھر نے جواب دیا۔" بھاگیرتی! اگر مغل اِدھر نہ آتے تو میں بھی بھاگ کر بھیم گڑھ نہ پہنچ سکتا اور جب میں بھیم گڑھ نہ پہنچتا تو تجھ سے ملاقات اور شادی کرنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا، اس لئے مغلوں کو دعائیں دے کہ ان کی وجہ سے ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی۔"

بھاگیرتی چوڑی فصیل پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور وہ ٹمٹماتے جھلملاتے ستاروں کو بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ جمدھر اس کی باطنی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، بولا۔" بھاگیرتی! کیا تجھے نیند آ رہی ہے؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" نہیں تو، مجھے یہ رات بہت اچھی لگ رہی ہے، حالانکہ مغلوں کا لشکر ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے، مگر پھر بھی آج کی رات بہت اچھی لگ رہی ہے شاید اس لئے کہ تو جو میرے ساتھ اور میرے پاس ہے!"

جمدھر سمجھ گیا کہ بھاگیرتی کے رگ وپے میں سرشاری کی لہریں دوڑ رہی ہیں اور وہ اس عالم میں کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے، اس نے بھاگیرتی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی، بولا۔" بھاگیرتی! یہ تو کہاں لیٹ گئی؟ یہاں فوجی جوانوں کی آمد و رفت ہے آ، اٹھ، اپنے ٹھکانے پر چل کر آرام کریں، یہ سونے کی جگہ نہیں ہے۔"

بھاگیرتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا،

بولی۔" جمدھر! لیٹنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، تو بھی یہیں بیٹا رہ، مجھ کو بڑا آرام اور سکون مل رہا ہے، برباد ہوں یہ مغل زندگی کو بے مزہ کر رکھا ہے!"

لیکن جمدھر آسامی معاشرے کا آدمی نہیں تھا، اس نے مغل معاشرے کی رسم اور عادات کو اختیار کر رکھا تھا،

دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں کو جگمگ جگمگ
کرتے محسوس کیا۔ بھاگیرتی بہت خوش تھی، اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شوخی بھی تھی اور شرارت بھی، سرشاری بھی تھی اور خمار بھی۔

جمدھر گھبرایا ہوا تھا، بولا: "بھاگیرتی! صبر اور احتیاط سے کام لے۔ ذرا سوچ تو یہ تو کیا کر رہی ہے اگر آسامی فوجی یا بھوکن ادھر آ گیا تو وہ کیا کہے گا؟ کیا ہم دونوں کا مذاق نہیں اڑے گا؟"

بھاگیرتی نے لاپرواہی سے جواب دیا: "میں کسی بھی شخص یا کسی بات سے بھی نہیں ڈرتی۔ تو میرا محبوب ہے اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے شادی بھی کرنا ہے، پھر ہم دونوں ڈریں بھی تو کس بات سے؟"

جمدھر بمشکل آزاد ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ "بھاگیرتی! تو غضب کی لڑکی ہے، تیرا جوش و خروش دیکھ کر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ کر گزروں لیکن پھر یہ سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا، میری قوم بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔"

بھاگیرتی بولی: "مصیبتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں، اِن کے آنے جانے سے دنیا کے کام تو نہیں رک جاتے۔ میں قوم کے لئے اپنی جان تک دے سکتی ہوں، مگر پھر قوم کو بھی ہم دونوں کے معاملوں میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ ہم دونوں یہاں فصیل پر لیٹیں یا کہیں اور جا کر لیٹیں قوم کو ہمارے ذاتی معاملوں میں بالکل دخل نہیں دینا چاہیئے۔"

اتنے میں ایک سایہ ان دونوں کے پاس آ کر رک گیا اور ڈپٹ کر پوچھا: "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

جمدھر نے آواز سے پہچان لیا تھا، یہ بھوکن کی آواز تھی، بولا: "بھوکن جی! یہاں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ بھاگیرتی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی میں نے اس کو فصیل پر ہی لٹا دیا۔"

لیکن بھاگیرتی جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئی، بولی: "بھوکن جی! میں بالکل ٹھیک ہوں، میری طبیعت نہیں خراب ہو رہی۔ جمدھر جھوٹ بولتا ہے!"

جمدھر شرمندہ ہو گیا: "اگر تیری طبیعت خراب نہیں تھی تو تو یہاں لیٹ

کیوں گئی تھی؟"

بھاگیرتی بھوکن کی موجودگی میں بھی اپنے ارادوں سے باز نہیں آئی، بولی "بھوکن جی! جمدھر میرا ہونے والا شوہر ہے اور میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، اندھیری رات اور ستاروں کی چمک نے میرے اندر خوشی سی دوڑا دی ہے، میں برداشت نہیں کر سکتی، بھوکن جی! جمدھر کو سمجھا دے، ورنہ میں اس کو فصیل کے نیچے پھینک دوں گی۔"

بھوکن جی نے جواب دیا "بھاگیرتی! ہوش میں رہ! مجھے جمدھر سے ضروری مشورہ کرنا ہے، مغل جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، اس لئے اب ہم کو بھی تیاری کر لینا چاہیئے۔ یہ تیرا ہونے والا شوہر ہے، تو پھر جلدی کس بات کی بھاگیرتی؟"

بھاگیرتی نے کہا "مجھے کوئی جلدی نہیں۔ میں تو بڑا لمبا انتظار کر سکتی ہوں لیکن بس قوم کی مصیبت کا خیال کر کے چپ ہو جاتی ہوں۔"

بھوکن نے بھاگیرتی سے کہا "لڑکی! تو اس جگہ کھڑی رہ تاکہ میں واپسی میں تجھ کو بآسانی پا جاؤں۔"

بھاگیرتی نے پوچھا "میں اکیلی یا جمدھر بھی؟"

بھوکن نے جواب دیا "جمدھر میرے ساتھ جائے گا۔"

بھاگیرتی نے اکڑ کر کہا "یہ جہاں بھی جائے گا میں اس کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہوں گی۔"

بھوکن نے جمدھر کی طرف دیکھا اور کہا "اب تجھ کو اس لڑکی سے ذرا دور دور رہنا ہو گا کیونکہ یہ بڑی خود غرض محسوس ہوتی ہے اور خود غرضوں سے ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیئے۔"

بھاگیرتی نے جوش میں جمدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑی ہو گئی "بھوکن جی! کچھ سوچا بھی کہ تو نے کیا کہہ دیا، یہ میرا ہے اس پر میرا حکم چلے گا، اگر اس وقت پوری قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جمدھر کو لے کر اسی وقت چلی جاتی۔" پھر جمدھر سے کہا "جمدھر! چل میرے ساتھ چل بھوکن جی سے صبح مل لینا۔ مغل اتنی جلدی نہیں آتے جاتے۔"

بھوکن جی کو جلال آ گیا "لڑکی! تو اپنی حد میں رہ، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ میں نہیں کہہ رہا، راجا کہہ رہا ہے اور کیا تجھ میں یا کسی اور میں اتنی ہمت ہے کہ راجا کے

بات نہ مانے یا راجا کی بات پر اپنی بات کو ترجیح دے ؟"
جمدھر نے بھاگیرتی کو سمجھایا۔" بھاگیرتی! وقت کو پہچان، اپنے بھاگ سے ڈر۔ ذرا صبر اور سکون سے کام لے!"
بھاگیرتی نے جواب دیا۔" تو کہتا ہے تو صبر کر لوں گی، ورنہ میں اپنے کسی معاملے میں بھوکن جی یا راجا تک کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔ جس طرح راجا کی خوشی خوشی ہوتی ہے اس طرح میری خوشی بھی خوشی ہے اور یہ تو میں نے آج تک جانا ہی نہیں کہ اپنی خوشی پر کسی اور کی خوشی کو ترجیح دے دوں۔"
جمدھر نے بھوکن کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن ضدی بھاگیرتی نے جمدھر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور کہا۔" جمدھر! تو میرے ساتھ چل۔" اور بھوکن سے کہا۔" اور بڈھے بھوکن! تو اپنا راستہ لے، صبح ملاقات ہوگی!"
بھوکن نے غصے میں تالی بجائی، تالی کی آواز پر کئی سپاہی بھاگ کر آگئے۔ بھوکن نے حکم دیا۔" اس لڑکی کو صبح تک کے لئے کہیں بند کر دو!"
لیکن بھاگیرتی نے تعمیل حکم سے پہلے ہی بھوکن پر حملہ کر دیا اور اس کو دھکے دے کر فصیل کے نیچے گرا دینے کی کوشش کی، بھوکن بوڑھا ہونے کے باوجود مضبوط اعصاب کا انسان تھا، وہ فصیل پر گر کر سنبھل گیا، اس دوران سپاہیوں نے بھاگیرتی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا دو طاقتور سپاہیوں نے اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، مگر بھاگیرتی مچل گئی اور بچوں کی طرح دونوں پاؤں فصیل سے رگڑنے لگی۔
بھوکن کا غصہ عروج کو پہنچ چکا تھا، چیختے ہوئے حکم دیا۔" اس سرکش اور خود غرض لڑکی کو تا حکم ثانی بند رکھا جائے۔ اگر میں سنبھل نہ جاتا تو اس نے مجھ کو فصیل سے گرا کر ہلاک کر دیا ہوتا۔"
بھاگیرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی، جمدھر تماشائی بنا سب کچھ دیکھتا رہا۔ بھوکن نے اس کو نصیحت کی۔" جمدھر! خبردار جو تو نے اس سرکش لڑکی سے شادی کی! اگر تو نے ایسی غلطی کی تو میری یہ بات یاد رکھنا کہ وہ کسی بھی وقت تجھ کو ہلاک کر دے گی۔"
جمدھر نے جواب دیا۔" شاید ایسی بات نہیں ہے بھوکن جی! وہ میرے ماما راکھن پال جی کی بیٹی ہے۔ اس نے تیرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے میرا خیال ہے

اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، آسامی اور کلتانی حریت پسند ہوتے ہیں اور انہیں اپنی انا کا بڑا خیال رہتا ہے، شاید یہ بھی اس حریت پسندی اور انا پرستی ہی کی ایک جھلک تھی۔"

بھوکن اس کو قلعے کے ایک برج میں لے گیا اور دونوں دو چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ برج کو مشعل سے روشن کر دیا گیا تھا۔ برج میں بندوقیں، تلواریں، تیر کمان اور خنجروں کا ایک بڑا ذخیرہ رکھا ہوا تھا۔ جدھر نے ان ہتھیاروں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور بھوکن جی کو دیکھنے لگا۔ بھوکن نے سوال کیا "جدھر جی! تو نے تو مغلوں میں بڑا وقت گزارا ہے، یہ بتا کہ ان کا حوصلہ کب تک ان کا ساتھ دیتا رہے گا؟ یہ کبھی تھکیں گے یا نہیں؟"

جدھر نے جواب دیا "بھوکن جی! میں مغلوں کو خوب جانتا ہوں یہ بڑی دیوانی قوم ہے، جس کے پیچھے پڑ جاتی ہے آخری دم تک پیچھا نہیں چھوڑتی ویسے ان کو پسپا کرنے کی ایک ہی ترکیب رہ گئی ہے میرے پاس۔"

بھوکن اپنی جگہ سے اٹھا اور جدھر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ "کون سی ترکیب؟"

جدھر نے جواب دیا "دو ایک دن بعد مجھ کو مغلوں کے لشکر میں جانا پڑے گا، میں مغلوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گا اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میں بآسانی انہیں غلط راہوں پر ڈال سکوں گا۔ میں ورغلا کر انہیں ایسی جگہ پہنچا دوں گا، جہاں تو اپنے سپاہیوں کے ساتھ چھپا ہوا ہو گا اور انہیں دھوکے سے ہلاک کر سکے گا۔"

بھوکن نے افسوس سے کہا "لیکن مغل تجھ پر اعتبار کیوں کریں گے؟"

جدھر نے جواب دیا "میں اعتماد بحال کرنے کی کوشش کروں گا، اگر کام بن گیا تو بن گیا ورنہ میں اپنی قوم پر قربان ہو جاؤں گا۔"

بھوکن ٹہلنے لگا۔ وہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اس نے برج کے کنارے کھڑے ہو کر مہتابیوں کی روشنی میں مغلوں کے لشکر میں حرکت اور بے چینی محسوس کی، اس نے وہاں ہی سے جدھر کو آواز دی "جدھر! ذرا ادھر تو آ۔ بتا تو سہی یہ مغل آخر کیا کر رہے ہیں۔ مجھے تو وہ دریا کے دوسرے کنارے کی طرف جاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں!"

جدھر بھوکن کے پاس کھڑے ہو کر کشتیوں اور نواڑوں کو دوسرے کنارے

کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا کشتیوں اور نواڑوں پر بھی مہتابیاں روشن تھیں۔
اس نے بھوکن سے کہا۔ "بھوکن جی! مجھ کو تو یہ خبر ملی ہے کہ مغل دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر قبضہ کر لینا چاہتے ہیں اور انہیں اپنی طاقت پر اتنا بھروسا ہے کہ وہ دوسرے کنارے پہنچ کر ہماری فوجوں کی راہ فرار بند کر دینا چاہتے ہیں۔"
بھوکن کا چہرہ خوف سے مدھم پڑ گیا، پوچھا "کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"
جمدھر نے جواب دیا "ایسا ہو سکتا کیا معنی، اس سے بڑا بھی ہو سکتا ہے!"
بھوکن نے جلدی جلدی کہا۔ "تب پھر جمدھر جی یہ کام فوراً ہونا چاہیئے، ورنہ اگر مغلوں نے ہماری راہ فرار بھی بند کر دی، تو ہم کیا کریں گے؟"
جمدھر نے کہا۔ "اگر تو مجھے جانے پر مجبور ہی کر رہا ہے تو میں چلا جاؤں گا ورنہ اتنی جلدی جانے کو جی تو نہیں چاہ رہا ہے۔"
بھوکن نے پوچھا۔ "پھر تو مغل فوجوں میں کس دن جائے گا؟"
جمدھر نے جواب دیا۔ "میں کل ہی جا سکتا ہوں۔"
بھوکن نے کہا۔ "ہاں تو کل ہی چلا جانا۔ کیونکہ عیاریوں اور چالاکیوں کے بغیر اس طاقتور دشمن کو شکست نہیں دی جا سکتی۔" اس کے بعد کہا۔ "جمدھر جی! میں نے تیری محبوبہ کے لئے یہ سوچا ہے کہ اس کو دو ساعتوں بعد چھوڑ دیا جائے اور وہ ایک بار پھر تیرے پاس اٹھ بیٹھ کر اپنی احمقانہ باتوں سے ہنسائے۔"
جمدھر کی نظریں بدستور دریائے برہم پترا میں رواں دواں کشتیوں اور نواڑوں پر پڑ رہی تھیں۔ اس نے سوچا اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کا تیر کی نوک سے بندھا ہوا خط مل چکا ہے اور میر جملہ اور آغر خان نے اس پر تیزی سے عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ جمدھر کی نظر میں یہ بڑی اچھی بات تھی اور کوئی وجہ نہیں تھی جو اس جنگ میں مغلوں کو فتح حاصل نہ ہوتی۔
صبح ہوتے ہوتے بھاگیرتی کو رہا کر دیا گیا اس وقت وہ بڑے غصے میں تھی، جمدھر بھوکن کے ساتھ فصیل سے مغلوں کے دوسرے کنارے جا پہنچنے کا دلچسپ منظر دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی نظر آ رہا تھا، بھاگیرتی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان دونوں کے پاس پہنچی اور بھوکن کا گلا پکڑ لیا۔ "تو نے مجھ کو رات بھر بند کیوں رکھا؟ بول، جواب دے، ورنہ میں تجھ کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دوں گی۔"

بھوکن کے گلے سے خر خر کی آواز نکلنے لگی، جمدھر نے پھرتی سے کھڑے ہو کر بھوکن کو چھڑانے کی کوشش کی۔ "بھاگیرتی! بھوکن کو چھوڑ دے کیونکہ یہ بڑے غمخوار اور سمجھ دار انسان ہیں، یہ تو کیا غضب کر رہی ہے!"

بھاگیرتی نے گردن کو کئی جھٹکے دیے۔ بھوکن لڑکھڑا کر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی بھاگیرتی بھی گر گئی، جمدھر نے بھاگیرتی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ "یہ کیا کر رہی ہے بھاگیرتی!"

لیکن بھاگیرتی کے غصے میں کوئی کمی نہ آئی وہ سخت مشتعل تھی۔ "میں اس بڈھے کا خون پی جاؤں گی اس نے میرے ارمانوں کا خون کر دیا۔ کل رات میں تجھ میں کھو جانا چاہتی تھی، لیکن اس بڈھے نے مجھے جدا کر دیا، جمدھر! میں یہ بات کس طرح بتاؤں تجھے کہ مجھے کل تیری کتنی ضرورت تھی، لیکن اس ظالم نے مجھے رات بھر سسکیاں لیتے اور جذبوں کو دبائے رکھنے پر مجبور کر دیا۔"

بھوکن نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس خونخوار طاقتور لڑکی سے نجات حاصل کر لے، لیکن ناکام رہا۔

جمدھر نے خوشامد کی۔ "بھاگیرتی! میری خاطر اس کو چھوڑ دے، یہ تجھے ہو کیا گیا ہے؟"

بھوکن نے شور کیا۔ "ارے کوئی ہے جو اس جنگلی لڑکی سے میرا پیچھا چھڑائے؟"

لیکن فصیل پر موجود سپاہ ان سے بہت دور تھی وہاں تک بھوکن کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ بھاگیرتی نے بھوکن کو فصیل کے کنارے دھکا دیا مگر بھوکن نے فصیل کے ایک ابھرے ہوئے پتھر کو پکڑ لیا۔ جمدھر نے بھاگیرتی کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی لیکن بھاگیرتی نے ایک سخت دھکا دے کر اس کو بھی گرا دیا، جمدھر نے بھاگیرتی کے چہرے پر وحشت اور جنون کی علامات محسوس کیں۔ اتنی دیر میں بھوکن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بھاگیرتی نے اس کو کھڑے ہوتے دیکھا تو دوڑ کر پوری قوت سے بھوکن کو دھکا دے دیا۔ بوڑھے نے سنبھلنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ گر گیا اور لڑھکتا ہوا فصیل کے نیچے پہاڑی کھڈوں میں کہیں گم ہو گیا۔ جمدھر خوف کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ وہ چیخا۔

"بھاگیرتی! یہ تو نے کیا کر دیا؟"

بھاگیرتی کوئی جواب دینے کے بجائے فصیل کے کنارے کھڑی ہو کر نیچے کھڈوں

میں بھوکن کو تلاش کرنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ گویا اپنے آپ سے بولی۔" میں نے بدلہ لے لیا۔" اس کے بعد جمدھر سے کہا۔" جمدھر! تو میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اور میں تجھ کو پسند کرتی ہوں، اس لئے میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔" تو نے میرے مقابلے میں بھوکن جی کا ساتھ کیوں دیا؟"

جمدھر نے کہا۔" لیکن یہ تو نے کیا کر دیا بھاگیرتی؟ یہاں کی فوج تو تیرا پیچھا نہ چھوڑے گی!"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" اب میں یہاں رہوں گی کیوں؟ تو میرے ساتھ چل۔ مغلوں سے لڑنے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ آتے ہیں تو انہیں آ جانے دے، وہ بھی ہمارے ساتھ رہیں!"

جمدھر اس کی بے سر و پا باتوں سے بہت عاجز تھا، بولا۔" بھاگیرتی! تو نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ تیرے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

بھاگیرتی نے نیچے دیکھتے ہوئے پوچھا۔" جمدھر! یہ بھوکن واپس تو نہیں آ جائے گا؟ کہیں نظر نہیں آ رہا؟ یہ کہیں چھپ تو نہیں گیا؟"

جمدھر نے غصے میں جواب دیا۔" اس کی ہڈیاں تک سرمہ بن گئی ہوں گی، معلوم نہیں یہ تجھ کو ہو کیا گیا ہے جو واہی تباہی بکے جا رہی ہے مجھ کو تو تو پاگل لگ رہی ہے!"

بھاگیرتی نے جمدھر کے سیدھے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔" جمدھر! تو بھی کیسا بے حس انسان ہے۔ یہ بتا کیا تجھ کو بھوک نہیں لگتی؟ کیا تجھے پیاس نہیں لگتی؟"

جمدھر نے جواب دیا۔" مجھے بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ اور وہ کون جاندار ہے جس کو بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو!"

بھاگیرتی زور زور سے ہنسنے لگی۔" لیکن میرا خیال ہے کہ تو ہی وہ جاندار ہے جس کو نہ تو بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس۔ لیکن مجھ کو تو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ کل رات میں بھوکی تھی، میں سخت پیاسی تھی لیکن بھوکن نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھ کو کھانے پانی کے سامنے سے اٹھا لے گیا۔ میں نے بھی اس کو معاف نہیں کیا اور فصیل سے پاتال میں پھینک دیا۔"

جمدھر کا سر بھاری ہو رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی نے بھی بھوکن کو

کھنڈروں میں گرتے دیکھ لیا ہوگا تو عنقریب کسی نہ کسی شکل میں قیامت نازل ہو کر رہے گی۔ اس نے موٹی موٹی آواز میں پوچھا "اب کیا کیا جاتے کھاگیری؟"

کھاگیری نے جواب دیا "یہاں سے میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل۔ وہاں میں تجھ سے شادی کر کے لطف اور مزے کے دن گزاروں گی، مجھ کو مغلوں سے کوئی دلچسپی نہیں!"

جمدھر نے سر پکڑ لیا "یہ تو نے کیا کر دیا کھاگیری! اب میں کیا کروں؟ کہاں بھاگ جاؤں؟"

کھاگیری نے غصے میں جمدھر کو بھی شانے سے پکڑ لیا اور کئی زور دار جھٹکے دیتی ہوئی بولی "میں کہتی ہوں مجھے سمجھنے کی کوشش کر جمدھر۔ میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں، میں کھاگیری ہوں کھاگیری!"

جمدھر گھبرا گیا اور اس کو اپنا حشر بھی بھوکن جیسا ہی نظر آنے لگا۔ بولا "یہ کیا کر رہی ہے کھاگیری؟ تو یہ بات کیوں نہیں سمجھتی کہ ہمارے وطن کے دروازے پر دشمن مغل کھڑے دستک دے رہے ہیں اور اگر ہم نے ان کو طاقت اور تدبیر سے نہیں روکا تو ہمارا وطن، اور اس کی ساری چیزیں دشمنوں کے قبضے میں چلی جائیں گی اور ہم کو مغلوں کا غلام بن جانا پڑے گا۔"

کھاگیری نے جواب دیا "تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ ہمارے دشمن مغل آجائیں گے۔ وطن اور وطن کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے ہمیں غلام بنا لیں گے، لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ جب میں خود غلام بننا پسند نہ کروں تو یہ مغل یا کوئی اور ہمیں کیا غلام بنائے گا تو زیادہ باتیں نہ بنا، میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل اور میرے ساتھ مزے کی زندگی گزار۔"

جمدھر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ فی الحال کھاگیری کی ہاں میں ملا کر اس کے جنون کو رفع کرے۔ اس نے کہا "اچھا کھاگیری! اگر تیری یہی مرضی ہے ہم دونوں بھیم گڑھ واپس چلیں تو میں تیار ہوں۔"

کھاگیری کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ بولی "مان لی نہ میری بات یہ میری عادت کہ میں اپنی بات ہر ایک سے منوا لیتی ہوں اور جو میری بات نہیں مانتا وہ بھوکن کی طرح پرلوک چلا جاتا ہے!"

جمدھر کھاگیری کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر پہنچا اور بظاہر بھیم گڑھ جانے کی

تیاری کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد بھوکن کی تلاش شروع ہوگئی، اس کو ہر طرف تلاش کیا جانے لگا، بھوکن کی تلاش میں چند فوجی جمدھر کے پاس بھی پہنچے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ بھوکن کہاں مل سکتا ہے؟

جمدھر اندر سے تو بہت خوفزدہ تھا مگر چہرے سے کچھ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا۔ جواب دیا۔ "افسوس کہ آپ لوگ ایک ایسے شخص کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں جو کل تک مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ مغلوں سے جنگ کے بجائے صلح کی بات کرنا چاہیئے، وہ مغلوں کے سردار سے ملاقات کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ چنانچہ، اگر اس نے ہم میں سے کسی کو اپنے اعتماد میں لیے بغیر مغلوں کے سردار سے ملاقات کر لی ہے تو اب وہ ان کی قید میں ہوگا۔"

قلعہ دار آسامی مغلوں سے بہت زیادہ ڈرا ہوا تھا۔ اس نے بڑے بڑے دیدے نکال دیے اور حیرت سے پوچھا۔ "کیا سچ مچ بھوکن مغلوں کے سردار سے ملنا چاہتا تھا؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

قلعہ دار نے کہا۔ "میں تیری بات سے اس لئے اتفاق کروں گا کہ اس وقت میں نے مغل فوج میں بڑا حوصلہ دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے خیالوں اور منصوبوں میں ہمارے دونوں قلعوں کو سر کر لیا ہے ان کی فوج کا دو تہائی حصہ دریائے برہمپترا کو عبور کر چکا ہے اور دوسرے کنارے کے ان جنگلات کا صفایا کر رہا ہے جن میں ہمارے مفرور روپوش ہو سکتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مغلوں نے ہمارے فرار کی ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ اسی طرح مغلوں نے دریائے مناس پر بھی قبضہ جما رکھا ہے۔"

بھاگیرتی نے جمدھر کو پھر ڈانٹا۔ "جمدھر! میں نے ایک بار جو کہہ دیا کہ اب میں یہاں نہیں رکوں گی بھیم گڑھ واپس چل۔"

جمدھر نے جواب دیا۔ "بھاگیرتی! بچوں جیسی باتیں نہ کر، مغل بہت جلد یہاں آجائیں گے۔ اگر ہم نے اس وقت فرار کی کوشش کی تو مغل فوج ہمیں ہلاک کر دے گی۔"

بھوکن کی گمشدگی اور مغلوں کی قید میں چلے جانے کی افواہ پورے قلعے میں پھیل گئی، اس افواہ نے آسامیوں کے حوصلے پست کر دیے۔

جمدھر نے اپنا مختصر سامان سمیٹا۔ بھاگیرتی واپسی کے لئے تلملائی تلملائی پھر رہی تھی۔
کچھ دیر بعد قلعہ دار چند سپاہیوں کے ساتھ دوبارہ آیا اور جمدھر سے مشورۃً پوچھا۔ "جمدھر! اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"
جمدھر نے جواب دیا "مغلوں کا مقابلہ، کیونکہ ایک بہادر قوم ان حالات میں یہی کر سکتی ہے!"
قلعہ دار نے مایوسی سے کہا۔ "افسوس کہ مغلوں کے پاس گھوڑے ہیں اور ہمارے فوجی گھوڑوں سے بہت ڈرتے ہیں!"
جمدھر نے جواب دیا۔ "لیکن اس ڈر کا ہمارے پاس کوئی علاج بھی تو نہیں ہے۔ اگر آسامی بھائی مغلوں کے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں تو پھر بغیر لڑے بھڑے ہی دونوں قلعے ان کے حوالے کر دیں۔"
بھاگیرتی ان کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔
قلعہ دار نے درخواست کی۔ "جمدھر تو مغلوں کے ساتھ آدھی عمر گزار آیا ہے تو ان کے مزاج اور طریقۂ جنگ سے اچھی طرح واقف ہوگا کیا تو اپنے والوں کا سپہ سالار بننا پسند کرے گا؟"
بھاگیرتی ایک دم اکھڑ گئی، بولی۔ "اب یہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تمہارا نوکر بھی نہیں ہے۔ تمہیں تنخواہ ملتی ہے تمہی لوگ مغلوں سے جنگ بھی کرو۔ میں تو جمدھر کو اپنے ساتھ واپس لیے جا رہی ہوں، میں اس سے شادی کر کے عیش کروں گی۔ پہلے شادی بعد میں جنگ۔"
جمدھر نے قلعہ دار کو آنکھ ماری اور جواب دیا۔ "افسوس کہ میں سپہ سالار نہیں بن سکتا۔ میں تمہیں چند مفید مشورے البتہ دے سکتا ہوں۔"
بھاگیرتی نے بڑے وحشیانہ انداز میں جمدھر کو دھکا دیا۔ "نہیں، مشورہ بھی نہیں۔ اب گھر واپس چل، میں کچھ نہیں جانتی۔"
جمدھر گمر نے گمر نے سنبھل گیا، ذرا بگڑ کر بولا۔ "بھاگیرتی! اگر تو مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے تو ذرا معقولیت اختیار کر اور اپنا جنگلی پن دور کر۔ تیری سمجھ میں یہ معمولی سی بات نہیں آ رہی کہ مغل ہمیں یہاں سے نکلنے ہی کب دیں گے؟ انہوں نے واپس ہونے کی ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ اگر ہم نے انہیں دھوکہ دینا چاہا تو وہ

یا تو ہمیں قتل کر دیں گے یا پھر گرفتار کر لیں گے۔"
قلعہ دار نے بڑے دکھ سے کہا "یہ لڑکی تو بلا کی خود غرض معلوم ہوتی ہے۔ جمدھر! تو اس کو سمجھا دے ورنہ یہ راجا کے عتاب کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔"
بھاگیرتی نے بُرا سا منہ بنایا "میں بھینٹ آسانی سے نہیں چڑھوں گی، اتنا یاد رہے۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ میں یہاں تک آ کیوں گئی اور جمدھر کو شادی سے پہلے آنے ہی کیوں دیا؟"
جمدھر نے بھاگیرتی کی خوشامد کی "بھاگیرتی! تجھ کو اس کا واسطہ جسے تو سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہے، اپنی زبان بند رکھ، مغلوں نے سارے راستے بند کر رکھے ہیں، حد تو یہ ہے کہ دریاؤں کے دھانوں پر بھی اپنی فوجیں بٹھا دی ہیں، پھر ہم دونوں مجھیم گڑھ کیونکر پہنچیں گے؟"
بھاگیرتی کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، بولی "اچھا چند دنوں کے لئے اور رک جاؤں گی میں۔ بس جلدی نکلنے کی کوشش کر۔"
قلعہ دار واپس گیا۔ اس نے دریائے برہمپترا کے دو شاخہ ہو جانے والی ٹاپو جیسی زمین پر تین چار ہزار فوج اتار دی اور اس کو حکم دیا کہ مغل جیسے ہی ان سے نزدیک کسی ساحل پر نمودار ہوں، ان پر تیروں، گولیوں اور توپوں کے گولوں کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی سو کشتیاں اور لواڑے دریائے مناس کی طرف بڑھے تاکہ دریا کی سطح پر سے ساحلی جنگلوں کا صفایا کرنے والے مغلوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ جمدھر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ آغر خان ہراول دستے میں آگے آگے ہو گا اس لئے ٹاپو کی جنگ آغر خان کے دستے سے ہو گی کیونکہ مغل فوجیں ٹاپو کو پوری طرح اپنے قابو میں لینے کے لئے بےچین نظر آ رہی تھیں۔
جمدھر بھاگیرتی کو ساتھ لے کر اس ٹاپو پر پہنچ گیا، آسامیوں نے ٹاپو پر آنے والے مغلوں پر حملہ کر دیا۔ مغلوں نے بھی جارحانہ کارروائی شروع کر دی، آسامی بڑی دلیری اور تیزی سے تیروں کی بارش کر رہے تھے ان تیروں کے پھل زہر میں بجھے ہوتے تھے اور یہ جس کسی کے بھی لگتے تھے زخمی حصے کو متورم کر دیتے تھے۔ ان کا زہر پورے جسم میں پھیل جاتا تھا اور زخمی چند گھنٹوں میں مر جاتا تھا۔
جمدھر نے سورج کی روشنی میں دور ہی سے آغر خان کو پہچان لیا، وہ ایک گھوڑے پر سوار ہر طرف بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ اس نے اپنے گھڑ سواروں کو جمع کر حکم دیا۔

"بہادرو! آسامیوں کے تیروں کی پرواہ کئے بغیر اپنے گھوڑوں سے انہیں کچل کر رکھ دو۔ کیونکہ یہ بزدل ہمارے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں!"

آسامیوں نے بڑی بہادری دکھائی اور کچھ دیر کے لیئے یوں محسوس ہوا گویا وہ گھوڑوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتے، مغلوں کے گھوڑے آسامیوں کی طرف سرپٹ دوڑے اور آسامیوں نے کسی خوف یا جھجک کا اظہار کیے بغیر ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی، ان میں آغر خان سب سے آگے تھا۔ جمدھر بھاگیرتی کو ساتھ لے کر ایک چھوٹی سی چٹان کے پیچھے چلا گیا اور وہاں سے جھانک جھانک کر لڑائی کا نظارہ کرنے لگا۔ بھاگیرتی مغلوں کے گھوڑوں سے سہمی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا "جمدھر! کیا مغل اگر چاہیں تو اپنے گھوڑوں ہی سے ہماری فوج کو کچل سکتے ہیں؟"

جمدھر نے جواب دیا "ہاں بھاگیرتی وہ ہمیں کچل بھی سکتے ہیں اور اپنے ہتھیاروں سے ہمیں قتل بھی کر سکتے ہیں!"

بھاگیرتی نے حیرت سے سوال دوسرا کیا "یہ مغل میدان جنگ میں اپنے گھوڑوں سے گرتے کیوں نہیں؟"

جمدھر نے جواب دیا "بھاگیرتی! یہ بڑے باکمال اور بہادر ہوتے ہیں اور انہیں بچپن ہی سے گھڑسواری کی عادت ڈال دی جاتی ہے!"

اس وقت دریائی جنگ کا آغاز ہو گیا اور دونوں طرف سے توپیں سر ہونے لگیں، بانوں کی بارش ہونے لگی، دریا کی سطح ان کے دھوئیں میں چھپ گئی۔ آسامی بھی اپنے نواڑوں اور کشتیوں سے مغلوں پر بانوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور مغلوں نے بھی جوابی کارروائی میں بھی آتشیں آلات استعمال کیے تھے۔

دریائی جنگ نے بھاگیرتی کو اور زیادہ سہما دیا وہ جمدھر کی آغوش میں سمٹنے لگی، بولی "جمدھر! اب کیا ہو گا؟ کیا ہم دونوں شادی کے لئے زندہ بچ سکیں گے؟"

جمدھر نے ہنس کر جواب دیا "جیسا کہ تو خود بھی جانتی ہے کہ زندگی اور موت داتا کے ہاتھ ہے، لیکن میں یہاں سے نکلنے کی کوشش ضرور کروں گا تا کہ تجھ سے شادی کر سکوں!"

بھاگیرتی خوش ہو گئی۔ اتنے میں ایک گھڑسوار، گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا دونوں کی طرف آ گیا اور انہیں سرسری نظر سے دیکھتے ہی ان پر حملہ کر دینا چاہا

لیکن جمدھر نے آغرخان کو پہچان لیا، بے اختیار بولا "سردار آغرخان! یہ میں ہوں غوث الاسلام، کیا بات ہے، جنگ کا پلڑا کس کی طرف جھک رہا ہے؟"

آغرخان نے پہلے تو غوث الاسلام کو دیکھا، اس کے بعد بھاگیرتی کی طرف نظر ڈالی، پوچھا "غوث! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

غوث نے جواب دیا "سردار آغرخان! اس سوال کا جواب بعد میں دیا جا سکتا ہے، یہ میرے ماما کی بیٹی بھاگیرتی ہے!"

آغرخان نے جلدی سے کہا "غوث الاسلام! تیری اطلاعات کا شکریہ۔ میرا ہراول دستہ آسامیوں میں گھر گیا ہے۔ اس لئے میں کسی پناہ گاہ یا سہارے کی تلاش میں ہوں، یہ چٹان بڑی اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنے دستے کو یہیں لے آتا ہوں۔ تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

آغرخان جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔ ان دونوں کی بات چیت فارسی میں ہوئی تھی، اس لئے بھاگیرتی کچھ بھی نہ سمجھ سکی، وہ حیرت سے کبھی جمدھر کا منہ تکنے لگتی، کبھی آغرخان کو دیکھنے لگتی۔ جب آغرخان چلا گیا تو اس نے جمدھر سے پوچھا "یہ کون تھا جمدھر اور تجھ سے کیا کہہ رہا تھا؟"

جمدھر نے جواب دیا "بھاگیرتی! افسوس کہ میں جس بات سے ڈر رہا تھا، وہ ہو کر رہی۔ یہ مغلوں کے اس دستے کا سردار تھا جو ہمیشہ سب سے آگے چلتا ہے اس سردار کا نام آغرخان ہے اور مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

بھاگیرتی بہت بے چین تھی، پوچھا "پھر یہ کہتا کیا تھا؟"

جمدھر نے جواب دیا "اس نے مجھ کو پہچانتے ہی حکم دیا کہ میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کروں ورنہ قتل کر دیا جاؤں گا۔ وہ سردار اپنی فوج کو بلانے چلا گیا ہے۔"

بھاگیرتی اور زیادہ سہم گئی، پوچھا "پھر اب کیا ہوگا؟"

جمدھر نے جواب دیا "اب کیا ہوگا! ہم دونوں ان کے قیدی بن چکے ہیں اور نہیں کہ اب کیا ہوگا؟"

بھاگیرتی کی وحشت عود کر آئی، بولی "جمدھر! تو نے بڑی غلطی کی۔ وہ یہاں اکیلا آیا تھا اور ہم دو تھے، اگر تو ہمت کر جاتا اور اس پر حملہ کر دیتا تو میں بھی تیرا ساتھ دیتی اور مغل سردار بڑی آسانی سے قتل کر دیا جاتا۔"

جمدھر ہنس دیا "بھاگیرتی! تو اس سردار کو کوئی معمولی آدمی سمجھ رہی ہے! اس کا نام آغرخان ہے اور یہ تنہا سو پچاس پر بھاری ہے!"

بھاگیرتی نے منہ بنا کر کہا "ہوا کرے سو پچاس پر بھاری، لیکن میں اس کی قید میں جانا پسند نہیں کروں گی!"

جمدھر نے اس کو سمجھایا "بھاگیرتی! ہر جگہ غصّے اور جوش سے کام نہیں چلتا تو پریشان نہ ہو، میں کوشش کروں گا کہ یہ لوگ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں، آگے نارائن بہتر جانتا ہے!"

تھوڑی دیر بعد آغرخان اپنے دستے کے ساتھ پہاڑی چٹان کے پیچھے آن دھمکا۔ وہ آتے ہی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور سامنے موجود گھاس پر لیٹ گیا، پھر جمدھر کو آواز دی "غوث الاسلام! ادھر میرے پاس آ اور میرے سیدھے پاؤں سے تیر نکال!"

غوث الاسلام دوڑ کر آغرخان کے پاس پہنچ گیا اور تیر کھینچ کر نکال لیا، خون کا فوارہ چھوٹا تو اس سے غوث کے کپڑے بھی رنگین ہو گئے۔

غوث الاسلام نے آغرخان سے کہا "سردار! یہ تیر زہریلا تھا، آپ کا زخمی پاؤں سوج رہا ہے، اس کا فوراً علاج ہونا چاہیئے ورنہ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی!"

آغرخان نے جواب دیا "اس کا علاج! اس کا کیا علاج کیا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ جب تک ہمیں فتح حاصل نہ ہو جائے، میں اس کا علاج نہیں کرا سکتا!"

بھاگیرتی نے پوچھا "جمدھر! مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا "بھاگیرتی! میں نے سردار کے پاؤں سے تیر جو نکالا ہے یہ اس کا شکریہ ادا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس احسان کے صلے میں تم دونوں کی جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں!"

بھاگیرتی کی جان میں جان آئی، بولی "اگر مغل سردار ہم دونوں پر مہربان ہے تو میں اس کے زخمی پاؤں کا علاج کر سکتی ہوں!"

جمدھر نے مضطربانہ جواب دیا "اگر اس کا علاج ممکن ہے تو فوراً بتا اور جلد از جلد علاج کر دے، کیونکہ یہ شریف مغل سردار اس احسان کے عوض ہمیں گھر چلے جانے کی اجازت بھی دے سکتا ہے!"

جہانگیر نی نے اپنا سامان ٹٹولنا شروع کر دیا۔

آغز خان نے پوچھا "یہ وہی لڑکی ہے نا، جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا؟"

عزت الاسلام نے جواب دیا "ہاں سردار یہ وہی لڑکی ہے۔ کہتی ہے کہ میں سردار کے زخم کا علاج جانتی ہوں اور اس کو اچھا کر دوں گی اور اس علاج کے معاوضے میں یہ مجھے گھر لے جا کر شادی کرنا چاہتی ہے۔"

آغز خان مسکرانا نہیں جانتا تھا لیکن اس وقت وہ بھی مسکرا دیا۔ عزت الاسلام سے نظریں ملاتے بغیر پوچھا "کیا تو خود بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

عزت الاسلام نے جواب دیا "سردار! آپ کو معلوم ہے کہ میری بیوی جہانگیر نگر میں موجود ہے اور اس سے ایک بچی بھی ہے۔ پھر میں اس سے کس طرح شادی کر سکتا ہوں!"

آغز خان نے کہا "کیوں؟ کیا اسلام دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتا؟"

عزت الاسلام نے جواب دیا "اسلام دوسری شادی کی اجازت تو دیتا ہے لیکن کسی مشرک سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔"

آغز خان نے کہا "مشرف بہ اسلام کر لینا۔"

عزت نے مایوسی سے کہا "مغل سردار!"

آغز خان نے فوراً بات کاٹ دی "عزت الاسلام! میں مغلوں کی فوج کا سردار تو ہوں لیکن میں خود مغل نہیں ہوں، میں پٹھان ہوں، میرا نام پیر محمد ہے اور آغز میرے جد اعلیٰ کا نام تھا، میرا جد اعلیٰ آغز آدم ثانی حضرت نوح؈ کے بیٹے یافث کی نسل سے تھا، اس لیے مجھ کو مغل سردار کہہ کر میری اہانت نہ کر۔"

عزت الاسلام نے معذرت کی "آئندہ میں آپ کو مغل سردار نہیں کہوں گا۔"

آغز خان نے کہا "ہاں تو، تو اس لڑکی کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا!"

عزت الاسلام نے جواب دیا "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہ سرکش اور ضدی لڑکی مسلمان ہونا پسند نہیں کرے گی اور اگر کسی طرح اس کو یہ بات معلوم ہو گئی میں مسلمان ہو چکا ہوں اور ایک بیوی اور بچی بھی رکھتا ہوں تو یہ جنون اور غصے میں مجھے قتل بھی کر سکتی ہے۔ میں تو اس کی وحشت اور عاجلانہ اقدام سے ڈرنے لگا ہوں۔"

اتنے میں بھاگیرتی مرہم کی طرح کوئی دوا لے کر آگئی اور جدھر سے کہا "جدھر! تو اس سردار سے کہہ کہ یہ اس دوا کو زخم پر اچھی طرح ملے یہاں تک کہ اس کا اثر زخم کے اندر سرایت کر جائے، دو دن میں یہ زخم بالکل بھر جائے گا۔"

غوث الاسلام نے اس دوا کی مالش شروع کر دی، اب جنگ میں بہت زیادہ شدت پیدا ہو چکی تھی اور آسامی آغر خان اور اس کے دستے کو تلاش کرتے ہوتے یہاں تک آگئے اور ان پر تیروں کی یورش کر دی۔ آغر خان نے نہایت جوش میں اعلان کیا "بہادر ساتھیو! تم سب اپنے اپنے گھوڑوں کو ان آسامیوں پر چھوڑ دو، یہ اسی وقت بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

بھاگیرتی نے پوچھا "جدھر! اب ہم دونوں کب تک واپس جائیں گے؟"

جدھر نے جواب دیا "بھاگیرتی! ذرا صبر سے کام لے، ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

اب آغر خان دوبارہ رزم گاہ میں اتر چکا تھا اور اس کی بہادری سے اپنے پرائے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ چند گھنٹوں کے اندر ہی آسامیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مغل قضائے مبرم کی طرح ان کی قوم کے خلاف صف آراء ہیں، انہوں نے جنگ کو جاری رکھنے کے لئے کئی ترکیبیں کیں، لیکن ہر ترکیب الٹ گئی اور انہوں نے اپنی اپنی جان بچانے ہی میں عافیت محسوس کی آسامی فوج بڑی تعداد میں ہتھیار ڈال رہی تھی، یا قتل ہو رہی تھی۔

* * *

خشکی اور دریائی محاذوں پر جنگ بند کرنے میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ اس جنگ میں دونوں طرف کے آدمیوں کی خاصی بڑی تعداد قتل یا زخمی کر دی گئی۔ بہت سے آسامی گرفتار بھی ہوتے۔ اس جنگ میں ایک سو اٹھتانیس کشتیاں، چھوٹی بڑی چونسٹھ توپیں اور بے شمار بندوقیں مع بارود اور دیگر سامان مغلوں کے ہاتھ آیا۔ دونوں قلعوں پر مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

میر جملہ خانخاناں غوث کا شکر گزار تھا کہ اگر اس کی رہنمائی شامل حال نہ ہوتی تو یہ معرکہ اتنی آسانی سے سر نہ ہو سکتا۔

بھاگیرتی حیران تھی کہ دونوں قلعوں پر مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور آسامیوں

کو قید کیا جا چکا تھا، لیکن وہ خود اور جمدھر آزاد تھے انہیں گرفتار نہیں کیا گیا تھا بھاگیرتی کو ایک خیمے میں چھوڑ کر غوث آغر خان کے پاس چلا گیا تھا اور اگلی مہم کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ یہاں میر جملہ بھی موجود تھا۔ میر جملہ نے پوچھا: "اب ہمیں اپنا سفر کس طرف جاری رکھنا ہے اور بھیم گڑھ پہنچتے پہنچتے ہمیں کتنے قلعوں کو سر کرنا ہوگا؟"

غوث نے جواب دیا: "آگے دو قلعے اور ملیں گے اور دونوں قلعے گوہاٹی کے قریب واقع ہیں۔ میں آپ لوگوں کو وہاں تک لے چلوں گا اور اللہ نے چاہا تو اگلے دونوں قلعے بھی اسی طرح آسانی سے فتح ہو جائیں گے۔"

بھاگیرتی نے کچھ دیر تو جمدھر کا انتظار کیا لیکن جب وہ واپس نہ آیا تو وہ اپنے خیمے سے باہر نکلی، اس کا لباس اور وضع قطع دیکھنے والوں کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ننھی مغل سپاہی اس کے لباس، چہرے کی ملاحت اور کانوں کے بڑے بڑے بالوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ دو تین سپاہیوں نے کچھ دور تک بھاگیرتی کا پیچھا کیا لیکن جب بھاگیرتی نے آنکھیں دکھائیں تو وہ باز آ گئے۔ بھاگیرتی کے سلسلے میں مغلوں میں ایک افواہ گشت کرنے لگی "لڑکی جادوگر ہے اور کسی بھی دن مغل سرداروں کو جادو سے بے ہوش کر کے فرار ہو جائے گی۔"

بھاگیرتی جمدھر کو تلاش کرتی ہوئی آغر خان کے خیمے تک پہنچ گئی اس نے خیمے میں جھانک کر دیکھا، وہاں میر جملہ، آغر خان، دلیر خان اور افسر توپ خانہ میر مرتضیٰ سر جوڑے کسی قسم کے مشوروں میں مشغول تھے، بھاگیرتی نے ان سبھوں کے درمیان جمدھر کو دیکھا جو ان سب سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔

آغر خان شکایت کر رہا تھا: "جناب والا! میں خانخاناں سے یہ شکایت کروں گا کہ میری بہادری اور جاں نثاری سب کے سامنے ہے۔ مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے سراہا نہیں جا رہا۔ میں اپنے افسروں کے مقابلے میں کوئی معمولی آدمی معلوم ہوتا ہوں، یہ میری بدقسمتی کہ میں ہمیشہ جنگ کی ابتدا میں ہراول دستے کا سردار بنا رہا اور چند اول پر دوسروں کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔"

میر جملہ نے جواب دیا: "آغر خان اپنے دل سے غلط فہمی نکال دے، تو ہم سب کی نظر میں ایک بے مثل بہادر سردار ہے اور ہم سب تجھ کو شاباش دیں یا نہ دیں لیکن دلوں میں تیرے لیے تحسینی جذبات ضرور ہوں گے۔"

آغرخان نے غوث الاسلام کی طرف اشارہ کیا۔" اور یہی سلوک اس نومسلم کلتانی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ یہ شخص کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ بھیم گڑھ تک ہمیں یہی پہنچائے گا۔ لیکن ہم نے اس کے ساتھ وہ رویہ اختیار کر رکھا ہے گویا اس نے جو کچھ کیا وہ تو کرنا ہی چاہیئے۔"

میر جملہ نے ترش جواب دیا۔" آغرخان تیری روش طفلانہ سرکشی کی ہے میں نے غوث الاسلام کا شکریہ بار بار ادا کیا ہے۔"

اتنے میں بھاگیرتی بھی اندر داخل ہو گئی۔ وہ سوالیہ نظروں سے ہر شخص کو دیکھ رہی تھی۔ غوث الاسلام نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور بھاگیرتی کو بازوؤں سے پکڑ لیا "یہ تو تم کہاں آگئی بھاگیرتی؟ تو قیدی ہے اور مغل تجھے آزاد دیکھ کر قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

بھاگیرتی نے پورے ماحول کا سرسری نظروں سے جائزہ لیا۔ بولی" مجھے یہاں نہ تو تو قیدی نظر آتا ہے اور نہ میں قیدی ہوں۔ میں سب کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

آغرخان نے پوچھا۔" یہ لڑکی کیا پوچھ رہی ہے؟"

غوث نے اپنی اور بھاگیرتی کی گفتگو دہرا دی۔ میر جملہ نے کہا۔" غوث الاسلام لڑکی کو بہلاوے میں رکھا جائے ورنہ نقصان کا احتمال رہے گا۔"

بھاگیرتی نے سختی سے پوچھا۔" جمدھر! یہ معاملہ کیا ہے؟ سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری جان لے لوں گی۔"

غوث نے جواب دیا۔" بھاگیرتی! بات دراصل یہ ہے کہ تونے مغل سردار کے زخمی پاؤں کا علاج کر کے اس کا دل جیت لیا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی محسن لڑکی کو قید میں نہیں رکھ سکتا۔"

بھاگیرتی خوشی سے آغرخان کو دیکھنے لگی، پھر غوث سے پوچھا۔" اور جمدھر! تجھ کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے؟"

غوث نے جواب دیا۔" بھاگیرتی! بدقسمتی سے میں مغلوں کا بھگوڑا سپاہی ہوں اور دوبارہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہوں۔ اب یہ لوگ مجھ کو یہ لالچ دے رہے ہیں کہ اگر میں ان کو بھیم گڑھ تک پہنچا دوں تو یہ لوگ مجھ کو آزاد کر دیں گے اور میں بھیم گڑھ پہنچ کر تجھ سے شادی کر سکوں گا۔"

بھاگیرتی نے پوچھا۔" پھر تو نے کیا جواب دیا۔"

غوث نے جواب دیا "میں نے کہہ دیا کہ ان کی پیش کش کا سوچ سمجھ کر جواب دوں گا۔"

بھاگیرتی نے مشورہ دیا "میرا خیال ہے کہ تجھ کو ان کی پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

غوث نے جواب دیا "شاید میں خود بھی اسی نتیجہ پر پہنچ جاؤں۔"

آغرخان نے غوث سے پوچھا "اب یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟"

غوث نے ساری باتیں بتا دیں۔ آغرخان نے کہا "غوث! میں تیری زبان نہیں جانتا لیکن اس لڑکی کے چہرے پر اس وقت جو تاثرات پائے جا رہے ہیں وہ غیر معمولی ہیں اور تجھ کو اس کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر تو نے لڑکی کو بتا دیا کہ تو مغلوں کی رہنمائی کرے گا اور انہیں بھیم گڑھ تک پہنچائے گا تو یہ لڑکی تیری دشمن ہو جائے گی کیونکہ یہ تجھے غدار سمجھنے لگے گی۔"

بھاگیرتی نے آغرخان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جمادھر! مغلوں کا یہ سردار بہادر لگتا ہے۔ مجھ کو یہ اچھا لگتا ہے۔"

غوث نے مسکرا کر آغرخان سے کہا "سردار! ایک خوش خبری! اس لڑکی نے آپ کو پسند کر لیا ہے۔ کہتی ہے کہ سردار مجھ کو اچھا اور بہادر لگتا ہے۔"

میر جملہ نے بیزاری سے کہا "مجلس برخاست، ہمیں فضول باتوں میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیئے۔"

وہ یہ کہہ کر خیمہ سے نکل گیا۔ آغرخان نے غوث سے کہا "میر جملہ زاہد خشک ہے اس کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کروں گا۔ اس کو میرے خیمے میں لے چل۔"

کچھ دیر بعد آغرخان غوث اور بھاگیرتی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

اس خیمے میں آلات حرب و ضرب بڑے قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں کپڑے کی دیوار کے سہارے سپر رکھی ہوئی تھی۔

آغرخان بھاگیرتی کو بڑی آزاد اور حریصانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بھاگیرتی بھی اس کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔

آغرخان نے کہا "غوث! بخدا اگر تیری جگہ میں ہوتا تو اس سے شادی ضرور کر لیتا۔"

عزت شرما گیا اور عزت کو بھی چوٹ لگی۔ بولا "سردار! یہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی ہے۔ ہم سب کی عزت و آبرو۔"

آغر خان نے کہا "میں تیری عزت و آبرو پر کوئی حملہ تو نہیں کر رہا۔"

بھاگیرتی نے پوچھا "جدھر! یہ مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟"

عزت نے جواب دیا "یہ کہہ رہا ہے کہ بھاگیرتی کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں ہونا چاہیئے۔"

بھاگیرتی مارے خوشی کے پاگل ہوتے جا رہی تھی۔ "جدھر! اس نوجوان سے کہہ دے کہ میں بھی اس کو کبھی نہ بھلاؤں گی۔"

آغر خان نے عزت سے کہا "عزت! میری بات مان لے اور وہی کر جس کا یہ لڑکی حکم دے۔"

عزت نے جواب دیا "سردار! بھاگیرتی تو شادی کی بات کر رہی ہے لیکن میں اس کو ناراض بھی کس طرح شادی کر سکتا ہوں۔"

آغر خان نے عزت کو حکم دیا "عزت! مجھے بھوک لگ رہی ہے تو باہر جا اور میرے ذاتی خدمت گار سے کہہ کہ وہ تین آدمیوں کا کھانا لے آئے، پھر ہم تینوں ایک ساتھ کھائیں گے۔"

عزت باہر چلا گیا، اس کے پیچھے بھاگیرتی بھی چلی لیکن آغر خان نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو روک دیا۔ آغر خان مسکرا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بھاگیرتی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بھاگیرتی بھی اس کو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

آغر خان نے بھاگیرتی کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے لباس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اشارے سے مطلب ادا کیا کہ یہ اپنا لباس اتار کر ہمارا لباس پہن۔

بھاگیرتی نے پلکیں جھپکائے بغیر آغر خان کا اشارہ سمجھنے کی کوشش کی اور پھر دونوں ہاتھوں کو نفی میں حرکت دی اور انکار کر دیا کہ میں اپنا لباس نہیں چھوڑ سکتی۔ یہی ٹھیک ہے۔

آغر خان نے اشاروں میں پوچھا "تو ہمارے ساتھ رہے گی؟"

بھاگیرتی نے نفی میں گردن ہلائی "نہیں۔"

دونوں کو سوال و جواب میں بڑی زحمت پیش آ رہی تھی، اچانک بھاگیرتی نے

سامنے والے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوتے دونوں ہاتھوں اور سر کو نفی میں حرکت دی اور فوراً ہی پیچھے کی طرف دھکا دینے کے انداز میں دونوں ہاتھ ہلائے۔ آغرخان اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ بھاگیرتی نے جب یہ سمجھ لیا کہ مغل سردار اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا ہے تو وہ اشاروں کنایوں میں بندوقیں چلانے لگی اور ہتھیاروں سے جنگ کرنے کی نقل کی، اس کے بعد زخمی ہونے اور مرنے والوں کی نقلیں کر کے رونے لگی۔

اتنے میں عزت بھی واپس آ گیا اس نے بھاگیرتی کو اشارے کرتے دیکھا تو ہنسی آگئی۔ آغرخان نے کہا۔" عزت! بھاگیرتی سے پوچھ تو سہی کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔"

عزت نے پوچھا۔" بھاگیرتی: تو مغل سردار سے کیا کہہ رہی تھی؟"

بھاگیرتی نے سامنے کے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔" جدھر! بس اس سے کہہ رہی تھی کہ ان پہاڑوں کے اس پار مت جا، بلکہ جس طرف سے آیا ہے اس طرف واپس چلا جا۔ بندوقوں اور ہتھیاروں سے لوگوں کو زخمی کرنے یا مارنے سے تجھے کیا مل جائے گا، بلکہ دونوں طرف رونے والوں کی بہت بڑی تعداد چھوڑ جائے گا۔"

جب عزت نے بھاگیرتی کا جواب آغرخان کے گوش گزار کیا تو وہ متاثر ہوا اور عزت سے کہا۔" اس لڑکی سے کہہ دے کہ ہم جنگجوئی اور سرفروشی ہمارا آبائی کام ہے۔ ہم اس سے کس طرح دستبردار ہو سکتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ آغرخان نے عزت سے کہا۔" لڑکی سے کہہ، کہ ہاتھ دھو کر کھانے میں شریک ہو جائے۔"

عزت کے کہنے پر بھاگیرتی نے ہاتھ دھوئے اور کھانے میں شریک ہو گئی لیکن ابھی اس نے پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ تھوک دیا اور امتلائی کیفیت میں منہ بنائی اور تھو تھو کرتی ہوئی خیمے سے نکل گئی۔

آغرخان نے عزت سے کہا۔" ذرا دیکھنا تو اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے؟"

عزت بھاگیرتی کے پیچھے خیمے سے باہر نکل گیا۔

آغرخان کو کھانے میں شبہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نوالہ کھایا اور اس کو دیر تک چباتا رہا اور اس کے مزے میں اپنے شبہ کے سچ اور جھوٹ کا پتہ چلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن مزے میں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

عزت بھاگیرتی کو لے کر دوبارہ خیمے میں آیا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ آغر خان نے پوچھا۔
"لڑکی کو ہوا کیا گیا تھا؟"

عزت نے جواب دیا "سردار! یہ لوگ یعنی آسامی اور کلتانی گھی بالکل نہیں کھاتے یہ لوگ گھی سے پرہیز ہی نہیں کرتے بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ گھن کی حد تک نفرت کرتے ہیں اگر ان کے کھانے میں گھی شامل ہو جاتے تو انہیں متلی ہونے لگتی ہے۔"

آغر خان نے معذرت کی اور بھاگیرتی کے لئے بغیر گھی کا کھانا منگوایا۔

اس دن آغر خان نے عزت کے ذریعے بھاگیرتی سے بہت باتیں کیں اور آخر میں عزت سے کہا "اگر میرا بس چلے تو میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ دہلی لے جاؤں۔ لیکن افسوس کہ یہ تیرے ماموں کی بیٹی ہے۔"

عزت کو آغر خان کی بات اچھی نہ لگی۔ بولا "سردار! یہ پہاڑی پھول ہے، شمالی ہند کے میدانوں کی آب و ہوا میں یہ مرجھا جائے گا۔ یہ وہاں اپنی مرضی سے نہیں جائے گا۔"

آغر خان نے جواب دیا "عزت تو خواہ مخواہ اس لڑکی کی وکالت نہ کر۔ کیونکہ یہ لڑکی تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر تو اس سے شادی کرے گا تو پھر بتا کیا تو اس کو آسام سے دور نہیں لے جائے گا؟"

عزت لاجواب ہو کر چپ ہو رہا۔ بھاگیرتی کی سمجھ میں جب ان دونوں کی باتیں نہ آئیں تو بہت زیادہ مضطرب اور بے چین ہو جاتی اور غصے میں ہاتھ پاؤں پٹکنے لگتی۔

★ ★ ★

میر جملہ اور آغر خان عزت الاسلام کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ جنگلات کی صفائی کرنے والا دستہ فوج کے آگے درختوں کو کاٹتا اور دلدلوں اور ندی نالوں پر بڑے بڑے تنوں کو بچھاتا جا رہا تھا۔ اور ان کے پیچھے مغل فوج چل رہی تھی۔ جنگلی درندے انسانوں کے ہجوم کو دیکھ کر ادھر ادھر خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ میر مرتضیٰ توپ خانے کا امیر، مغل فوج کے ساتھ ساتھ کشتیوں اور نواڑوں کا بیڑہ لیے دریا میں سفر کر رہا تھا۔ اس بیڑے میں فوجی بھی تھے اور جنگی ساز و سامان بھی۔ مغلوں کا اگلا سفر گوہاٹی تھا جو جوگی گپھا سے اسی میل دور تھا۔ آغر خان خشکی پر، دریا کے کنارے کنارے ہراول دستہ لیے نہایت احتیاط سے سفر کر رہا تھا۔

ابھی انہوں نے نصف راستہ طے کیا تھا اور فوج آرام کی خاطر خیمہ اندوز ہو گئی تھی۔ میر جملہ اگلی مہمات کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ کیونکہ مغل افواج جہانگیر نگر سے بہت دور آ چکی تھیں اور ان کوہستانی سلسلوں میں ہر کوئی غیر تھا۔ ان کی زبان، رہن سہن، مذہب غرضیکہ ہر چیز غیر تھی۔ اور ان پر کسی قسم کا بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آغر خان کے ساتھ میں غوث الاسلام اور بھاگیرتی تھے۔ آغر خان ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہتا۔ وہ شب خون مارنے والوں سے بہت زیادہ ہوشیار رہتا۔ اندھیری راتوں کو مشعلوں اور مہتابیوں سے علاقہ دن کی طرح روشن کر دیا جاتا تھا مقامات کو باری باری پہرہ دیا جاتا لیکن آغر خان نے اپنے آدمیوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ سب دشمنوں کے شب خون سے ہوشیار رہیں۔ لیکن خود آغر خان اپنے آدمیوں سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چوکنا رہتا۔ وہ نصف شب کے بعد زیادہ مستعد ہو جاتا۔

جنگل کے کنارے آگ جلا دی گئی تھی تاکہ درندے خیموں کی طرف آنے کی ہمت نہ کریں۔

رات کے پچھلے پہر آغر خان نے مغربی حصے میں کچھ آہٹیں محسوس کیں۔ درختوں کو ادھر ادھر ہٹانے سے جو آہٹیں اور سرسراہٹیں سنائی دیتی ہیں وہ سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ آوازیں کہیں دور سے آ رہی تھیں۔ آغر خان چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہوشیار کیا اور انہیں شب خون کے خطرے کا احساس دلایا۔ آغر خان نے خیموں کو خالی کر دیا اور اپنے آدمیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر شمالی اور جنوب کے جنگلوں میں چھپا دیا۔ اور آغر خان خود پچاس آدمیوں کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے خیموں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آگ کی روشنی میں آہٹوں والا جنگل کا حصہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

غوث، بھاگیرتی آغر خان کے ساتھ تھے۔ بھاگیرتی نے غوث سے پوچھا۔ "جمہور! میں ایک بات برابر محسوس کر رہی ہوں۔ ہم دونوں مغلوں کے قیدی ہیں لیکن میں اب یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تو ان کو مشورے بھی دے رہا ہے اور ان کی عملی مدد بھی کر رہا ہے آخر یہ کیوں؟"

غوث نے جواب دیا۔ "بھاگیرتی! یہ وقت وقت کی بات ہے۔ میں مغلوں کی حمایت اور تائید پر مجبور ہوں۔ ہم دونوں کو بھیم گڑھ پہنچ کر شادی کرنا ہے۔ اگر میں مغلوں کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤں اور خوشامد نہ کروں تو یہ لوگ مجھ کو تو قتل کر دیں گے اور تجھ کو اپنی کنیز بنا کر دہلی لے جائیں گے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر مجبور ہوں۔"

بھاگیرتی نے کہا۔" ہم دونوں چاہیں تو جلدی سے فرار ہو سکتے ہیں۔"
عزت نے جواب دیا۔" بیشک ہم دونوں بھاگ سکتے ہیں لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ ابھی بھاگیں گے تو پکڑے جائیں گے۔"
بھاگیرتی نے پوچھا۔" یہ اس وقت مغل ادھر ادھر بھاگے کیوں پھر رہے ہیں؟"
عزت نے جواب دیا۔" انہیں شبہ ہے کہ آسامی سوتے میں حملہ آور ہونے والے ہیں اس لئے مغل ان کو دھوکے سے مارنا چاہتے ہیں۔"
بھاگیرتی نے برا سا منہ بنایا۔" یہ ایسا وقت ہے کہ ہم دونوں مغلوں سے اپنے بھائیوں کو بچائیں۔"
آغر خان ان دونوں کے پاس سے گزرا اور انہیں باتیں کرتا دیکھ کر کچھ کھٹک گیا۔ عزت سے کہا۔" عزت! مجھ کو تجھ پر اعتبار ہے۔ لیکن لڑکی کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔ اس وحشی لڑکی سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"
عزت نے جواب دیا۔" سردار کا خیال درست ہے۔"
ٹھیک اسی وقت مغربی جنگل سے آدمیوں کا ایک غول نمودار ہوا۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ چوروں کی طرح خیموں کی طرف بڑھے اور آتش قطار سے جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر خیموں کی طرف پھینکیں۔ آغر خان نے اپنے ساتھیوں کو ادھر ادھر بھاگنے کا حکم دیا۔ کچھ نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔ آسامی یہ سمجھے کہ مغل ان سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے ہیں آسامیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ بھاگنے مغلوں کا پیچھا کرنے لگے۔ جن خیموں پر جلتی ہوئی لکڑیاں پھینکی گئی تھیں۔ وہ جلنے لگے۔
آسامیوں کی تعداد بمشکل پانچ چھ سو رہی ہو گی۔ بھاگتے بھاگتے آغر خان اپنے پچیس تیس ساتھیوں کو لے کر پھرتی سے آسامیوں کی طرف مڑا آسامیوں کو یہ توقع نہ تھی وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ آغر خان نے آسامیوں میں گھس کر ان کا قتل عام شروع کر دیا ابھی یہ معرکہ جاری ہی تھا کہ شمال اور جنوب میں روپوش مغل فوج اندر ہی اندر چل کر آسامیوں کے عقب میں پہنچ گئی اور ان پر حملہ کر دیا۔ آسامی اس حملے کے لئے تیار نہ تھے وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ آغر خان چیخا۔" خبردار جو ان کو بھاگنے دیا گیا۔"
آسامی بری طرح گھیر چکے تھے آغر خان نے ذرا سی دیر میں ان کا صفایا کر دیا اور پچاس ساٹھ کو گرفتار بھی کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی آغر خان نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔

جس پر فوراً عمل ہوا اور آگ پر قابو پا لیا گیا۔
ابھی آغر خان اور اس کے آدمیوں نے اطمینان کی سانس بھی نہیں لی تھی کہ کہ معلوم نہیں کس طرف سے دو بپھرے ہوئے ہاتھی نمودار ہوتے اور خیموں کو روندنا اور الٹنا شروع کر دیا۔ فوری طور پر مغلوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا اور وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ دوسرا شب خون مارا گیا ہے لیکن آغر خان نے دونوں ہاتھیوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو خبردار کیا۔ "ساتھیو! گھبرانا مت۔ یہ دو ہاتھی ہیں جو کسی سازش کے تحت ہماری طرف بھیج دیئے گئے ہیں۔ گرفتار آسامیوں کو بھاگنے نہ دینا۔ اور کچھ سپاہی آگے بڑھیں اور دونوں ہاتھیوں کا کام تمام کر دیں۔"
بھاگیرتی نے عزت سے کہا۔ وہ آسامیوں کے قتل اور گرفتاری کا مجھے بڑا دکھ ہے۔ اب یہ نئی گڑبڑ کیسی؟"
عزت نے بتلایا۔ "دو جنگلی ہاتھی معلوم نہیں کیسے آگئے ہیں اور اب تباہ کاری مچا رہے ہیں۔"
بھاگیرتی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نارائن جی! ان ہاتھیوں سے مغلوں کو برباد کرا دو تاکہ میرا وطن ان کی بربادیوں سے بچا رہے۔"
عزت نے کہا۔ "بھاگیرتی! ایسی باتیں نہ کرو۔ ہمارے آس پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں جو تیری بولی سمجھتے ہیں!"
ایک ہاتھی بھاگتا ہوا ان دونوں کی طرف آیا۔ عزت بھاگیرتی کا ہاتھ پکڑ کر بھاگا۔ ہاتھی کے پیچھے پیچھے آغر خان تھا۔ اس نے پھرتی سے ہاتھی کی دم پر حملہ کر دیا۔ جس سے اس کی آدھی دم کٹ کر زمین پر گر گئی۔ ہاتھی غصے میں آغر خان کی طرف پلٹا، آغر خان نے ہاتھی کی سونڈ کی زد سے دور رہنے کی کوشش کی لیکن ہاتھی نے اس کو سونڈ میں لپیٹ لینا چاہا۔ آغر خان نے سونڈ پر وار کیا، تلوار چھیلتی ہوئی گزر گئی۔ ہاتھی چنگھاڑا اور پیچھے ہٹا۔ آغر خان نے بھاگ کر سامنے پڑا ہوا نیزہ اٹھایا۔ ہاتھی پھر اس کی طرف دوڑا آغر خان نے نہایت ہوشمندی سے نیزہ ہاتھی کی آنکھ کی طرف پھینکا۔ جو اس کی سیدھ آنکھ میں گھس گیا۔ ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا اور دریا کی طرف بھاگا۔ آغر خان اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ چند سپاہی نیزے لیے ہوئے آغر خان کی طرف بڑھے اور پکار کر کہا۔ "سردار! نیزے حاضر ہیں۔"
آغر خان نے ایک نیزہ لے لیا اور دوڑتے ہوئے ہاتھی کے پیٹ کا نشانہ لگایا،

پیٹ میں گھس گیا، ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا لیکن اب وہ دریا میں اتر چکا تھا۔ دریا میں موجود کشتیوں پر سے بندوقیں چلیں اور ہاتھی پانی میں گر گیا۔

آغر خان نے جس جواں مردی کے ساتھ ہاتھی کا مقابلہ کیا تھا اس کا مشاہدہ بہت سے لوگ کر رہے تھے۔ بھاگیرتی اور غوث نے بھی یہ منظر دیکھا۔ دوسرے ہاتھی کو بھی فوجیوں نے گھیر کر مار دیا تھا۔

آغر خان واپس آیا تو اس کے آس پاس مداحوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی وہ سب آغر خان کو داد دے رہے تھے۔

آغر خان نے حکم دیا "گرے ہوئے خیموں کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔"

جب وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو اس کے پیچھے چند مداح بھی داخل ہو گئے اور وہ آغر خان کی تعریفیں کرنے لگے۔ لیکن آغر خان نے ان کو حکم دیا کہ "یہ وقت تعریفوں کا نہیں ہے، طلایہ گردی ہوشیاری سے کی جائے کیونکہ یہ رات پُر خطر ہے۔"

آغر خان کچھ دیر خیمے میں رکا اس کے بعد پھر طلایہ گردوں میں شامل ہو گیا۔

صبح فجر کی نماز ادا کی اور کچھ دیر کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔

آغر خان کا یہ کارنامہ پوری فوج میں مشہور ہو گیا اور میر جملہ خانخاناں دلیر خان اور میر مرتضیٰ نے اندر آ کر آغر خان کو مبارک باد دی۔ بھاگیرتی کے دل پر اس کا خاص اثر ہوا تھا۔ اس نے غوث سے کہا "جمعدار! یہ سردار آدمی ہے یا کچھ اور! میری سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں۔"

غوث نے جواب دیا "یہ مغل فوج کا بڑا بہادر سردار ہے، ڈر اور خوف تو اس کے دل میں ذرا بھی نہیں۔"

بھاگیرتی نے جواب دیا "افسوس کہ مجھے مغلوں کی زبان نہیں آتی ورنہ میں اسے مبارکباد ضرور دیتی۔"

غوث نے جواب دیا "تو یہ مبارکباد میرے ذریعے دے سکتی ہے۔"

میر جملہ نے اسی دن فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

چند دنوں بعد یہ لوگ گوہاٹی پہنچ گئے۔ مغلوں نے اپنے سامنے سری گھاٹ نامی پہاڑ کے دامن میں ایک قلعہ کو راہ روکے کھڑا دیکھا۔ یہاں بھی دریائے برہمپترا موجود تھا۔ اور یہ قلعہ دریا کے مغربی کنارے پر تھا۔ اس کنارے پر مغل افواج تھیں۔ دریا کے مشرقی کنارے پر بھی ایک قلعہ موجود تھا۔ یہ دوسرا قلعہ ناندو نامی

پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ دریائے برہمپترا سامنے موجود قلعے کے شمال سے بہہ کر لہراتا ہوا مشرق میں قلعے کے پیچھے سے ہو کر ایک دم نمودار ہو گیا تھا۔ میر جملہ نے دونوں قلعوں کے محل وقوع سے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ اگر سری گھاٹ کے قلعے کو جنوب سے فتح بھی کر لیا جائے تو بھی قلعے والوں کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ کشتیوں اور نواڑوں کے ذریعے ناندو پہاڑ کی چوٹی پر موجود قلعہ میں چلے جائیں۔ میر جملہ کو ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ان دونوں قلعوں میں ایک لاکھ آسامی فوج موجود ہے۔

میر جملہ خان خاناں نے اپنے امراء کو یکجا کیا اور ان سے مشورے طلب کیے اور اس مجلس شوریٰ میں عزت کو بھی شریک کر لیا گیا۔

میر جملہ نے پوچھا "دوستو! میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس قلعہ کو کسی طرح سر بھی کر لیں گے تو ناندو پہاڑ کی چوٹی کا قلعہ ہماری راہ کا مشکل ترین قلعہ ثابت ہو گا، ایک ایسا سنگ گراں، جس کو ہٹائے یا سر کیے بغیر ہم لوگ بھیم گڑھ تک نہیں پہنچ سکتے اب آپ لوگ مشورہ دیں کہ ان دونوں قلعوں کی تسخیر میں کون سی تدابیر بروئے عمل لائی جائیں جس سے ہم اپنی مہم کی ان آخری رکاوٹوں کو بیکار کر دیں۔"

میر مرتضیٰ نے عرض کیا "ہمیں خشکی اور دریائی راہوں سے بے تحاشہ گولہ باری کرنا چاہیے۔ ہماری توپیں قلعوں میں شگاف ڈال سکتی ہیں۔"

آغر خان نے کہا "میر توپ خانہ شاید یہ بھول گئے کہ قلعہ میں موجود آسامی فوج ہم پر بھی سنگ باری، توپ اندازی اور جملہ مزاحمتی طریقے استعمال کر سکتی ہیں۔"

میر جملہ نے تائید کی "بیشک بیشک! ہم اتنی آسانی سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔ آسامیوں کے پاس بھی سامان جنگ ہے اور یہ ان کی موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔"

دلیر خان نے عرض کی "خانخاناں! ہمیں قلعے کے گرداگرد گھوم پھر کر اس کی اندرونی اور قابل داخلہ حصہ تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ہم کسی طرح قلعے میں داخل ہو گئے تو اس کی تسخیر بہت آسان ہو جائے گی۔"

میر جملہ نے عزت الاسلام سے کہا "تو کیوں خاموش بیٹھا ہے تو بھی اسی کا ایک فرد ہے۔ اس لئے تو جو بھی مشورہ دے گا وہ بڑا معنی خیز، معتبر اور نتیجہ خیز ہو گا۔"

عزت نے عرض کیا "جناب والا! میں اپنی قوم کے مزاج سے اچھی طرح وا..."

ہیں، ہمیں اب تک اپنی مہمات سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کے پیچھے آسامیوں کا خوف کارفرما ہے۔ آسامی مغل افواج سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں چنانچہ وہ مقابلے کی ہمت تو کر جاتے ہیں مگر یہ ہمت برقرار نہیں رکھ پاتے اور ہماری افواج کی پامردی ان کے حوصلے پست کر دیتی ہے جس سے وہ ذرا سے مقابلے کے بعد ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

میر جملہ غوث کی باتوں پر کچھ دیر کے لئے غور کرتا رہا۔ اس کے بعد مسکرا دیا۔ غوث الاسلام! تو نے آسامیوں کی نفسی کیفیت تو بتا دی لیکن مشورہ کوئی نہیں دیا۔"

آغر خان نے کہا "خان خاناں! غوث الاسلام کی باتوں میں مشورہ بھی موجود ہے۔ ہمیں کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے جس سے قلعہ بند آسامیوں کو یہ محسوس ہو کہ ہم آسامیوں کو کسی طرح معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں اور یہ کہ ہماری نظر میں آسامیوں کے قلعوں اور لاکھوں آسامیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہم اپنا یہ اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ دونوں قلعے سر ہو جائیں گے اور آئندہ کی مہمات میں تسخیر آسان ہو جائے گی۔" میر جملہ نے مجلس برخاست کر دی اور تخلیے میں سوچنا شروع کر دیا۔

* * *

بھاگیرتی آغر خان سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر درمیان میں زبان حائل تھی۔ وہ مدھر کو ذریعہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس کام کے لئے اس کو ایک دوسرا نو مسلم آسامی مل گیا۔ یہ بھی کلتانی تھا اور جب سے بھاگیرتی مغلوں میں آئی تھی، وہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن غوث سے خوفزدہ بھی تھا کیونکہ غوث میر جملہ اور آغر خان کا معتمد تھا۔

میر جملہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ دریائے برہمپترا کے اس پار، قلعہ کے شمالی حصہ میں بھیج دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اس طرح کارروائی کا آغاز کریں کہ قلعہ میں موجود آسامی فوجوں کو یہ احساس ہو جائے گویا ان کے فرار ہونے کی راہیں بند کی جا رہی ہیں۔ اس ہراول فوج کا امیر آغر خان تھا۔ وہ تیزی سے دریا کی دوسری طرف اتر گیا۔ ننھی کشتیوں اور نواڑوں کا بیڑہ لئے ہوئے اس کے ساتھ تھا۔ سری گھاٹ کے قلعہ بند آسامی فصیلوں سے مغلوں کی نقل و حمل کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان پر سنگ باری کرنا چاہی لیکن آغر خان، میر مرتضیٰ اور ان کے فوجی فصیلوں سے بہت دور تھے۔ اس

لئے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔
ادھر میر جملہ نے آسامیوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کی اور توپوں کا رخ قلعہ کی طرف کر دیا۔
بھاگیرتی یہ ساری حرکات دیکھ رہی تھی اور فکر مند تھی کہ معلوم نہیں آسامیوں کا کیا حشر ہو۔ اس نے آغر خان کی بہادری دیکھی تھی اور اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ مغلوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ وہ برہمپترا کے ساحل سے مغلوں اور آسامیوں کی کش مکش اور حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ نومسلم آسامی اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور آسامی زبان میں پوچھا "کیا تیرا نام ہی بھاگیرتی ہے؟"
بھاگیرتی نے چہرے مہرے سے تو اس کو شناسا محسوس کیا مگر اس کے جسم پر مغل لباس دیکھ کر ذرا سٹپٹائی، جواب دیا "ہاں میرا نام بھاگیرتی ہے مگر تو کون ہے؟"
نومسلم نے جواب دیا "تیری طرح میں بھی آسامی ہوں لیکن آسام کی کلتانی قوم سے تعلق رکھتا ہوں"
بھاگیرتی بہت خوش ہوئی "لیکن لباس سے تو تو مغل معلوم ہوتا ہے"
نومسلم نے جواب دیا "ہاں۔ میں نے مغل لباس اس لئے پہن رکھا ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میرا اسلامی نام عبداللہ ہے۔ میں پریشان تھا۔ پریشانی میں وطن چھوڑا اور جہانگیر نگر کی مغل فوج میں ملازمت کر لی اور پھر اس خیال سے کہ مغلوں سے زیادہ قریب ہو جاؤں اور میرا شمار بھی حکمران قوم میں ہونے لگے میں مسلمان ہو گیا"
بھاگیرتی کے چہرے کی خوشی کافور ہو گئی "لیکن تو نے مسلمان ہو کر کوئی اچھا کام تو نہیں کیا"
نومسلم عبداللہ نے جواب دیا "روزی کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔ تیرا ساتھی غوث الاسلام بھی نومسلمان ہو چکا ہے"
بھاگیرتی نے حیرت سے پوچھا "غوث الاسلام؟ کون غوث الاسلام؟"
نومسلم عبداللہ نے جواب دیا "وہی غوث الاسلام جس کو تو جمر کہتی ہے"
بھاگیرتی کا سر چکرانے لگا "غوث الاسلام، جمدھر، یہ کیسی باتیں کر رہا ہے ذرا صاف صاف بتا یہ معاملہ کیا ہے؟"

نومسلم عبداللہ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔" بھاگیرتی! اگر تو مجھ سے یہ وعدہ کرلے کہ میں جو کچھ کہوں گا اس کو تو راز رکھے گی تو میں کچھ اور بتانے کی کوشش کروں گا۔"

بھاگیرتی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔" چل خیمے میں چل کر باتیں کریں یہاں کوئی باتیں کرتے دیکھے گا تو نہ جانے کیا سوچنے لگے۔"

وہ دونوں عزت کے خیمے میں چلے گئے۔ نومسلم عبداللہ نے کہا۔" بھاگیرتی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں تجھ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عزت یا جمدھر میری ہی طرح نومسلم ہے۔ اس نے مسلمانوں میں شادی بھی کر رکھی ہے اور اس کی بیوی جہانگیر نگر میں موجود ہے۔ اس کی ایک بچی بھی ہے۔"

بھاگیرتی کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا، ڈانٹ کر کہا۔" تو جھوٹا ہے اور مجھ کو ورغلانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

عبداللہ نے کہا۔" آہستہ بول بھاگیرتی کیونکہ یہ باتیں کسی اور نے سن لیں تو ہم دونوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔"

بھاگیرتی نے ناگواری سے کہا۔" پھر تو مجھے ورغلا کیوں رہا ہے؟"

عبداللہ نے کہا۔" میری بات سمجھنے کی کوشش کر بھاگیرتی! میں تجھے ورغلا نہیں رہا۔ سچی بات بتا رہا ہوں۔"

بھاگیرتی نے کہا۔" اچھا تو پہلے وہ ساری باتیں کر ڈال، جو تو کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کروں گی۔"

عبداللہ نے پوچھا۔" بھاگیرتی! پہلے مجھ کو یہ بتا کہ جمدھر یا عزت نے اپنی بابت تجھ کو کیا بتایا ہے؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" جمدھر پندرہ سال پہلے مغلوں کی قید میں چلا گیا تھا۔ اب جب مغل ادھر آئے تو وہ بھاگ نکلا اور میرے گھر پہنچا۔ راجہ نے اس کی خدمات لیں اور یہ جوگی گھپا کے قلعے میں مغل فوجوں کے ساتھ جنگ آزما ہوا، اور شکست اٹھا کر ہم دونوں مغلوں کی قید میں چلے گئے، جمدھر میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اس لئے میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اب ہم دونوں مغلوں کی قید سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ جس دن بھی موقع ملا، بھیم گڑھ چلے جائیں گے اور شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی بسر کریں گے۔"

عبداللہ ہنس دیا "بھاگیرتی! اب جمدھر، جمدھر نہیں غوث الاسلام ہے۔ اس کو مغلوں نے جاسوس بنا کر بھیجا ہے۔ یہ بھیم گڑھ کی خبریں مغلوں تک پہنچا چکا ہے اور اب یہ مغلوں کا رہنما بنا ہوا ہے۔ مغل اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ چنانچہ مغلوں کی کامیابیوں میں غوث الاسلام کے مشورے اور رہنمائی کا بڑا ہاتھ ہے۔"

بھاگیرتی کو اس کی باتوں پر یقین تو نہیں آ رہا تھا لیکن چند دنوں سے وہ خود بھی جمدھر پر شک کرنے لگی تھی۔ آہستہ سے بولی "تو جمدھر مجھ سے جھوٹ بولتا رہا ہے اور یہ اپنی قوم سے غداری کر رہا ہے۔"

عبداللہ نے کہا "میں نے جو کچھ بتایا، اس کا حرف حرف سچ ہے!"

بھاگیرتی کے دل کو سخت چوٹ لگی تھی۔ آہستہ سے بولی "تو یہ مسلمان بھی ہو چکا ہے اور شادی بھی کر چکا ہے!!"

عبداللہ نے جواب دیا "ہاں بھاگیرتی یہ باتیں شک و شبہ سے بالا ہیں۔"

بھاگیرتی نے کہا "افسوس کہ اب تک میں نے مغل سردار سے اس کے ذریعے جو باتیں کی ہیں، معلوم نہیں ان میں جمدھر نے اپنی طرف سے کیا کچھ کہہ دیا ہو، اس کا تو اعتبار ہی جاتا رہا۔"

عبداللہ نے کہا "اچھا اب میں جاؤں گا کیونکہ تیرے پاس زیادہ دیر تک رکنا خطرے سے خالی نہیں۔"

بھاگیرتی نے کہا "جب مغل سردار واپس آجائے تو تو ایک بار مجھ سے ملنے ضرور آئے گا۔ بقیہ باتیں بعد میں ہوں گی۔"

عبداللہ نے جاتے جاتے کہا "بھاگیرتی! جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا علم کسی اور کو نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ جانوں کے لالے پڑ جائیں گے۔"

بھاگیرتی نے کہا "تو مطمئن رہ۔ تیری باتیں میں کسی سے بھی نہیں کروں گی۔"

عبداللہ چوروں کی طرح خیمے سے نکل کر دریا کے کنارے تعینات فوج میں جا کھڑا ہوا۔

آسامیوں نے برہمپترا کے دوسرے کنارے پر جب مغلوں کو ایسی کارروائیاں کرتے دیکھا جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ مغل آسامیوں کی راہیں بند کر رہے ہیں تو انہوں نے جنگ کئے بغیر چوروں کی طرح فرار ہونا شروع کر دیا۔ مغلوں نے رعب ڈالنے کے لئے گولہ باری بھی کی۔ اس گولہ باری نے آسامیوں کے رہے سہے ہوش بھی خطا

دیئے اور انہوں نے کشتیوں اور تواڑوں کے ذریعے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ نے پیدل بھاگ نکلنے کی کوشش کی مگر آغرخان اور اس کی فوج نے بھگوڑے آسامیوں کو تلوار کی دھاروں پر رکھ لیا۔

سری گھاٹ کے قلعے میں آغرخان سب سے پہلے داخل ہوا، فوج فرار ہو چکی تھی عام آبادی موجود تھی مگر بے حد خوفزدہ۔ مغل ان پر پل پڑے اور لوٹ مار، قتل و غارت گری شروع کر دی۔ آغرخان نے اعلان کر دیا کہ سپاہی لوٹ مار نہ کریں کیونکہ میر جملہ خانخاناں نے اس کی ممانعت کر رکھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح مفتوح قوم پر مغلوں کا برا اثر پڑے گا۔ لیکن مغل سپاہ نے آغرخان کا حکم نہیں مانا اور لوٹ مار قتل و غارت گری میں مشغول رہی۔ یہ لوٹ مار کے مشاغل عزت بھی دیکھتا رہا۔ اور اس کو دکھ پہنچا مگر خاموش رہا۔

چند مغلوں نے مقامی لوگوں کے گھروں کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے بعد نذر آتش کر دیا۔ عزت ان مناظر کو نہیں دیکھ سکا، اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آغرخان سے شکایتاً کہا۔ "سردار! یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

آغرخان نے جواب دیا۔ "افسوس کہ شوریدہ پشت مغل میرا حکم نہیں مان رہے ۔"

آسامی بچوں تک کو ہلاک کر دیا گیا۔ جانداروں کو ہلاک اور مال و اسباب کی لوٹ مار کے بعد مکانوں کا نذر آتش کر دینا ایسا رقت انگیز منظر تھا کہ عزت الاسلام کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے آغرخان سے کہا۔ "سردار! آسامیوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے ۔"

آغرخان نے جواب دیا۔ "عزت الاسلام! میں نے کہہ جو دیا کہ مغل میرا حکم نہیں مان رہے ہیں ۔" پھر یکایک درشتی سے سوال کیا۔ "اور ہاں یہ تو کیا کہہ گیا ہے کہ آسامیوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے ۔"

عزت نے کہا۔ "سردار! اس کا ایک ہی مطلب ہے وہ یہ کہ میں اپنی قوم کے ساتھ مغلوں کے جور و ستم کو برداشت نہیں کر سکتا ۔"

آغرخان نے کہا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ تیرے دل میں اب بھی اسلام سے زیادہ اپنی قوم سے محبت ہے اور تو مغلوں کا حق نمک اور اسلام کا حق مذہب ادا کرنے کے لائق نہیں رہ گیا ۔"

عزت نے جلدی جلدی کہا۔" نہیں یہ بات نہیں ہے سردار! ہم نے جور و ظلم کے خلاف ایک آواز بلند کی ہے۔"

آغر خان نے کہا۔" افسوس کہ میں اپنے دشمنوں سے تو جنگ کر سکتا ہوں لیکن دوستوں پر تلوار نہیں کھینچ سکتا۔"

عزت خاموش ہو گیا اور قلعے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ ایک گلی میں اس نے ننگ دھڑنگ بچے کو روتے ہوئے دیکھا۔ یہ گندمی رنگ کا بچہ صرف تہمد باندھے تھا۔ اس کی عمر آٹھ نو سال کی ہو گی۔ عزت نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور دریافت کیا۔" میرے بچے! تجھ کو کیا ہو گیا؟ تو کیوں رو رہا ہے؟"

بچے نے اپنی زبان میں ہمدردانہ کلمات سن کر عزت کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

عزت نے بڑی نرمی سے کہا۔" میرے بچے! تو مت ڈر، میں تیرا ہمدرد ہوں۔"

بچے نے سامنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اس مکان میں میرے ماں باپ قتل کر دیئے گئے ہیں، گھر لٹ گیا۔ اب میں کس کے پاس رہوں گا؟ اب مجھے کون رکھے گا؟"

عزت اس مکان میں گیا۔ وہاں دو لاشیں پڑی تھیں، ایک عورت کی دوسری مرد کی۔ عورت کی آنکھیں کھلی تھیں گویا وہ حسرت سے دیکھ رہی تھی ان دونوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔ بچہ اپنے والدین کی لاشوں پر کھڑا ہو کر بلک بلک کر رونے لگا۔ عزت نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور رقت انگیز لہجے میں کہا۔" میرے بچے مت رو۔ ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ تو میرے ساتھ رہے گا اور تیرے دشمن بہت جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔"

اس نے بچے کو وہیں کھڑا رہنے دیا اور خود تباہ شدہ مکان کے ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔" عزت! تجھ پر لعنت ہے کہ تو اپنی قوم کے نونہالوں پر مغلوں کو چڑھا لایا۔ تو اسلام اور مغلوں کا حق نمک اور حق مذہب ادا کر رہا ہے یا اپنی مادر وطن سے غداری کر رہا ہے۔"

اس نے کافی دیر رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور آنکھیں بند کر کے آنے والے کل کی بابت سوچنے لگا۔ اس نے مغلوں کے گھوڑوں کو بھیم گڑھ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ اور ان گھوڑوں کی ٹاپوں تلے آسامیوں اور کلتابیوں کو کراہتے سسکیاں بھرتے اور

دم توڑتے دیکھا۔ ان کراہوں اور سسکیوں میں ماما رکھن پال جی اور اس کی اپنی ماں کی سسکیاں اور کراہیں شامل تھیں۔ اس نے اپنی بہن کو مغلوں کی کنیز بنتے دیکھا، اس نے اپنی ماں کو دودھ کا حق طلب کرتے محسوس کیا اور بہنوں کی آنکھوں میں ہمشیرگی کی بے بسی اور شکوہ محسوس کیا۔

وہ بے چین ہو کر اٹھا اور آسامی یتیم بچے کے سر پر ایک بار پھر ہاتھ پھیرا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میرے بچے! تیری بربادی کا میں گنہگار ہوں۔ تجھ کو میں نے یتیم کیا ہے۔ تیرا مجرم میں ہوں۔ میرے بچے! مجھ کو معاف کر دے۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی تلافی ہو جائے، اس کا ازالہ ہو جائے۔"

لیکن بچے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آرہی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہا تھا جو بظاہر تو مغل فوج کا آدمی تھا لیکن ہمدردی اس سے کر رہا تھا۔

غوث نے بچے کی انگلی پکڑی اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ مغل فوجیں قلعے میں پھیل چکی تھیں۔ غوث نے دور تک بچے کو پیدل چلایا اس کے بعد گود میں اٹھا لیا اور سیدھا میر جملہ خانخاناں کے پاس پہنچا۔ میر جملہ نے بچے کو غور سے دیکھ کر غوث کی طرف دیکھا۔ پوچھا "کیا بات ہے غوث الاسلام؟ یہ بچہ کس کا ہے؟"

غوث الاسلام رقت زدہ آواز میں بولا "خانخاناں یہ ایک آسامی بچہ ہے۔ آغر خان کے مغلوں نے اس کے والدین کو قتل کر کے گھر کو لوٹ لیا۔ اب یہ یتیم ہے۔ اور یہ پہلا یا تنہا واقعہ نہیں ہے خانخاناں! آغر خان کے مغلوں نے بڑے ظلم کیے ہیں۔"

خانخاناں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا "اور آغر خان نے اپنے مغلوں کو سمجھایا نہیں؟ انہیں روکا نہیں؟"

غوث الاسلام نے جواب دیا "جب میں نے یہی شکایت آغر خان سے کی تو اس نے جواب دیا کہ وہ شوریدہ پشت مغلوں کے آگے بے بس ہے۔ اور آغر خان ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا۔"

خانخاناں نے برہمی سے کہا "اپنے ماتحت مغلوں کو قابو میں رکھنا آغر خان کی ذمہ داری ہے۔ میں اس سے اس کا جواب طلب کروں گا۔"

غوث نے کہا "خانخاناں! سردار آغر خان مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔"

خانخاناں نے جواب دیا "تو مت ڈر غوث! آغر خان تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔"

غوث نے کہا "خانخاناں! میں اس بچے کو پالوں گا۔"
خانخاناں نے جواب دیا "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تو اس کو پال سکتا ہے۔"
غوث الاسلام نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں بھاگیرتی بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بھاگیرتی نے غوث الاسلام کی گود میں آسامی بچہ دیکھ کر حیرت سے پوچھا "جدھر! یہ بچہ کس کا ہے؟"
غوث نے بڑے دکھ سے جواب دیا "آسامی یتیم بچہ! یہ اب ہمارے ساتھ رہے گا۔"
بھاگیرتی غوث الاسلام سے باتیں کرنے کے لئے بے چین تھی لیکن کچھ سوچ کر خاموش رہی۔ وہ بہادر سردار آغر خان سے چند باتیں پہلے کر لینا چاہتی تھی۔ غوث نے بھاگیرتی میں ناقابل فہم تبدیلی محسوس کی شاید غوث سے بات کرنے میں وہ پہل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

* * *

آغر خان اپنے مغل فوجیوں کے جبر و ستم سے بہت پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ میر جملہ خانخاناں اس کے ساتھیوں کے جبر و ستم کا آغر خان کو ہی ذمہ دار ہی قرار دے گا اور اس سلسلہ میں خانخاناں کسی بھی عذر یا صفائی کو قبول نہیں کرے گا۔ وہ اداس اور دل شکستہ اپنے خیمے میں داخل ہوا، ہتھیار جسم سے الگ کئے اور منہ ہاتھ دھو کر ہلکا سا ناشتہ کیا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور میر جملہ خانخاناں سے خیالوں میں گفتگو شروع کر دی۔ خان خاناں سخت برہم تھا اور وہ غصے میں ظلم و زیادتی کا جواب طلب کر رہا تھا اور آغر خان اپنی صفائی میں معلوم نہیں کیا کیا کہہ سن رہا تھا۔
اچانک خیمے میں کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آغر خان نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے خیمے کا دربان کھڑا تھا۔ آغر خان نے پوچھا "کیا بات ہے؟"
دربان نے جواب دیا "سردار! آسامی لڑکی بھاگیرتی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"
آغر خان نے پوچھا "وہ کہاں ہے؟"
"باہر۔ خیمے کے در پر۔"

آغزخان نے پوچھا "کیا اس کے ساتھ عزت الاسلام بھی آیا ہے؟"
"نہیں" دربان نے جواب دیا "اس کے ساتھ تو کیرتی اور نومسلم آساعی آیا ہوا ہے!"
آغزخان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بولا "ان دونوں کو اندر بھیج دے۔"
دربان واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بھاگیرتی نومسلم عبداللہ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔
آغزخان بھاگیرتی کو دیکھ کر مسکرایا۔ بھاگیرتی بھی مسکرائی اور نومسلم عبداللہ سے کچھ کہا۔ عبداللہ نے آغزخان سے کہا "سردار! یہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ میں نے بے وقت حاضر ہو کر شاید تجھ کو تنگ کیا ہے!"
آغزخان نے جواب دیا "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"
بھاگیرتی نے عبداللہ کے ذریعے عرض کیا "سردار! میں اس سے پہلے ہی حاضر ہونے والی تھی۔ لیکن فتح کے شب دروز کی وجہ سے میں حاضر نہ ہو سکی اس کا مجھے افسوس ہے۔"
آغزخان نے دل میں اتر جانے والی نظروں سے بھاگیرتی کو گھورا "کوئی بات کرنا تھی تجھ کو؟"
"ہاں" بھاگیرتی نے عبداللہ کے ذریعے جواب دیا "جمدھر میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے۔ اور میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے شادی کر لوں گی لیکن اب میرا فیصلہ بدل گیا ہے۔"
آغزخان نے پوچھا "یعنی کیا مطلب؟ میں تیرا مطلب نہیں سمجھا؟"
بھاگیرتی نے جواب دیا "بہادر سردار! اگر میں نے تجھ کو اور تیری بہادری کو نہ دیکھا ہوتا تو میں جمدھر کے علاوہ کسی اور کا خیال تک دل میں نہ لاتی لیکن سردار آغزخان تو نے میرا دل جیت لیا ہے میں تجھ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ اور یہ چاہتی ہوں کہ مجھ سے تو بھی محبت کرنے لگے۔"
آغزخان اس سوال و جواب سے چکرا گیا۔ بولا "بھاگیرتی! محبت کوئی اختیاری یا ارادی جذبہ تو نہیں ہے کہ اپنے ارادوں سے اختیار کر لیا جائے۔"
بھاگیرتی نے کہا "کچھ بھی سہی سردار! لیکن جب سے میں نے تجھ کو تن تنہا ہاتھی کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے، اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تیرے سوا کسی اور کو پسند

نہیں کر سکتی۔"

آغر خان نے ہنس کر جواب دیا۔" لیکن بھاگیرتی! میں شادی شدہ ہوں۔ دہلی میں میری بیوی موجود ہے۔"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" بیوی سے کیا ہوتا ہے۔ ہم کلتانیوں میں ہر مرد کئی کئی بیویاں رکھتا ہے۔ کیا تو دو بیویاں نہیں رکھ سکتا۔"

آغر خان بھاگیرتی کی بے باکانہ پیش کش سے متاثر تھا۔ بولا۔" بھاگیرتی! تو کسی اور معاشرے کی لڑکی ہے میں کسی اور معاشرے کا انسان ہوں۔ تو مجھ سے شادی کر کے پریشان ہو جائے گی۔"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" بہادر آغر خان! محبت پریشان نہیں ہوتی۔ تیری بہادری نے میرے دل و دماغ کو جیت لیا ہے اس لئے مجھ کو مایوس نہ کر۔"

آغر خان نے کہا۔" لیکن میں تجھے یہی مشورہ دوں گا کہ تو جدھر سے شادی کر لے کیونکہ میرا خیال ہے وہ تجھ کو پسند بھی کرتا ہے۔"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔" اس کے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کو میں تو پسند نہیں کرتی۔"

آغر خان نے عبداللہ سے کہا۔" تو اپنے طور پر بھاگیرتی کو سمجھا کہ یہ اپنے دل سے میرا خیال نکال دے کیونکہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔"

عبداللہ نے جواب دیا۔" سردار! میں اس کو سمجھاؤں گا لیکن یہ مجھے بہت جذباتی نظر آتی ہے۔ شاید ہی میری بات مانے۔"

بھاگیرتی نے عبداللہ سے کہا۔" یہ تم دونوں کس قسم کی باتیں کرنے لگے۔"

عبداللہ نے جواب دیا۔" بہادر سردار! مجھے یہ لڑکی انتہائی جنونی محسوس ہوتی ہے اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کو اپنے آپ سے دور رکھیں۔"

آغر خان نے کہا۔" مجھے سب کچھ معلوم ہے عبداللہ! مجھے اس لڑکی پر رحم بھی آتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں؟"

بھاگیرتی نے کہا۔" مجھ پر رحم کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے تجھ سے محبت کی ہے تو جواب میں صرف محبت ہی چاہتی ہوں گی۔ یہ رحم اور ہمدردی کیا ہے۔ میں نہیں جانتی!"

آغر خان خاموش ہو گیا اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

بھاگیرتی نے مزید کہا۔" اس وقت میں تجھ سے زیادہ باتیں نہیں کروں گی۔

لیکن اپنی اور تیری محبت کے نام پر تجھ سے یہ درخواست کروں گی کہ تو میری قوم پر ظلم نہ ڈھا، اور یہیں سے واپس چلا جا۔ میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

آغر خان نے جواب دیا "بھاگیرتی! مجھ کو سوچنے کی مہلت دے تیری باتوں کا جواب دو چار دن میں دوں گا۔"

بھاگیرتی نے اصرار کیا "سردار! اس میں سوچنے کی بات ہی کون سی ہے۔ کیا میں تجھ کو اچھی نہیں لگتی حالانکہ میں نے جب بھی پانی میں اپنا چہرہ دیکھا ہے۔ اپنے آپ کو بہت اچھی لگی ہوں۔"

آغر خان نے جواب دیا "اچھی تو تو مجھ کو بھی لگتی ہے۔ لیکن۔۔۔"

لیکن میر جملہ خانخاناں کے قاصد نے دونوں کی باتوں کا مزا کرکرا کر دیا۔ دربان نے اندر داخل ہو کر آغر خان کو مطلع کیا کہ "میر جملہ خانخاناں نے سردار آغر خان کو اسی وقت یاد فرمایا ہے۔"

آغر خان نے بھاگیرتی سے کہا "لڑکی! بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔ مجھ کو میرے امیر افواج نے یاد فرمایا ہے پہلے میں اس کی بات سن لوں کہ وہ کیا کہتا ہے؟"

بھاگیرتی نے کہا "بہادر سردار! اپنے امیر سے بھی یہی بات کہہ کہ وہ میری قوم کو اب زیادہ نہ ستائے۔ اور یہیں سے واپس چلا جائے کیونکہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ اگر تم لوگوں نے پوری فتح بھی حاصل کر لی تو اس سے تم کو ملے گا کیا۔ حاصل کیا ہوگا؟ اور جس کام سے کچھ حاصل نہ ہو اس میں وقت اور جانیں ضائع کرنے کا فائدہ؟"

آغر خان نے چلتے چلتے جواب دیا "فتوحات اور تسخیر سے کیا حاصل ہوتا ہے یہ بات تو فاتح بہتر جانتے ہیں۔ میں اس سوال کا کیا جواب دوں، واپسی میں شاید کوئی جواب دے سکوں۔"

بھاگیرتی نے کہا "بہادر سردار! ہم کلتانی لڑکیاں معاملات محبت میں آزاد ہوتی ہیں، میں نے تجھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرنے لگی ہوں اور اب صرف دو باتیں چاہتی ہوں، پہلی بات یہ کہ اب مغل فوجوں کو آگے نہیں بڑھنا چاہئے یہیں سے واپس چلا جانا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ تو بے جھجک مجھ سے شادی کر لے۔"

آغر خان کو بھاگیرتی پر بڑا رحم آیا۔ اس کلتانی لڑکی کی سادہ لوحی اور معصومیت کسی بھی بہادر کے دل کو متاثر کر سکتی تھی۔

آغر خان میر جملہ خانخاناں کے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے میر جملہ کو اکھڑا اکھڑا

اور دل برداشتہ پایا۔ میر جملہ اس کو دیکھتے ہی مڑا اور بڑے معنی خیز طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"تو آغر خان تو آ گیا ؟"

آغر خان نے بھی پُروقار لہجے میں جواب دیا۔"ہاں میں آ گیا اور اس لیے آ گیا کہ مجھ کو بلایا گیا تھا۔"

میر جملہ نے کہا۔"تو بہادر سردار ہے آغر خان! میں تیری عزت کرتا ہوں لیکن اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ تو خود تو اوصاف حمیدہ سے متصف ہے لیکن تو اچھا امیر نہیں ہے کیونکہ اچھا امیر وہی ہوتا ہے جو اپنے ماتحتوں کو قابو میں رکھ سکے۔ اور اس کے ماتحت اس کے حکم پر اپنی گردنیں کٹا دیں اور امیر کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھائیں۔"

آغر خان نے اسی شان سے جواب دیا۔"خانخاناں! میں مغل نہیں ہوں، اس لیے مغل مجھے اپنا حاکم نہیں، نمک خوار سمجھتے ہیں، ہم سب مغلیہ سلطنت کے خدمت گزار ہیں، مغلوں میں موجود بڑے پن کا احساس انہیں شہرہ پشت بنا چکا ہے۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف کیا ہے، افسوس کہ مجھ کو میرے مغل شہسوار ذلیل کر رہے ہیں۔"

میر جملہ نے سختی سے کہا۔"آغر خان! مفتوحہ قوم پر ظلم و ستم ہمیں ذلیل و خوار کر دے گا اور معاملات پیچیدگی اختیار کر لیں گے، اس لیے میں تیرا کوئی عذر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تو اپنے مغل شہسواروں کے اعمال و افعال کا ذمّہ دار ہے۔"

آغر خان نے سختی سے جواب دیا۔"خانخاناں! یہ سراسر زیادتی ہے، میں صرف اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوں، دوسروں کے اعمال و افعال کا محاسبہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ امیر مجھ کو دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار قرار دے کر مجھ پر ظلم کر رہے ہیں!"

میر جملہ نے انتہائی درشت لہجے میں کہا۔"آغر خان! میں آسام کی مہمات کا امیر عساکر مغلیہ ہوں اور یہاں کوئی بھی غلطی کرے، اس کی باز پرس مجھ سے ہو گی، اورنگ زیب براہ راست مجھ سے جواب طلب کرے گا۔ میں تیری طرح بادشاہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آسام کی مہمات کی کوتاہیاں مجھ سے تعلق نہیں رکھتیں اور مجھ کو بری الذمہ رکھا جائے اگر میں بادشاہ سے اس قسم کی باتیں کروں گا تو وہ ناقابل مسموع ہوں گی اور بادشاہ میرے تمام عذر رد کر دے گا۔"

آغر خان نے بھی درشتی سے جواب دیا۔"میں جو باتیں خانخاناں سے کہہ رہا ہوں بادشاہ سے بھی کہہ سکتا ہوں، میں بادشاہ کی قوم کے آگے بے بس ہو گیا ہوں، اگر خانخاناں

کو آسام کی مہمات میں رونما ہونے والی خامیوں اور رکاوٹوں کا خود کو جواب دہ سمجھتا ہے تو میں اس سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے ماتحت مغلوں کے خلاف کارروائی کر کے دکھائے۔"

میر جملہ ایک دم برہم ہو گیا۔ "آغر خان! میں تیری بہادری کا مداح ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں تیری بے جا جسارت سے قطعی ناخوش ہوں اس طرح تو میری ہمدردیوں اور مروتوں سے محروم ہو جائے گا۔"

آغر خان نے جواب دیا۔ "خانخاناں! میں ایسی ہمدردیوں اور مروتوں کو ٹھوکر مارتا ہوں جو میری کارکردگی اور خدمات کے عوض نہ ملیں۔ میں جا رہا ہوں اور خانخاناں کو لمحۂ فکریہ دیے جا رہا ہوں، ہم دونوں کو چند دنوں کے اندر اندر یہ فیصلہ کر لینا ہے کہ آپ کو میرے ماتحت سرکش مغلوں کی تادیب خود کرنی ہے یا بدستور مجھی کو موردِ الزام ٹھہرانا ہے اور مجھ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کی عدم توجہی میں مجھ کو یہاں رہنا چاہیے یا بادشاہ کے پاس چلا جانا چاہیے، اور میرا جو بھی فیصلہ ہو گا۔ آپ کے فیصلے کی روشنی میں ہو گا۔"

آغر خان، خانخاناں کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کی بجائے لیموں اور ترنج کے چھوٹے سے باغ میں چلا گیا، یہاں کی فضا ترش خوشبو میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور بے خیالی میں لیموں کی ایک شاخ کو پکڑ کر فکروں میں ڈوب گیا، وہ ہاتھ سے لیموں کی شاخ کو سہلاتا رہا اور کچھ سوچتا رہا، اچانک لیموں کی شاخ کا ایک کانٹا انگلی میں چبھ گیا، اس نے سی کر کے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور زخمی انگلی کو دیکھنے لگا، درمیانی انگلی کے پہلے پور سے خون نقطہ کی شکل میں نکلا اور یہ نقطہ لمحہ بہ لمحہ بڑا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ کچھ دیر بعد یہ نقطے ٹپکنے لگے۔

☆ ☆ ☆

آسامی سری گھاٹ اور پانڈو پہاڑ کے قلعے خالی کر کے فرار ہو چکے تھے، میر جملہ خانخاناں نے یہاں زیادہ دیر قیام نہیں کیا، وہ دونوں قلعوں میں اپنی تھوڑی سی فوج چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ آغر خان آگے آگے تھا۔ میر جملہ اور آغر خان میں بات چیت بند ہو چکی تھی، برہم پترا کے کنارے کنارے مغل لشکر بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ درمیان میں حائل ... ں کو صاف کیا جا رہا تھا۔ سات کوس کے بعد کجلی گاؤں کا قلعہ نظر آیا۔ لیکن اس کی سنسان فصیلوں اور خالی دریائی سطح سے مغلوں کو بہت جلد یہ بات معلوم ہو گئی کہ

آسامی مارے دہشت کے اسے بھی خالی کر گئے ہیں۔ میر جملہ نے اس قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا
اب بھیم گڑھ کا راستہ بالکل صاف تھا۔

کجلی گاؤں کے بعد بھیم گڑھ تھا، اور بھیم گڑھ میں ان دونوں کا فیصلہ کن معرکہ ہونے والا تھا۔

غوث الاسلام آسامی بچے کو بڑی محبت سے پال رہا تھا، آغر خان غوث سے خوش نہیں تھا لیکن غوث کو میر جملہ کی حمایت اور ہمدردی حاصل تھی، میر جملہ نے غوث الاسلام کو حکم دیا کہ وہ کسی طرح بھی بھیم گڑھ واپس جائے اور وہاں لوگوں میں افراتفری اور انتشار پھیلائے تاکہ آسامیوں کے دلوں میں مغلوں کا خوف بیٹھ جائے۔

لیکن آغر خان غوث کو بھیم گڑھ بھیجنے کے حق میں نہیں تھا۔

غوث کو بھیم گڑھ جانے کی اجازت جو ملی تو اس نے بھاگیرتی کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن بھاگیرتی نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "جمدھر! تیرے بقول ہم دونوں تو مغلوں کے قیدی ہیں پھر تو اس قید سے فرار کس طرح ہوگا؟"

غوث نے جواب دیا۔ "بھاگیرتی! زیادہ باتیں نہ بنا، اگر تو بھیم گڑھ جانا چاہتی ہے تو چل میرے ساتھ۔ ہم دونوں وہاں شادی کر لیں گے۔"

بھاگیرتی نے طنزیہ کہا۔ "غوث! تو اپنی اس بیوی کو بھی بلا لے، جو جہانگیر نگر میں اپنی بچی کے ساتھ تیرا انتظار کر رہی ہے!"

غوث بھاگیرتی کے طرز تخاطب پر چونک گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ بھاگیرتی کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بھی اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ "بھاگیرتی آج تو یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہے؟"

بھاگیرتی نے بڑے غرور سے کہا۔ "اب میں تجھ کو جمدھر کی بجائے غوث کہوں گی کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تو جمدھر نہیں رہا، غوث الاسلام ہے اور تو بدستور مغلوں کا نمک خوار اور اپنی قوم کا غدار ہے!"

غوث کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ حیران تھا کہ بھاگیرتی کو یہ باتیں کس نے بتا دیں۔ "بھاگیرتی! میں غدار نہیں ہوں۔ میں مغلوں کا نمک خوار ضرور ہوں۔"

بھاگیرتی نے غصے میں کہا۔ "تو مجھ سے جھوٹ بولتا رہا، اور اب جبکہ ساری باتیں مجھ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتا۔"

غوث نے پوچھا۔ "بھاگیرتی! جلد ہی میں ساری باتیں تجھ کو خود ہی بتا دیتا لیکن ا

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تجھ کو یہ ساری باتیں کس نے بتائیں؟" بھاگیرتی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ "اب ان فضول باتوں سے حاصل؟ میں تجھ سے شادی بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں اپنے لوگوں میں یہ سرگوشیاں نہیں پسند کروں گی کہ آسام، برہما ہی لانے والوں میں بھاگیرتی کے شوہر جمدھر کا نام سرفہرست ہے۔"

بھاگیرتی، عزت کے جواب کا انتظار کیے بغیر، اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

اسی دن شام کو آغر خان پریشانی اور منتشر مزاجی کی کیفیت میں دریائے برہمپترا کے ساحل پر کیلوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ یہاں سے دریا کی سطح پر موجود کشتیاں اور نواڑے ادھورے نظر آ رہے تھے۔ کیلوں کے بعد ترنج اور بیل کے درخت لگے ہوئے تھے۔ آغر خان بہت دل برداشتہ تھا اور وہ آئندہ کے بارے میں ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا تھا۔ وہ خانخاناں کی بازپرس کے بعد معنی خیز سرد مہری سے عاجز آ چکا تھا، اس کو ایسا لگتا تھا گویا خانخاناں نے اس کا سماجی اور معاشرتی انقطاع کر رکھا ہے۔

خانخاناں کے بعد اس نے بھاگیرتی کی بابت سوچا، اس سادہ لوح لڑکی پر اس کو رحم آ رہا تھا۔ جس بے باکی اور سادگی سے بھاگیرتی نے اظہار عشق کیا تھا، وہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اس نے یہاں بیٹھ کر پہلی بار بھاگیرتی کو، خیالوں میں اپنے روایتی لباس میں کھڑا دیکھا تو وہ بہت اچھی لگی، وہ کسی بھی افغان یا مغل دوشیزہ سے کم نہیں تھی۔

اچانک آغر خان کی پشت پر ایک پتھر لگا، چھوٹا سا پتھر، وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس وقت اپنے دشمنوں کی سرزمین پر تھا، اور بہت چوکنا رہتا تھا، آغر خان نے نیام سے تلوار نکال لی اور نہایت احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا خطرے سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا، وہ کیلوں کے جھنڈ سے نکل کر ترنج اور بیلوں کی طرف چلا گیا، یکایک بیل کے درخت پر سے کوئی چیز اس طرح زمین پر گری کہ آغر خان اس کے بوجھ میں دب کر لڑکھڑا گیا۔ آغر خان یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ بھاگیرتی تھی، جو بہت زیادہ ہنس رہی تھی۔ درخت کی دوسری طرف عبداللہ چھپا ہوا تھا۔

آغر خان نے تلوار نیام میں کر لی اور بھاگیرتی کے ساتھ خود بھی ہنسنے لگا۔ عبداللہ نے کہا۔ "سردار! یہ مجھے زبردستی لے آئی ہے، شاید کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے۔"

آغر خان نے پوچھا۔ "یہ کیسی شرارت کی اس نے؟ ذرا پوچھ تو اس سے۔"

عبداللہ کے ذریعے بھاگیرتی نے جواب دیا۔ "بہادر سردار! تجھ کو میرے نشانے کی داد دینی چاہیئے کیونکہ تو جس جگہ بیٹھا تھا، وہ یہاں سے دور ہے لیکن میرا نشانہ

خطا نہیں ہوا۔"
آغر خان ایک سنجیدہ شخص تھا، بولا۔" لیکن بھاگیرتی میں مذاق پسند نہیں کرتا! چونکہ میں خود ایک سردار ہوں، اس لیے میں خاصا لیے دیئے سبھی رہتا ہوں، اس لیے میں تجھ کو سرزنش کرتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے اس قسم کا مذاق نہ کیا جائے۔"
بھاگیرتی اس لب و لہجے کی عادی نہیں تھی۔ آغر خان کے کاندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ دیا۔ اور زبردستی بٹھانے کی کوشش کی۔" بہادر سردار! تو ناراض کیوں ہے اور مجھ پر غصہ کیوں کر رہا ہے، اصل بات کیا ہے؟ وہ بتا۔"
آغر خان تکلفاً بیٹھ تو گیا لیکن بے مروتی سے بولا۔" لڑکی! میں نے کہہ جو دیا کہ میں ایک سردار ہوں اور کسی سے بھی زیادہ بے تکلف نہیں ہوں، میں نہیں چاہتا کہ مغل فوج کے لوگ مجھے عامیانہ روش میں دیکھیں۔"
بھاگیرتی پر اب بھی کوئی اثر نہ ہوا، آغر خان سے بھڑ کر بیٹھ گئی۔ آغر خان ایک طرف کھسک گیا۔
بھاگیرتی نے بڑی محبت سے آغر خان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔" سردار! آج میں نے جمدھر کو خوب خوب ڈانٹا۔ اب تک مجھ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مغلیہ سلطنت کا نمک حرام ہے اور قوم کا غدار!"
آغر خان نے حیرت سے پوچھا۔" یہ باتیں تجھ کو کس نے بتائیں؟"
عبداللہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ بھاگیرتی نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور اشاروں کنایوں میں کچھ کہا۔ جس کا مطلب آغر خان بھی نہیں سمجھ سکا۔ بھاگیرتی نے عبداللہ سے پوچھا۔—
"عبداللہ! بہادر سردار کیا پوچھ رہا ہے؟"
عبداللہ نے سوال دہرا دیا اور آغر خان نے عبداللہ سے کہا۔" عبداللہ! اس لڑکی سے پرزور لہجے میں کہہ دے کہ میں شارع عام کا عاشق یا محبوب نہیں ہوں، اس لئے بہتر ہے کہ یہ لڑکی کسی اور کا انتخاب کر لے، میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔"
بھاگیرتی نے عبداللہ سے کہا۔" تو اپنے سردار سے کہہ دے کہ میں اتنی آسانی سے باز آنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ اور میں اس وقت اس لیے آئی ہوں کہ سردار کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے اور میرا دل سردار کو طلب کر رہا ہے!"
عبداللہ نے سب کچھ رک رک کر اور چبا چبا کر کہہ دیا۔ آغر خان نے سختی سے "لڑکی سے کہہ دے کہ ہم لوگ یہ باتیں پسند نہیں کرتے اور ہماری لڑکیاں اور عورتیں اس

موضوع پر اتنی بے شرمی سے باتیں نہیں کرتیں۔"

اس جواب نے بھاگیرتی کو مایوس کر دیا۔ وہ نڈھال ہو گئی۔ اور درخت کی جڑ کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ آغر خان نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن چھڑا نہیں سکا کیونکہ بھاگیرتی نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

اس وقت وہاں غوث بھی پہنچ گیا، اس نے یہ تماشا جو دیکھا تو آغر خان کی پرواہ کیے بغیر بھاگیرتی کو ڈانٹا۔ "بھاگیرتی! تو یہاں کیا کر رہی ہے؟"

آغر خان نے ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ بھاگیرتی غوث کی آمد سے جھنجلا گئی تھی، سختی سے پوچھا۔ "تو یہاں کیوں آ گیا؟"

غوث نے بھی سختی سے جواب دیا۔ "میں یہاں کا ماحول دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا، ان آسامیوں اور کلتانیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی اس درجہ تک تباہی نہیں دیکھ سکتا۔"

بھاگیرتی نے پر جوش آواز میں کہا۔ "تو غدار ہے اور ایک غدار کی زبان سے یہ باتیں بھی نہیں لگتیں۔"

آغر خان نے پوچھا۔ "غوث الاسلام! تم دونوں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

غوث نے بے دلی سے کہا۔ "سردار! میری قوم کے ساتھ ناانصافیاں ہوئی ہیں اور اب ان کی عزت و آبرو پر بھی ہاتھ صاف ہو رہا ہے، برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے!"

آغر خان غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "غوث! تو گستاخی کر رہا ہے، بھاگیرتی مجھ سے جس چیز کا تقاضا کر رہی ہے، میری جگہ کوئی اور سردار ہوتا تو بخوشی آمادہ ہو جاتا لیکن میں آغر خان، نوح کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہوں، میں سفلہ خوئی کا مرتکب کس طرح ہو ہوں۔"

غوث نے بھاگیرتی سے پوچھا۔ "سردار کہہ رہا ہے کہ تو نے اس سے کسی شے کا مطالبہ کیا تھا جس کو اس نے پورا نہیں کیا، کیا یہ درست ہے؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔ "ہاں بہادر سردار نے درست کہا۔ میں اس بہادر کی گرویدہ ہوں اور میں نے جہاں یہ فیصلہ کیا ہے کہ تجھ سے شادی نہیں کروں گی، وہیں یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ میں اس بہادر سے شادی کر لوں گی۔"

غوث تڑپ گیا۔ بولا "یہ نہیں ہو سکتا۔ تو میرے ماما راکھن پال جی کی بیٹی ہے۔ تو ایک افغان سے شادی نہیں کر سکتی۔"

بھاگیرتی نے غصے میں حکم دیا "اب تو یہاں سے چلا جا۔ میں نے جو فیصلہ کرنا تھا، کر لیا۔"

غوث نے آغر خان سے درخواست کی "سردار! یہ سرپھری لڑکی تجھ کو بھی ذلیل کرا دے گی، اس لیے تو یہاں سے کسی بھی بہانے چلا جا، یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار کر دے گی جس کا پورا کرنا تیرے لیے دشوار ہی نہیں، ناممکن بھی ہو گا۔"

بھاگیرتی نے غوث سے کہا "تو سردار سے کیا کہہ رہا ہے؟"

غوث نے جواب دیا "سردار آغر خان ایک باعزت خاندان کا باعزت فرد ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ تجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔"

بھاگیرتی نے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے، تو یہاں سے چلا جا، ورنہ تیرا حشر بھی ویسا ہی ہو گا، جو بھاکن کا ہو چکا ہے!"

غوث نے ایک بار پھر آغر خان سے درخواست کی "سردار آغر خان! بھاگیرتی کو میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

آغر خان نے جواب دیا "کیا تجھ کو یہ یقین ہے کہ یہ لڑکی تیرے ساتھ چلی جائے گی؟"

غوث نے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے، لیکن سردار! تیرا یہاں سے چلا جانا ضروری ہے!"

آغر خان نے جواب دیا "غوث الاسلام! میں جا رہا ہوں لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ تو اس لڑکی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔"

بھاگیرتی ان دونوں کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن جب آغر خان کو جاتے ہوتے دیکھا تو وہ اس کی طرف بڑھی اور یہ خیال کیے بغیر کہ آغر خان اس کی بات نہیں سمجھ سکے گا، بولی "بہادر سردار! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گی۔"

غوث غصے سے بھاگیرتی کی طرف بڑھا اور اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن بھاگیرتی نے غوث کو دھکا دے کر گرا دیا۔ غوث کو اور زیادہ غصہ آ گیا اور اس نے بھاگیرتی کو پیچھے سے بالوں سے پکڑ لیا اور جھٹکا دے کر نیچے گرا دیا۔ آغر خان اس کشمکش کو دیکھ رہا تھا، وہ تیزی سے غوث کی طرف بڑھا اور اس کے کولہے پر ایک ٹھوکر رسید کی، غوث لڑکھڑا

لگ گیا جس سے بھاگیرتی کے بال چھوٹ گئے اور وہ آزاد ہو گئی۔ اس نے جوش میں ایک بھاری پتھر اٹھا لیا اور گرے ہوئے عزت کو ہلاک کر دینا چاہا، لیکن آغر خان نے بھاگیرتی سے پتھر چھین کر پھینک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "لڑکی! اس کو ہلاک نہ کر"۔

عزت سہما ہوا اٹھا اور کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا۔ آغر خان نے اشاروں کنایوں میں کہا۔ "مار پیٹ نہ کر لڑکی۔"

بھاگیرتی نے اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی۔ "اس نے مجھ کو بالوں سے کھینچا تھا۔ اس لیے میں نے پتھر اٹھا لیا۔"

بھاگیرتی نے آغر خان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن آغر خان نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

عزت کے جانے کے بعد عبداللہ دوبارہ سامنے آ گیا، اور اس نے آتے ہی بھاگیرتی سے کہا۔ "بھاگیرتی! میں اس لیے چلا گیا تھا کہ اگر عزت مجھ کو تیرے پاس دیکھتا تو میرا دشمن ہو جاتا۔"

آغر خان نے عبداللہ سے کہا۔ "عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا کہ اس سے شادی کرنا میرے لیے کتنا مشکل ہے!"

یہ بات جب عبداللہ نے بھاگیرتی سے کہی تو اس نے جواب دیا۔ "بہادر سردار سے کہہ دے کہ میں جلدی نہیں کر رہی ہوں لیکن میرا قطعی فیصلہ ہے کہ میں شادی بہادر سردار سے ہی کروں گی ورنہ اپنی جان دے دوں گی۔"

آغر خان بھاگیرتی کے اس فیصلے سے پریشان ہو گیا۔ اس نے جواب دیا۔ "اچھا! اگر یہ بات ہے تو اس سے کہہ دے کہ جب تک آسام فتح نہ ہو جائے خاموش ہو جائے، کیونکہ آسام کی تسخیر سے پہلے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔"

لیکن بھاگیرتی نے کہا۔ "میں نے تو بہادر سردار سے درخواست کی ہے کہ وہ جہاں آ چکا ہے، یہیں سے واپس چلا جائے اور میرے ہم وطنوں پر رحم کرے۔"

آغر خان نے جواب دیا۔ "اس مہم کا ذمہ دار میر جملہ خانخاناں ہے، میں تو اس کا زیر فرمان معمولی امیر ہوں، آسام کی مہم کے بارے میں فیصلے خانخاناں کی طرف سے ہوتے ہیں۔"

بھاگیرتی نے کہا۔ "خانخاناں کو مشورہ تو، تو دے سکتا ہے۔ وہ تیرے جیسے بہادر کی بات ضرور مان لے گا۔"

آغر خان اس کے سوال، جواب سے تنگ آچکا تھا۔ بولا "عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا دے کہ خانخاناں بادشاہ کے فرمان کا تابع ہے، یہ کسی کے کہنے سننے سے آسام کی مہم ترک نہیں کر سکتا۔"

عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کرے گا اور اُسے یقین ہے کہ وہ اس میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔

★ ★ ★

عزت الاسلام سیدھا خانخاناں کے پاس پہنچا اور شکایتہً کہا "خانخاناں آپ خدا کو حاضر و ناظر کر کے مجھے یہ بتائیں کہ اب تک میں نے مغلوں کے ساتھ وفاداری کی ہے یا غداری؟"

خانخاناں نے جواب دیا "تو ہمارا نہایت وفادار شخص ہے، کیوں؟"

عزت نے کہا "خانخاناں! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ بھیم گڑھ فتح ہو جائے تو اس مہم میں آپ کو کچھ تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔"

خانخاناں نے کہا "تو مشورہ دے، میں غور کروں گا۔"

عزت نے جواب دیا "آسامی، کلتانی، آغر خان اور اس کے ساتھیوں سے ناراض ہیں کیونکہ ان لوگوں نے مفتوحہ قوم پر ظلم کیے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ بھیم گڑھ کی مہم میں قلعے کی تسخیر کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی جائے۔"

خانخاناں نے کہا "میں تیرا مطلب نہیں سمجھا، تو کہنا کیا چاہتا ہے؟"

عزت نے جواب دیا "میرا مطلب صاف ہے، میں بھیم گڑھ کے چپے چپے سے واقف ہوں اور یہاں کے آسامیوں اور کلتانیوں کے مزاج اور عادات سے واقف ہوں چنانچہ میں جس طرح اپنی فوج کو لڑاؤں گا کوئی دوسرا غیر آسامی سردار اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"

خانخاناں نے کہا "یہ بہت نازک تجویز ہے، میں اس پر غور کروں گا۔"

ایک ہفتہ بعد مغل افواج نے یہاں سے بھی کوچ کیا اور بھیم گڑھ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ عزت الاسلام ان کی راہنمائی کر رہا تھا، آسامی بچہ اس کے ساتھ تھا۔ دریا کے کنارے کنارے سفر جاری تھا۔ دوران سفر بانس، آم، کیلے، ترنج، لیموں، انناس، آملہ، ناریل، اور چھالیہ کے باغات ملے، فوج کا نیر بردار دستہ آگے آگے راستہ صاف کرتا جا رہا تھا، یہاں شب خون کا سب سے زیادہ خطرہ تھا، چنانچہ شب بیداری اور طلایہ گردی کی

ذمہ داری میر جملہ خانخاناں نے خود قبول کرلی۔ وہ راتوں کو فوج کا دستہ لیے جنگلات کی سمت گھومتا پھرتا رہتا۔ راہ میں کئی بار شب خون کی معرکہ آرائی ہوئی اور ہر بار میر جملہ خانخاناں نے آسامیوں کو شکست دی۔

دوران سفر ہی آغر خان نے عزت الاسلام کی اہمیت کو محسوس کرلیا، میر جملہ خانخاناں اس پر بہت زیادہ اعتبار کررہا تھا، یہاں تک کہ آغر خان کو تقریباً نظر انداز کردیا تھا۔ خانخاناں کے اس طرزِ عمل نے آغر خان کے ساتھ اس کے مغل ساتھیوں کو بھی شاکی کردیا تھا۔

کئی بار آسامیوں نے ہاتھیوں کو مغلوں کی طرف دھکیل دیا لیکن مغلوں نے مل جل کر اس دباؤ کو بھی شکست دے دی۔

دو ہفتے بعد یہ لوگ بھیم گڑھ کے قلعے کے سامنے پہنچ گئے، عزت الاسلام کے مشورے اور خانخاناں کے حکم پر مغل افواج نے قلعے سے اتنی دور پڑاؤ کیا کہ جہاں سے توپوں کی مار کارگر ہوسکتی تھی۔ یہاں پہنچ کر حملہ آور فوج کی کمان عزت کے سپرد کردی گئی اور میر مرتضیٰ امیر توپ خانہ کو خانخاناں کی طرف سے خفیہ حکم مل گیا کہ وہ عزت الاسلام کے حکم کے مطابق گولہ باری کرے گا۔

عزت الاسلام نہایت ہوشیاری سے قلعے کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ بھیم گڑھ کے قلعے پر کس طرف سے حملہ کیا جائے جو مفید اور کارگر ثابت ہو۔ آغر خان تماشائیوں کی طرح عزت الاسلام کی حرکات و سکنات پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھا۔ عزت الاسلام کبھی کبھی آسامی بچے کو کاندھے پر بٹھائے بھیم گڑھ کے قلعے کے سامنے سے گزرتا رہتا۔ خانخاناں نے پوچھا "اس آسامی بچے کو کاندھے پر لیے پھرنے کا مقصد؟ کیا یہ مشاہدے اور معائنے میں حارج نہیں ہو رہا؟"

عزت الاسلام نے مسکرا کر جواب دیا "خانخاناں! میں اس بچے کے ذریعے آسامیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کررہا ہوں کہ اگر مغل فوج نے بھیم گڑھ کو فتح کرلیا تو وہاں کے بچوں اور کمزوروں پر رحم کیا جائے گا، اور اگر میرا اندازہ غلط ہے تو دو چار دن میں چند آسامیوں کو میرے پاس آنا چاہیے، جو مجھ سے میری اس حرکت کی وجہ معلوم کریں گے، اگر ایسا ہوگیا تو گویا میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگیا، میں ان آنے والے آسامیوں کے ذریعے بھیم گڑھ والوں کو ورغلا سکوں گا۔ انہیں غداری پر آمادہ کرلوں گا اور اس طرح یہ قلعہ بڑی آسانی سے سر کرلیا جائے گا۔"

خانخاناں نے کہا "غوث الاسلام! جو کام کرو نہایت احتیاط سے کرو۔"

ابھی مغل افواج کو قیام کئے ہوئے ایک ہی دن گزرا تھا کہ مطلع ابر آلود ہو گیا، ہوا ایک دم رک گئی۔ سردی بڑھ گئی۔ آناً فاناً تاریکی اتنی بڑھ گئی کہ مغلوں کو اپنے خیموں میں مشعلیں اور شمعیں روشن کرنی پڑ گئیں۔

عبداللہ نے آغر خان کو مطلع کیا کہ یہ آثار کسی بڑے طوفان کی آمد کا پتہ دے رہے ہیں۔

یہی بات غوث الاسلام نے خانخاناں سے کہی۔ خانخاناں نے میر مرتضیٰ کو حکم دیا کہ توپ اور گولوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ کہیں بارش انہیں بیکار نہ کر دے۔

سہ پہر کو ہوا سنکی اور بتدریج تیز ہونے لگی۔ پھر موسلادھار بارش شروع ہو گئی اور اسی بارش میں اولے بھی گرنے لگے، اولوں کی وجہ سے سردی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ طوفان۔ باد و باراں میں انسانی آوازیں یوں سنائی دے رہی تھیں گویا کوئی میلوں دور سے آوازیں دے رہا ہے۔ گھوڑے ہنہنانے لگے اور ان کی آوازیں بھی بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں دریا کی موجوں میں خوفناک تلاطم اٹھا اور کشتیاں اور نواڑے تنکوں کی طرح ہلنے ڈولنے لگے میر مرتضیٰ اور دوسرے ذمہ دار فوجی اپنے ماتحتوں کو احتیاطی احکام چیخ چیخ کر دے رہے تھے، سردی اتنی بڑھ گئی تھی کہ آدمی اور مویشی یکساں ٹھٹھرنے اور سسکنے لگے۔ غوث الاسلام نے آسامی بچے کو کمبلوں میں چھپا دیا۔ آغر خان نے جہانگیری کے لیے کئی کمبل بھجوائے اور کہلوایا کہ "انہیں اوڑھ کر دبک جائیے!" جہانگیری اس نوازش سے بہت خوش ہوئی۔

خانخاناں اس طوفان میں سر کو خود اور جسم کو زرہ بکتر میں چھپا کر ہر طرف بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ اس نے دریا کی سطح پر کئی مرتبہ بجلی گرتے دیکھی، تیز و تند ہواؤں نے کئی کشتیوں کو الٹ دیا۔ گھوڑے مرنے لگے۔ بعض گھوڑے اصطبل سے نکل بھاگے اور ادھر ادھر بھاگتے ہوئے کھڈوں میں گر گئے یا زنی اولوں کی چوٹ سے ڈھیر ہو گئے۔

خانخاناں نے اس طوفان میں چند آسامیوں سے غوث الاسلام کو باتیں کرتے دیکھ لیا وہ شاید یہ منظر نہ دیکھ سکتا لیکن بجلی کی چمک میں اس نے غوث کو ایک چٹان کی آڑ میں چند آسامیوں سے باتیں کرتے دیکھا۔ خانخاناں حیران تھا کہ اس کے لشکر میں تو تباہ کاری مچی ہوئی ہے اور ایسا لگتا ہے گویا غنیم تہ و بالا کر کے چلا گیا ہو اور یہ آسامی نہایت اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد جب کوئی شخص اس کے پاس سے گزرا تو خانخاناں نے حکم دیا۔ "اے شخص رک جا، تو کون ہے؟"

وہ شخص رک گیا اور جواب دیا۔ "خانخاناں! میں ہوں عزت الاسلام، کام ہو گیا۔"
خانخاناں نے جواب دیا۔ "خدا ہم سب پر رحم کرے۔ معلوم نہیں ابھی کتنی دیر اور یہ طوفان رہے گا کون سا کام ہو گیا؟"
عزت الاسلام نے جواب دیا۔ "میں نے چند ذمہ دار آسامیوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ہم اس قلعے کو فتح کیے بغیر واپس نہیں جا رہے اور ہم سے جنگ کرنے کا مطلب ہے موت سے جنگ کرنا اس لیے اگر قلعے کو معمولی مقابلے کے بعد ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم بھیم گڑھ والوں سے رحم دلانہ اور ہمدردانہ سلوک کریں گے اور اگر ہم نے اس قلعے کو بزور قوت فتح کر لیا تو یہاں کی آبادی کو عفو و رحم کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔"
خانخاناں نے پوچھا۔ "پھر ان لوگوں نے کیا جواب دیا؟"
عزت نے جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ قلعے ہم باآسانی قبضہ کرا دیں گے۔"
خانخاناں نے دعا کی۔ "خدا ہمیں کامیاب کرے۔"
عزت نے جواب میں آمین کہی۔
طوفان نے کئی گھنٹے تباہ کاریاں مچائیں اور آخر جب حالات پھر سکون ہوتے تو میر جملہ خانخاناں اور آغر خان وغیرہ اپنے نقصان کا اندازہ لگانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کی لاشیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں خیموں کے اندر اور باہر انسانی لاشیں بھی کثیر پڑی تھیں۔ خانخاناں اور آغر خان کو بڑا دکھ ہوا لیکن عزت الاسلام نے میر جملہ کو یقین دلایا کہ عنقریب ایک بہت بڑی خوشی ملنے والی ہے اس لیے اس نقصان پر آنسو نہ بہاتے جائیں۔
بھاگیرتی بھیم گڑھ پر حملے کے خلاف تھی، اس نے آغر خان سے ایک بار پھر درخواست کی کہ بھیم گڑھ میں جنگ نہ لڑی جاتے لیکن آغر خان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس جنگ کی کمان عزت کے ہاتھ میں ہے، اس سے رکوائی جائے۔
بھاگیرتی عزت الاسلام کے پاس اگلے محاذ پر پہنچ گئی اور اسے ملامت کرتے ہوئے کہا۔ "او بے غیرت انسان! اب اپنے ہی وطن کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔"
عزت نے گھوم کر بھاگیرتی کی طرف دیکھا، بولا۔ "بھاگیرتی! میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا، اس لیے مجھ سے نہ الجھ، ورنہ نقصان اٹھائے گی۔"
بھاگیرتی نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "او سخت دل ظالم انسان! ذرا سوچ تو سہی

ہم دونوں کا خمیر اس مٹی سے تیار ہوا تھا، ہم نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں، ہوش سنبھالا اور جوان ہو گئے، ہم نے اسی کے پھل کھائے اس کی فضا میں سانسیں لیں اور یہیں کے چشموں کا پانی پیا۔ جمرھرا تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سچ سچ بتا کیا یہ ہمارا وطن نہیں ہے، کیا یہاں کی مٹی میں کوئی کشش، کوئی جاذبیت نہیں ہے، کیا تو اپنی ماں پر حملہ آور ہو سکتا ہے جبکہ گڑھ تیری مادرِ وطن ہے۔ کچھ تو اس کا خیال کر۔"

عزت نے اس کی باتوں میں بھموکی نرمشی محسوس کی، آسام کی فصلوں کی خوشبو، مٹی کا سوندھا پن اور چشموں کے پانی کی مٹھاس اپنے منہ میں اور پھر پورے جسم میں محسوس کی۔ وہ ہل گیا، لرز گیا۔ بولا "کھاگیرتی! جس مادرِ وطن کی تو تعریفیں کر رہی ہے، اس نے مجھ کو دیا کیا؟ دیس نکالا۔ میں مغلوں میں چلا گیا، میں مسلمان ہو گیا۔ اب مجھ پر اسلام کا حق ہے، مغلوں کی نمک خواری کا حق ہے اور میں ان حقوق کی ادائیگی پر مجبور ہوں۔"

کھاگیرتی نے التجا کی۔ "خوب اچھی طرح سوچ لے پہلے۔"

عزت نے جواب دیا۔ "میں نے خوب سوچ لیا ہے اور اب مزید سوچنے کی سکت نہیں۔"

کھاگیرتی مایوس ہو کر چلی گئی اور عزت خیمے کے ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔

* * *

عزت الاسلام نے فوج کو تیار کر کے آدھی رات کے بعد آگے بڑھنے کا حکم دیا، وہ انہیں لے کر قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ عزت الاسلام نے کہا "آسامی یہ شبہ تک نہیں کر سکتے کہ ہم لوگ صدر دروازے سے حملہ آور ہوں گے، اور یہی ان کا کمزور ترین محاذ ہے۔" پھر میر مرتضیٰ سے کہا۔ "میر مرتضیٰ گولہ باری کے لیے تیار ہو جاؤ کیونکہ گولہ باری انہیں بدحواس اور مایوس کر دے گی۔"

میر مرتضیٰ بھی اپنے توپ خانے کے ساتھ آگے بڑھا۔

جب یہ لوگ چھپتے چھپاتے، بچتے بچاتے قلعے کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں غضب کا سکوت پایا۔ قلعے اور مغل افواج کے درمیان ایک خندق حائل تھی اور اس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

عزت الاسلام نے میر مرتضیٰ کو حکم دیا کہ گولہ باری شروع کر دی جائے اور اس وقت تک جاری رہے جب تک میں دوسرا حکم نہ دوں۔

ایک دوسرے سردار دلیر خان نے پوچھا۔ "اس کا فائدہ؟"

عزت الاسلام نے کہا "قلعے والوں کی توجہ اِدھر ہی رہے گی اور ہم ان پر دوسری طرف سے حملہ کر کے قلعے کے اندر داخل ہو جائیں گے۔"

دلیر خان کو یہ ترکیب پسند آئی لیکن آغر خان نے دبے لفظوں میں کہا "میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔"

عزت الاسلام نے چڑ کر جواب دیا "سردار آغر خان! تو ہر جگہ مجھ سے اختلاف رکھتا ہے، حالانکہ آج میں یہ ثابت کرنے پر تلا ہوا ہوں کہ میں دوسرے کئی سرداروں سے زیادہ اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہوں۔"

آغر خان نے کہا "زیادہ باتیں نہ بنا، عزت الاسلام، میں تیری ان باتوں کا عنقریب بہت اچھا جواب دوں گا۔"

عزت الاسلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "آغر خان! جواب تو نہیں میں دوں گا، تو وقت کا انتظار کر، کھرا کھوٹا ہم سب کے سامنے آ جائے گا۔"

آغر خان نے کہا "مت گھبرا، بہادری یہی ہے، تو کیا ہے اور کیا چاہتا ہے، میں سمجھ چکا ہوں، اللہ نے چاہا تو میں تجھے بہت جلد بے نقاب کروں گا۔"

دلیر خان نے کہا "بہادرو! آپس میں مت الجھو اور مل جل کر اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کرو۔"

میر مرتضیٰ نے اچانک گولہ باری شروع کر دی اور قلعے میں کھلبلی مچ گئی۔ فصیلوں پر برساتے سے نظر آنے لگے اور ادھر سے بھی گولہ باری ہونے لگی، لیکن میر مرتضیٰ کی گولہ باری زیادہ شدید تھی اور فصیل کی گولہ باری بہت معمولی۔ عزت الاسلام گولہ باری کا حکم دے کر دوسری طرف چلا گیا اور قلعے کے کمزور حصوں کو تلاش کرنے لگا۔

ابھی دونوں طرف سے گولہ باری جاری تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور دونوں حریف ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر ہو گئے۔

آغر خان، دلیر خان کو لے کر ایک طرف چلا گیا اور کہا "دلیر خان! عزت الاسلام کے سلسلے میں تو مجھ سے تعاون کر۔"

دلیر خان نے پوچھا "کس قسم کا تعاون؟ عزت الاسلام تو حملہ آور فوج کا کمانڈر ہے!"

آغر خان نے کہا "اس کے باوجود، میں جب اشارہ کروں، عزت الاسلام کو گرفتار کر لیا جائے۔"

دلیر خان کی سمجھ میں آغر خان کی باتیں نہیں آرہی تھیں۔
غوث الاسلام گھوڑا دوڑاتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا اور میر مرتضیٰ کو حکم دیا۔
"میر مرتضیٰ دشمن بدحواس ہو چکا ہے اور میں نے قلعے میں داخلے کا راستہ تلاش کر لیا ہے تو گولہ باری جاری رکھ، اور میری آواز کا انتظار کر، میں اندر داخل ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کر دوں گا، یہ اس کا اعلان ہو گا کہ مغل فوجیں قلعے میں داخل ہو چکی ہیں!"
میر مرتضیٰ نے جواب دیا۔"لیکن اس دھواں دھار بارش میں گولہ باری سے حاصل کیا ہو گا؟"
غوث الاسلام نے بگڑ کر کہا۔"میں قلعے والوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہوں۔"
میر مرتضیٰ نے جواب دیا۔"بہتر ہے، میں گولہ باری جاری رکھوں گا۔"
غوث الاسلام نے اپنے دستے کو برہمپترا کے کنارے ٹھہرا دیا اور کہا۔"تم لوگ یہیں رک کر گے، میں تنہا قلعے کے اُس حصے کی طرف جا رہا ہوں، جہاں سے داخلہ آسان ہے پھر میں جیسے ہی گولی چلاؤں تم لوگ گولی کی سمت بھاگ کر آجانا۔"
غوث الاسلام نے اپنے دستے کو دریا کے کنارے کھڑا کیا اور خود قلعے کی سمت چلا گیا وہاں درختوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اگر وہ چھپتا چھپاتا بھاگیرتی کے پاس جاتے تو مغل اس کو دیکھ تو نہیں سکیں گے۔ جنگلات اور دھواں دھار بارش نے بڑی اچھی پردہ داری قائم کر رکھی تھی۔ یہ جنگل کے اندر ہی اندر سفر کرتا ہوا میر جملہ اور محفوظ فوج کے خیموں تک پہنچ گیا، بارش کی وجہ سے مغل اپنے خیموں میں دبکے ہوئے تھے۔ غوث نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا اور بچتا بچاتا، چھپتا چھپاتا بھاگیرتی کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ بھاگیرتی نے اس کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔ پوچھا۔"جمدھر! یہ تو بے وقت کیوں آ گیا؟"
غوث نے جواب دیا۔"بھاگیرتی! آج میں اپنے دامن سے ان دھبوں کو دھو دوں گا۔ جو اپنے مادرِ وطن، تمدن، اپنی قوم اور اپنے راجا کے خلاف محاذ آرائی اور راہنمائی کی وجہ سے میرے دامن پر لگ گئے تھے۔ میں تجھے لینے آیا ہوں، میرے ساتھ چل بھاگیرتی!"
بھاگیرتی نے پوچھا۔"تو کیا کہہ رہا ہے جمدھر، میں تیرا مطلب نہیں سمجھی!"
غوث نے جواب دیا۔"بھاگیرتی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں سب کچھ تجھے بتا دوں گا۔ تو میرے ساتھ جلدی چل!"
بھاگیرتی نے پوچھا۔"لیکن تو مجھے کہاں لے جائے گا؟"

عزت نے جواب دیا" بھیم گڑھ۔ جہاں میری ماں اور میری بہن رہتی ہے۔ جہاں میرا ماما اور تیرا باپ راکھن پال جی رہتا ہے، اس بھیم گڑھ واپس چل، جس کی مٹی سے ہمارا خمیر اٹھا اور جس کی آب و ہوا میں ہم نے جنم لیا تھا، جس کے پھلوں کا رس ہمارے جسم میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔"

بھاگیرتی نے پوچھا" کیا بھیم گڑھ فتح ہو گیا؟ کیا مغل فوجیں قلعے کے اندر داخل ہو گئیں؟"

عزت نے جواب دیا" نہیں، اب مغل فوجیں بھیم گڑھ میں داخل نہیں ہو سکیں، بھیم گڑھ مغلوں کا قبرستان ہے، مغلوں کا شمشان ہے میں نے بھیم گڑھ والوں کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا ہے۔ مغلوں کا امیر توپ خانہ میر مرتضیٰ میرے حکم پر گولہ باری شروع کر چکا ہے اور یہ گولہ باری اس وقت تک جاری رہے گی جب تک میں میر مرتضیٰ کو گولہ باری بند کرنے کا حکم نہیں دوں گا اور میں یہ حکم کبھی نہیں دوں گا کیونکہ میں بھیم گڑھ میں داخل ہو کر مغلوں کو بھول جاؤں گا۔ میر مرتضیٰ قلعے کے بیکار حصے پر مسلسل گولہ باری کر کے اپنے گولے ضائع کر چکا ہو گا اور آخر میں بھیم گڑھ کی افواج قلعے سے نکل کر مغلوں پر گولہ باری کر کے تباہ برباد کر دے گی اور میر جملہ اور اس کی افواج یہاں سے واپس بھی نہیں جا سکیں گی۔"

بھاگیرتی نے کہا" یہ تو غداری ہے، یا تو تو دونوں کا ساتھ نہ دیتا اور غیر متعلق ہو جاتا لیکن تو نے مغلوں کا نمک کھایا ہے اور اب ان کو دھوکا دینا صریحاً غداری ہے۔"

عزت ہنس دیا۔" بھاگیرتی! اگر میں مغلوں کا ساتھ دوں تو اپنی قوم اور وطن کا غدار کہلاؤں اور اگر اپنی قوم اور وطن کا ساتھ دوں تو مغلوں کا غدار کہلاؤں۔ لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں مغلوں کے ظلم و ستم سے اپنے وطن اور اپنی قوم کو بچا رہا ہوں۔ براہ کرم تو آسامی بچے کو لے آ، تاکہ میں اس کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔"

بھاگیرتی نے سختی سے جواب دیا" لیکن میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی!"

عزت نے کہا" میں تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس لیے تجھ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

بھاگیرتی تن کر کھڑی ہو گئی۔ بولی۔" میں نے ایک بار جو کہہ دیا کہ میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی اور اگر تو ضد کرے گا اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہے گا، تو میں شور کر کے تیری غداری کا بھانڈا پھوڑ دوں گی۔"

عزت لرز گیا اور مزید کوئی بات کہے بغیر وہ خیمے سے نکل گیا۔ وہ آسامی بچے

کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔ عزت دھواں دھار بارش میں قلعے کے پیچھے پہنچ گیا۔ گولہ باری کی آواز سے زمین لرز رہی تھی اور پہاڑی چٹانیں کانپ رہی تھیں۔ وہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت آغرخان اس کے سر پر پہنچ گیا اور حکم دیا "عزت الاسلام تو خود کو میرے حوالے کر دے۔ میں تجھ کو گرفتار کرتا ہوں۔"

عزت نے سختی سے جواب دیا "آغرخان! میں اس محاذ آرا فوج کا کمانڈر ہوں اور تو میرا ماتحت ہے!"

آغرخان نے کہا "تو غدار ہے اور ایک غدار میرا امیر اور مغل فوج کا کمانڈر نہیں ہو سکتا۔"

عزت الاسلام نے دھوکے سے آغرخان پر وار کر دیا لیکن آغرخان نے وار بیکار کر دیا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا کر عزت الاسلام کو ٹکر مار دی۔ وہ زمین پر گر گیا۔ اس کے گرتے ہی آغرخان نے چھلانگ لگا دی اور اس کو دبوچ لیا اور مکوں کی بارش شروع کر دی۔ عزت نے بھی جوابی کارروائی کرنا چاہی لیکن آغرخان نے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔

دلیرخان اور چند دوسرے مغل بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ ایک آدمی میر جملہ کے پاس روانہ کر دیا گیا اور عزت کی سازش کو بے نقاب کر دیا گیا۔ میر جملہ بھاگا بھاگا آیا اور بندھے ہوئے عزت الاسلام سے پوچھا "او دشمنِ خدا! یہ تو نے کیا کیا؟" عزت نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میر جملہ نے اور زیادہ درشتی سے کہا "تو نے یہ غداری کیوں کی؟ تو نے مغلوں کے نمک کا یہ صلہ دیا!"

عزت نے جواب دیا "میں نے کوئی غداری نہیں کی۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے تمدن کے حق میں مغلوں کے خلاف کام کیا، پھر میں غدار کس طرح ہو گیا۔ خانخاناں! اگر کوئی طاقت مغلوں کے ملک پر حملہ آور ہوا اور حملہ آور فوج میں میری طرح کوئی مغل بھی موجود ہوا اور وہ مغلوں کے حق میں کوئی کام کر گزرے تو کیا یہ مغل قوم اس کو غدار کہہ سکتی ہے؟"

میر جملہ نے کہا "جنگ کے بعد تیرا فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت تک تو حراست میں رہے گا۔"

اس کے بعد فوج کی کمان آغرخان کے سپرد کر دی گئی۔

اس وقت تک مغلوں کا خاصا نقصان ہو چکا تھا اور موسلا دھار بارش نے اور

زیادہ بے کار کر رکھا تھا۔ میر جملہ نے جنگ کا نقشہ دیکھا تو مایوس ہو گیا، اور اس نے آغر خان کو مشورہ دیا۔" آغر خان! میرا خیال ہے کہ فی الحال جنگ کو بند کر دیا جائے اور از سر نو تیاری کر کے دوبارہ حملہ کیا جائے۔"

آغر خان نے جواب دیا۔" خانخاناں! میں اسی جنگ کو فیصلہ کن بنا دوں گا۔"

خانخاناں نے اعلان کیا۔" عوث الاسلام کی طرح آغر خان کو بھی معزول کیا جاتا ہے، اب دلیر خان تمہارا امیر ہے۔ آغر خان سرکش ہے، مشورے نہیں مانتا۔"

خانخاناں کے اعلان نے آغر خان کو مایوس کر دیا۔ اس نے کہا۔" خانخاناں! تم نے مجھ پر بہت ظلم کیے ہیں۔ اب میں یا تو اس جنگ اپنی جان دے دوں گا یا پھر فتح حاصل کر لوں گا۔"

آغر خان نے چند مغلوں کو ساتھ لیا اور پانی سے بھری ہوئی خندق میں چھلانگ لگا دی۔ میر جملہ حیرت سے یہ منظر دیکھتا رہا، پھر دلیر خان سے کہا۔" اس سرپھرے کے پیچھے جا اور اس کی مدد کر، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آغر خان کے بڑھتے ہوئے قدم واپس نہیں آتے۔"

دلیر خان بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت خندق میں کود گیا۔ قلعے کی فصیل سے گولہ باری جاری تھی لیکن آغر خان اور دلیر خان کی خوش قسمتی تھی کہ دھواں دھار بارش کی وجہ سے وہ خندق کو پھاندتے ہوئے دیکھے نہیں جا سکے۔ آغر خان اور دلیر خان اپنے مغل ساتھیوں کو لے کر خندق کی دوسری طرف نکل گئے۔ یہاں ان لوگوں نے وہ جگہ تلاش کر لی جہاں سے فصیل پر چڑھا جا سکتا تھا، آغر خان آگے آگے تھا، وہ فصیل پر چڑھتا چلا گیا، اس کے پیچھے دلیر خان اور دوسرے مغل تھے، ان لوگوں نے فصیل پر چڑھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیا۔ آسامیوں نے انہیں فصیل پر جو دیکھا تو بدحواس ہو گئے، ان کو شبہ گزرا کہ مغل فوجیں شاید قلعے میں داخل ہو چکی ہیں، چنانچہ ان کے حوصلے اکھڑ گئے اور وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، آغر خان اور دلیر خان انہیں دوڑا دوڑا کر مار رہے تھے۔ چند مغلوں نے پھاٹک کھول دیا۔ خندق کے پار مغلوں کو غیرت آئی اور وہ لوگ بھی خندق کو کود کر پار کرنے لگے۔ آسامی راہ فرار اختیار کرنے لگے۔

میر جملہ کا خوشی سے عجیب حال تھا۔ مغل فوجیں بڑی تیزی سے قلعے میں داخل ہو رہی تھیں، ان کے ساتھ میر جملہ خانخاناں قلعے میں داخل ہو گیا اور فصیل پر کھڑے ہو کر اذان دے دی، یہ اذان گویا اعلان فتح مندی تھا، جس نے مغلوں کے حوصلے بڑھا دیئے، مگر اسامیوں کے گھٹا دیتے!

راجا فرار ہو چکا تھا۔ میر جملہ کو اس کے نکل جانے کا بڑا ملال تھا۔ وہ آغر خان اور دلیر خان

کے پاس پہنچا، بولا "دلیر خان! تو نے قلعے میں داخل ہو جانے میں جس بہادری اور شجاعت کا اظہار کیا ہے۔ میں اس کی داد نہیں دے سکتا۔"

دلیر خان نے جواب دیا "خانخاناں! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ خندق میں اترنے میں جس شخص نے پہل کی ہے وہ آغز خان ہے!"

خانخاناں نے منہ پھیر لیا اور بدستور کہا "بہرحال دلیر خان تو اسم با مسمیٰ ہے۔"

آغز خان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مایوس ہو گیا۔ ★

بھیم گڑھ میں مغل فوجیں داخل ہو گئیں۔ آسامی کبھی کبھی شب خون مار کر فرار ہو جاتے تھے، لیکن آغز خان نے ان کی تلاش میں ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیا قلعے کے ایک حصے میں خانخاناں مقیم ہو گیا اور یہیں غوث الاسلام کو طلب کر لیا۔ دلیر خان اور رہبر تضی یہاں موجود تھے لیکن آغز خان غائب تھا۔

خانخاناں نے غوث الاسلام سے جواب طلب کیا "او بدبخت کلتانی! اب بتا تو نے یہ کیوں کیا؟"

غوث الاسلام نے جواب دیا "میرے پاس تیرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

خانخاناں نے کہا "کیا تو جانتا ہے کہ غداری کی سزا کیا ہے؟"

غوث نے جواب دیا "موت! کیوں نہیں جانتا۔"

خانخاناں نے افسوس کیا "مجھے، تجھ پر رحم آ رہا ہے لیکن جرم بہت سنگین ہے!"

خانخاناں نے پوچھا "تیری کوئی خواہش؟"

غوث نے جواب دیا "میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی کو مجھ سے ملا دیا جائے!"

خانخاناں نے بھاگیرتی کو بلوا دیا۔ غوث نے کہا "بھاگیرتی! یہ میرا آخری وقت ہے اگر قسمت میرا ساتھ دے جاتی تو اس وقت میں اپنے وطن اور اپنی قوم کا ایک بڑا آدمی ہوتا لیکن اب بھی میں بڑا آدمی ہوں!"

بھاگیرتی اس کی باتیں بڑے غور سے سنتی رہی، آخر میں جواب دیا "جمدھر! تو اپنی قوم اور مغل، دونوں کا ہی غدار ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر تو اپنی قوم اور ملک کے خلاف مغلوں کی راہنمائی نہ کرتا تو اچھا تھا، اسی طرح جب تو نے مغلوں کا نمک کھایا تھا تو انہیں دھوکا بھی نہیں دینا چاہیے تھا!"

عزت نے پوچھا "بھاگیرتی! تیرا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے معاف کر دیا جائے گا؟"
بھاگیرتی نے جواب دیا "شاید نہیں، ویسے میں مغلوں کو تجھ سے زیادہ نہیں جانتی۔"
عزت کی آنکھیں بھر آئیں۔ بولا "بھاگیرتی! جہانگیر نگر میں میری ایک بیوی اور ایک بچی ہے، میرے مرنے کے بعد ان دونوں کا معلوم نہیں کیا حشر ہو گا؟"
بھاگیرتی اس کی صورت دیکھتی رہی۔
عزت نے کہا "بھاگیرتی! میری تجھ سے ایک درخواست ہے!"
بھاگیرتی نے پوچھا "کون سی درخواست؟"
عزت نے جواب دیا "آغر خان میرا بدترین دشمن ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں، میری خواہش ہے کہ تو اس سے شادی نہ کر۔"
بھاگیرتی نے کہا "تیری نفرت سے میرا کیا تعلق؟ میں نے تو اس بہادر کو اپنا دل دے دیا ہے اور افسوس ہے کہ میں تیری خاطر اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتی۔"
عزت چند لمحے تک بھاگیرتی کو گھورتا رہا، اس کے بعد آہستہ سے کہا "اب تو جا سکتی ہے، تیری مرضی!"
جب وہ چلی گئی تو عزت نے خانخاناں سے کہا "خانخاناں! میں آغر خان سے ملنا چاہتا ہوں!"
خانخاناں نے ایک خدمت گار کو حکم دیا "آغر خان کو بلایا جائے۔"
اور آغر خان کے آنے سے پہلے ہی خود وہاں سے ہٹ گیا۔ آغر خان آیا تو عزت نے گرمجوشی سے سلام کیا۔ آغر خان نے بڑی سرد مہری سے سلام کا جواب دیا۔
عزت نے کہا "آغر خان! تو ایک بہادر انسان ہے، میں نے تجھ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ مرنے سے پہلے تیرا ایک احسان لے لوں۔"
آغر خان نے بے مروتی سے کہا "جو کچھ کہنا چاہتا ہے، جلد کہہ دے، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے!"
عزت نے ہچکچاتے ہوئے کہا "سنا ہے بھاگیرتی تجھ سے محبت کرتی ہے۔"
آغر خان نے بے رخی سے کہا "کرتی ہو گی، پتہ نہیں۔"
عزت نے خوشامدانہ کہا "وہ میرے ماما لکھن پال جی کی لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو اس سے شادی نہ کرے۔ اگر میرے مرنے کے بعد تو نے اس سے شادی کر لی تو میری روح مستقل عذاب میں گرفتار رہے گی۔"

آغرخان نے جواب دیا۔ "غوث! مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں اس سے شادی کروں گا یا نہیں۔ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میری طبیعت اس سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔"

دو ساعت بعد خانخاناں کے حکم پر غوث کو قتل کر دیا گیا۔

✻ ✻ ✻

خانخاناں مفرور راجا کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا لیکن آغرخان اس کی سرد مہری سے تنگ آ چکا تھا اور اب وہ مزید خانخاناں کے زیرِ فرمان نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس کو بھاگیرتی پر رحم آ رہا تھا۔ اس نے عبداللہ کے ذریعے بھاگیرتی کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ دونوں ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہیں، اس لیے یہ چیز بہت تنگ کرے گی، دوسری بات یہ کہ ایک آغرخان کے لیے اس کو اپنا ملک، قوم اور خاندان کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنا ہوگا، دوسرے یہ کہ آغرخان ایک سپاہی ہے اور پتہ نہیں آسام کے بعد اس کو کس دور دراز محاذ پر جانا پڑ جائے، وہ کسی مہم میں مارا بھی جا سکتا ہے اور اگر وہ کھیت رہ گیا تو اس کی عدم موجودگی میں بھاگیرتی کا حشر کیا ہوگا۔

ان تمام باتوں کا بھاگیرتی کے پاس صرف ایک ہی جواب تھا۔ "میں زیادہ سوچنے کی عادی نہیں ہوں، محبت قربانیاں مانگتی ہے اور میں ہر قربانی دینے کا خود کو اہل سمجھتی ہوں۔"

آغرخان نے کہا۔ "اچھا! تو پھر کچھ اور سوچنے دے۔"

بھاگیرتی نے ہنس کر طنز کی۔ "بس زندگی بھر سوچتا ہی رہ!"

آغرخان ساری رات کروٹیں بدلتا رہا، صبح نمازِ فجر سے پہلے اٹھا، نماز پڑھی اور چند مغل دوستوں کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر خانخاناں کے محل کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنی جیب میں کاغذ، ایک قلم اور دوات پہلے ہی سے رکھ لی تھی۔ خانخاناں نمازِ فجر پڑھ کر مجید کی تلاوت میں مشغول تھا، آغرخان اپنے مغل دوستوں کے ساتھ محل کے دروازے پر

تو پہرے داروں نے ان کو روکنا چاہا، مگر آغرخان نے ان کو دور رہی سے دھمکایا۔ "میری راہ سے ہٹ جاؤ ورنہ تمہیں گھوڑوں سے روند کر رکھ دوں گا!"

دربان ہٹ گئے اور آغرخان اور اس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے خانخاناں کے سر پر پہنچ گئے۔ خانخاناں انہیں اپنے سر پر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ وہ آغرخان سے خائف تھا۔

آغر خان نے کہا "خانخاناں! تو مجھ سے بات نہیں کرنا، تو نہ کر، مجھ کو کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ میں زندگی کا وہ مطلب نہیں لیتا جو عموماً لیا جاتا ہے۔ میں اب دہلی واپس جانا ہتا ہوں۔ اس لیے تو مجھ کو پروانہ راہداری لکھ دے۔"

خانخاناں نے ٹالنے کی کوشش کی "آغر خان! اس وقت تو کوئی منشی بھی نہیں جس سے تیرا پروانہ راہداری لکھوا دوں۔"

آغر خان نے جواب دیا "خانخاناں! میری دلی خواہش ہے کہ امیر اپنے ہاتھ سے 'دستک' (پروانہ راہداری) لکھ دیں، یہ میرے لیے اعزاز ہوگا۔"

خانخاناں نے کہا "اس وقت تو یہاں نہ کاغذ ہے، نہ قلم نہ دوات، میں دستک ھوں تو کس طرح اور کس چیز پر لکھوں۔"

آغر خان نے اپنی جیب سے کاغذ، قلم، دوات نکال کر خانخاناں کے سامنے رکھ دیئے ر درخواست کی "میں یہ اعزاز نامہ لے کر ہی جاؤں گا۔"

خانخاناں نے آغر خان کے چہرے پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور ان عزائم کو پڑھ لیا جو غر خان لے کر آیا تھا، وہ خوب جانتا تھا کہ اگر آغر خان کو پروانہ راہداری نہیں دیا گیا تو یہ رکش انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔ خانخاناں نے فوراً ہی 'دستک' لکھ کر آغر خان کے حوالے کر دی غر خان نے اس پر خانخاناں کی مہر بھی لگوائی۔

یہاں سے اٹھ کر وہ عبداللہ کے پاس پہنچا اور اس کو تخلیہ میں سمجھایا "عبداللہ! ں دہلی جا رہا ہوں۔"

عبداللہ نے حیرت سے پوچھا "کیا خانخاناں نے راجا کے تعاقب کا ارادہ ترک لیا ہے؟"

آغر خان نے جواب دیا "نہیں، خانخاناں تو یہیں رہے گا۔ میں جا رہا ہوں کیونکہ میں ۔جملہ کی سرد مہری کو زیادہ دنوں تک نہیں برداشت کر سکتا۔"

عبداللہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "کیا بھاگیرتی آپ کے ساتھ جائے گی؟"

آغر خان نے جواب دیا "نہیں، اس سلسلے میں تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں، ورنہ تجھ بتائے بغیر ہی چلا جاتا۔" عبداللہ گونگوں کی طرح آغر خان کو تکنے لگا۔

آغر خان نے سمجھایا "عبداللہ! تو تین دن تک میری روانگی کی خبر کو بھاگیرتی سے ئے رکھے گا۔ چوتھے دن اس کو تو صاف صاف بتا دے گا کہ میں ہمیشہ کے لیے آسام سے اور اب کبھی بھی ادھر نہیں آؤں گا۔ اس کو اپنے طور پر یہ سمجھانا کہ وہ جذبات میں آ کر

خود کو تباہ کیے دے رہی ہے کیونکہ مجھ سے شادی کر کے وہ خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ میں پیشہ سپاہ گری کا انسان، ملکوں ملکوں، شہروں شہروں، تلوار بکف گھوڑے دوڑانے والا انسان بھاگیرتی کو وقت بھی تو نہیں دے سکتا تھا، میری عدم موجودگی میں اس کو ایک ایسے ماحول میں رہنا پڑتا، جس کی زبان، مذہب، تمدن، ہر چیز اس سے مختلف ہوتی اور وہ ہماری خواتین کے حسد کا بھی شکار ہو جاتی۔"

عبداللہ نے دبے لفظوں میں کہا "سردار! وہ بڑی جذباتی لڑکی ہے، آپ کی روانگی اور آپ کی جدائی کا صدمہ اس کو برباد کر کے رکھ دے گا۔"

آغر خان نے سختی سے کہا "تو اس کو سمجھاتے گا۔"

عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

آغر خان اپنے چند مغل دوستوں کے ساتھ خانخاناں سے جدا ہو گیا اور جہانگیر نگر روانہ ہو گیا، جہاں سے اس کو دہلی جانا تھا۔ آسام کو چھوڑتے ہوئے اس کا دل دکھ رہا تھا کہ بھاگیرتی کی معصومیت بار بار اس کے پاؤں پکڑ رہی تھی لیکن وہ دل پر جبر کر کے جا رہا تھا۔

بھاگیرتی آغر خان کو تلاش کرتی رہی۔ مغل اس کی زبان نہیں جانتے تھے اس لیے وہ کسی سے پوچھ بھی نہ سکی تھی۔ وہ عبداللہ کو تلاش کرتی رہی وہ بھی نہیں ملا۔ بمشکل چوتھے دن ملا تو بھاگیرتی نے بے چینی سے پوچھا۔ "یہ آغر خان کہاں گم ہو گیا عبداللہ؟"

عبداللہ نے اپنے چہرے پر زبردستی رنج و غم کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی، بولا۔ "بھاگیرتی! اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا تھا، بادشاہ نے اس کو فوراً ہی دہلی طلب کر لیا لیکن وہ وعدہ کر گیا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ واپس ضرور آئے گا۔"

عبداللہ یہ جھوٹ اس لیے بول رہا تھا کہ وہ بھاگیرتی کے دل کو ایک دم نہیں توڑنا چاہتا تھا اور اس کو بھی اس پر رحم آ رہا تھا۔ بھاگیرتی چکرا گئی۔ "وہ دہلی چلا گیا! وہ واپس آئے گا نا؟"

عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ ضرور واپس آئے گا۔ کیونکہ آغر خان ایک بہادر انسان ہے اور بہادر لوگ اپنے وعدے کا بڑا پاس کرتے ہیں!"

بھاگیرتی کی حالت غیر ہونے لگی۔ "اس کو مجھ سے مل کر جانا تھا۔"

عبداللہ نے جواب دیا۔ "بھاگیرتی! اس کو زبردستی لے جایا گیا ہے، ورنہ وہ بغیر ہرگز نہ جاتا۔"

بھاگیرتی کا اب مغل فوج میں رہنا بیکار تھا۔ وہ مغلوں کے بیچ سے نکل کر اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔

پہاڑی کی سطح ہموار جگہ پر، جہاں تین راستے مختلف سمتوں میں چلے گئے تھے اور جس کا ایک راستہ نشیب میں اترتا چلا گیا تھا، بھاگیرتی کا پتھر یلا مکان اس کا انتظار کر رہا تھا، ناتراشیدہ لکڑیوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی، اس کا باپ اپنی بہن اور بھانجی کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا، اس نے بھاگیرتی کو دیکھتے ہی خوشی کی آواز نکالی۔ بولا۔ "بھاگیرتی! تو آ گئی! اس وقت تیرا ہی ذکر ہو رہا تھا، جمدھر کدھر ہے؟"

بھاگیرتی نے سوگوار آواز میں جواب دیا۔ "ہاں باپ جی میں آ گئی، جمدھر غدار تھا، مارا گیا!"

راکھن پال جی نے چونک کر پوچھا۔ "جمدھر غدار تھا، کس کا غدار تھا؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔ "اپنے ملک، اپنے وطن، اپنی قوم، اپنے محسن اور خود اپنا بھی۔ وہ مغلوں کا بھی غدار تھا اور اسلام کا بھی۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس نے ساتھ کسی کا بھی نہیں دیا۔"

جمدھر کی ماں چیخ پڑی۔ "لڑکی! اپنی زبان کو قابو میں رکھ، میرا بیٹا غدار نہیں ہو سکتا۔"

جمدھر کی بہن بھی رو دی۔ "بھاگیرتی! نارائن تجھے خوش نہ رکھیں، میرے بھائی کو غدار نہ کہہ۔"

بھاگیرتی نے پورا واقعہ بتا کر کہا۔ "مغلوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جمدھر کو میں نے غدار نہیں کہا، بلکہ وہ تھا ہی غدار۔"

جمدھر کی ماں اور بہن اسی وقت اپنے گھر چلی گئیں۔ راکھن پال جی نے اپنی بیٹی میں پہلی جیسی شوخی اور شرارت محسوس نہیں کی، بلکہ وہ بھاگیرتی کو غم زدہ محسوس کر رہا تھا اس نے سوچا، بھاگیرتی کو جمدھر کا غم پریشان کر رہا ہو گا۔ تسلی دینے کے لیے کہا۔ "بھاگیرتی! کچھ ہوا، اس کا مستقل سوگ منانا فضول ہے، جمدھر نہیں تو اور کتنے نوجوان ہیں۔"

بھاگیرتی نے زہریلی ہنسی میں جواب دیا۔ "باپ جی! یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا کہ میں جمدھر کے غم میں گھل رہی ہوں۔ میں اس غدار سے شادی کبھی بھی نہ کرتی۔ رہی یہ بات شادی کے لیے کئی اور نوجوان ہیں، تو میں اپنے دل کا راز اب نہیں چھپاؤں گی۔" پھر مشکل رک کر کہا۔ "باپ جی! میں نے ایک بہادر نوجوان سے شادی کر لی ہے۔"

باپ نے حیرت سے پوچھا۔ "تو نے کس سے شادی کر لی ہے؟ وہ نوجوان کون ہے اور کہاں ہے؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا۔ "باپ جی! وہ نوجوان ترک (مسلمان) ہے، اس کا نام آغر

خان ہے، دہلی اپنے بادشاہ کے پاس گیا ہوا ہے لیکن وہ وعدہ کر گیا ہے کہ میرے پاس واپس آجائے گا، وہ بہادر ہے اور بہادر غلط وعدے نہیں کرتے۔"

* راکھن پال جی کو ایسا لگا گویا بھاگیرتی کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔

آغر خان دہلی پہنچا، لیکن اس سے پہلے ہی خانخاناں کا قاصد پہنچ چکا تھا۔ خانخاناں نے آغر خان کی بہادری کی تعریف اور سرکشی کی شکایت لکھ بھیجی تھی، اورنگ زیب نے چند دنوں تک اس کو معتوب رکھا، لیکن بعد میں اس کو صوبہ کابل روانہ کر دیا۔ کابل کے بعد اس کو دکن کی مہم پر روانہ کر دیا گیا۔ وہاں مرہٹوں سے بڑی خوفناک جنگیں لڑیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کو دربار شاہی میں طلب کر لیا اور چند ماہ روک کر دوبارہ کابل روانہ کر دیا۔ لیکن جب دکن میں پھر بدامنی پھیلی اور وہاں کسی لائق فوجی کی ضرورت محسوس ہوئی تو بادشاہ نے پھر ایک بار آغر خان کو دکن روانہ کر دیا۔ دکن میں اس نے غیر معمولی کارنامے انجام دیئے۔ ابھی وہ دکن میں مصروف پیکار تھا کہ اکبر آباد کے نواح میں جاٹوں کی سرکشی نے امن وامان تہہ و بالا کر دیا۔ آغر خان کو دکن سے پھر بلوا لیا گیا اور شاہی حکم جاری ہوا کہ جاٹوں کی گوشمالی کی جائے۔

آغر خان نے جو کچھ عبداللہ سے کہا تھا۔ وہ سچ اتر رہا تھا، وہ کسی ایک جگہ نہیں رہ سکتا تھا، وہ کبھی دکن میں تھا، کبھی کابل میں اور کبھی اکبر آباد کے نواح میں۔ اس کو سفر حضر میں بھولی بھالی، سیدھی سادی معصوم بھاگیرتی یاد آتی رہی، وہ اس لڑکی کی محبت کو کسک کی شکل میں برابر محسوس کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اکبر آباد کے نواح کی ایک گڑھی میں جب اس کا سرکش جاٹوں سے مقابلہ ہوا تو بہادر آغر خان گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنی عادت کے مطابق گھستا چلا گیا، کسی جاٹ کی ایک گولی اس کے سر کو پاش پاش کر گئی اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ بعد میں شاہی فوج نے جاٹوں کو شکست دے دی اور آغر خان کو اسی گڑھی میں اعزاز و احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

لیکن اکبر آباد سے سینکڑوں میل دور بھیم گڑھ میں بھاگیرتی آغر خان کے انجام سے بے خبر اس کا انتظار کیے جا رہی تھی، بھاگیرتی کا ایمان تھا کہ آغر خان بہادر ہے اور بہادر لوگ جھوٹے وعدے نہیں کرتے، اس لیے آغر خان ایک نہ ایک دن اس کے پاس پہنچے گا ضرور۔ کافی دنوں تک بھاگیرتی بھیم گڑھ میں گھر گھر جاتی اور یہی کہتی کہ اگر آغر خان نامی ایک ترک میرا پتہ پوچھتا ہوا آئے تو اس کو میرے گھر پہنچا دینا وہ میرا شوہر ہے لیکن جب وہ سالہا سال کے بعد بھی نہ آیا تو بھاگیرتی کی زبان بند ہو گئی اور وہ سراپا انتظار بن گئی۔